

تختیروزا سید سلیمان

عن

کید الکاذبین

افادات

تقریرت العالم مولانا اللہ ریاضی صاحب

رحمۃ اللہ علیہ

Handwritten signature or mark in the top left corner.

Large, stylized calligraphic character, possibly representing the Chinese character '世' (Shì).



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تذکیر المسلمین

عن

کمد الکاذبین

تالیف

حضرت العلامہ مولانا  
خاں صاحب رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ

ناشر

مدنی کتب خانہ

گیتے روڈ - لاہور

# کتاب حوالہ

۱۹۔ فصل الخطاب	۱۔ الملل والنحل - شہرستانی
۲۰۔ استبحان طبری	۲۔ اصول کافی - طبع مکتو
۲۱۔ حق یقین	۳۔ کتاب الفیہ - علامہ طوسی
۲۲۔ فروع کافی - طبع مکتو	۴۔ فقہ المصل
۲۳۔ ذبح عظیم	۵۔ انوار نعمانیہ - محدث البحر ائری
۲۴۔ خلاصۃ المصاب	۶۔ اساس الاصول - طبع ۹۳ ۱۲
۲۵۔ جلاء العیون	۷۔ استقصاء الافہام - علامہ مجلسی
۲۶۔ مجالس المؤمنین	۸۔ رجال کئی - طبع ایران
۲۷۔ نیج الاحزان طبع ایران	۹۔ حیات العقوب
۲۸۔ تفسیر شانی	۱۰۔ کلمہ حیدری - علامہ باذل
۲۹۔ الاستغاثۃ فی بدع الثلاثہ	۱۱۔ مختصر معانی الدرجات
۳۰۔ فلک النجات	۱۲۔ روضہ کافی
۳۱۔ کتاب سلیم بن قیس ہلالی	۱۳۔ کشف القم
۳۲۔ درۃ النبیۃ	۱۴۔ علی الشرائع
۳۳۔ مجمع البحار	۱۵۔ مناقب شہر ابن آشوب
۳۴۔ احتقاق الحق	۱۶۔ اصول کافی معہ شرح صفائی
۳۵۔ المناقب الخوارزمی طبع عراق	۱۷۔ تفسیر عیاشی
۳۶۔ تفسیر امام حسن عسکری طبع ایران	۱۸۔ تفسیر صفائی

تعداد  
پیرنٹرز  
کاپیہ  
ناشر

۵۰ سو صرف  
عاشق عارف پیرنٹرز لاہور  
۴۸ روپے  
مدنی کتب خانہ لاہور

# فہرست

صفحہ نمبر	مضمون	زبر شمار	صفحہ نمبر	مضمون	زبر شمار
۷۰	حکومت امہ	۱۵	۹	لفظ بدایہ کی تحقیق	۱
۷۱	امام مہدی کی فتوحات اور	۱۶	۲۰	فصلیت	۲
۷۲	آبیاری کا تعاون	۱۷	۲۱	عقیدہ بدایہ کی ضرورت	۳
۷۳	حضرت علی کی قیادت میں	۱۸	۲۲	فسخ، محو و نجات اور بدایہ	۴
۷۴	ایک خوفناک جنگ	۱۹	۳۲	فسق	۵
۷۵	مسئلہ رجعت اور شیعہ علماء	۲۰	۳۸	عقیدہ رسالت	۶
۷۶	عقیدہ امامت اور امامت کے متعلق	۲۱	۴۳	حضرت یوسفؑ	۷
۷۷	نادر بائیں	۲۲	۴۵	حضرت یونس علیہ السلام	۸
۷۸	بارہویں امام کے متعلق سید	۲۳	۴۸	عقیدہ آخرت	۹
۷۹	نعمت اللہ الجزائری محدث کا ذاتی اثر	۲۴	۶۰	عقیدہ امامت	۱۰
۸۰	مسئلہ امامت اور خاندانی نبوت	۲۵	۶۴	سفر اکون تھے؟	۱۱
۸۱	کی خانہ جنگیاں	۲۶	۶۶	غیبت صغریٰ اور سفرا	۱۲
۸۲	امام مظلوم	۲۷	۶۷	امام کب ظاہر ہوں گے؟	۱۳
۸۳	سابقہ کتب کے شواہد	۲۸	۶۸	زمانہ رجعت میں غیر شیعہ اور	۱۴
۸۴	عقیدہ خلافت	۲۹	۷۲	سنیوں کی حالت	۱۵
۸۵	آیت نذکرہ کے نزول اور خلافت علی	۳۰	۷۳	زمانہ رجعت میں ماہ کے انقلابی کام	۱۶
۸۶	بلاغت کی تفصیل	۳۱			

۳۷	تفسیر قمی
۳۸	تفسیر فرائد بن ابراہیم
۳۹	کشف الغیب
۴۰	الرسالة المؤمنة
۴۱	بحار الانوار
۴۲	ہنج البلاغہ مع شرح بیتم بحرانی
۴۳	کنز العرفان
۴۴	حدیثی شرح ہنج البلاغہ
۴۵	مفتی الآمال
۴۶	الطراز المذهب مظہری
۴۷	ناخ التوارخ
۴۸	تفسیر مجمع البیان
۴۹	کتاب المیزان طباطبائی
۵۰	تفسیر ارتقان
۵۱	نامی شرح حاشی
۵۲	التوضیح والتلویح
۵۳	تفسیر کبیر امام رازی
۵۴	تفسیر مظہری
۵۵	المنجد
۵۶	تفسیر روح المعانی
۵۷	لسان العرب
۵۸	تاج العروس
۵۹	تفسیر غلط
۶۰	فتح الباری
۶۱	الآلی المصنوعہ
۶۲	میزان الاعتدال
۶۳	اشعة المعانی
۶۴	شرح مسلم امام فودی
۶۵	مسند احمد
۶۶	العواصم
۶۷	عمدة التقیق
۶۸	کتاب الاذامہ
۶۹	اغاثۃ المہمان
۷۰	تادیل الروایات الباہرہ
۷۱	غایۃ المرام
۷۲	رد روضۃ الواعظین
۷۳	مشکوٰۃ
۷۴	ریاض النظرہ
۷۵	فیض الباری
۷۶	القاموس
۷۷	مفتی الارب
۷۸	عینی شرح بحرانی
۷۹	حواشی الملتقی
۸۰	طبری
۸۱	عرف شذی

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم و علی اللہ واصحابہ اجمعین

اسلام کے اساسی عقائد میں توحید، رسالت اور معاد۔ عقیدہ توحید سے اجمالی طور پر مراد یہ ہے کہ اس امر کی دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات میں لاشریک ہے اور تمام تقاضوں اور عیوب سے پاک ہے۔ اور عبادت کے لائق صرف اسی کی ذات ہے۔

شیعہ حضرات نے عقیدہ توحید کے ضمن میں صفات باری تعالیٰ میں ایک خاص وصف کا ذکر کیا ہے اور خدا کی اس صفت پر ایمان لانا نہایت اہم قرار دیا ہے۔ وہ صفت یہ ہے کہ

« اللہ تعالیٰ کو پیدا ہوتا ہے »

عقیدہ ہدای کی تفصیل میں چار اہم پہلوؤں پر بحث کی جاتی ہے۔  
اول : لفظ ہدای کی لغوی تحقیق۔

دوم : عقیدہ ہدای کی اہمیت اور اس کی فضیلت۔

سوم : اللہ تعالیٰ کی ذات کو اس صفت سے متصف ماننے کی وجہ۔

چہارم : علمائے شیعہ کی تومنیحات اور ان کا جائزہ۔

کسی لفظ کے معنی اور مفہوم کی تحقیق معلوم کرنے کا مستند طریقہ یہ ہے کہ اس زبان کی لغت اور اہل زبان کے محاورہ

اور روزمرہ کا مطالعہ کیا جائے چنانچہ ہدای، عربی زبان کا لفظ ہے لغت عرب میں ہدای کے معنی یوں بیان ہوئے ہیں ہدایا، ای ظہر، ای ظہر، ای ظہر، یعنی اسے جو بات اب معلوم ہوئی وہ پہلے معلوم نہ تھی یا اس کے برعکس ظاہر تھی۔ لغت اور محاورہ کے اعتبار سے کلام عرب میں قرآن کریم فصیح ترین کتاب ہے۔

اس میں ہدای کا لفظ ان معنوں میں استعمال ہوا ہے :-

صفحہ نمبر	مضمون	نمبر شمار	صفحہ نمبر	مضمون	نمبر شمار
۲۲۶	انبیاء علیہم السلام کی میراث	۳۵	۱۴۰	لفظ سوئی کی تحقیق	۲۶
۲۳۹	قرآن حکیم اور وراثت انبیاء	۳۶	۱۴۱	علم معانی کے لحاظ سے تحقیق	۲۷
	مطالبہ میراث کے مسئلے	۳۷		کتاب سلیم بن قیس ہلالی کی	۲۸
۲۵۶	میں حضرت علی کا کردار		۱۷۳	تاریخی اور دینی حیثیت	
۲۶۵	دعویٰ ہبہ فدک	۳۸		حضرت علی اور صفائے ثمنہ	۲۹
۲۶۸	ہبہ فدک کی تفصیل اور اس کی تاریخ	۳۹	۱۸۱	کے تعلقات	
۲۷۵	اممال مامومہ	۴۰	۱۹۹	حضرت عثمان پر ایک لازم	۳۰
۲۸۲	نہ ز	۴۱		اس مفروضہ کے خلاف	۳۱
۲۸۶	افضل العبادات والذابادات	۴۲	۲۰۲	ایک اور شہادت	
۳۰۴	ماتم حسین	۴۳	۲۱۰	بارغ فدک	۳۲
۳۲۱	مصیبت اور لوازم مصیبت	۴۴		فدک کی جاگیر حضور کے	۳۳
۳۳۳	اپنے اور پرانے	۴۵	۲۱۷	قبضہ میں کیسے آئی؟	
۳۳۷	سینوں سے یہ بغین کیوں	۴۶		مال نے پر حضور کے	۳۴
۳۴۲	دین اسلام اور دین خبیثہ	۴۷		قبضہ کی نوعیت	

(i) سورہ یوسف میں بیان ہوا کہ:

ثُمَّ سَبَّ اللَّهُ مِنْ تَمَدٍّ مَا رَأَىٰ لآيَاتٍ  
لِّيَسْمَعَكَ حَتَّىٰ حِينٍ

پھر ان پر حضرت یوسفؑ کی پاک دامنی کے  
دلائل ظاہر ہوئے تو ان کو یہ مناسب معلوم ہوا  
کہ انہیں کچھ مدت کے لیے قید کر دیا جائے۔

یعنی حضرت یوسفؑ کو قید کرنے کی رائے پہلے نہ تھی۔ اب یہ نئی صورت مناسب معلوم  
ہوئی۔ اس لیے پہلی حالت کا نام جہل ہے۔

(ii) وَبَدَّ اللَّهُ مِنْ اللَّهِ مَالَهُ  
يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ -  
اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان (کفار) پر وہ امور  
ظاہر ہوئے جن کا انہیں گمان تک نہ تھا۔

یعنی جزا و سزا کے قطعاً منکر میں قیامت میں اس کا علم ہوگا۔ دنیا میں جزا و سزا  
کے متعلق جاہل تھے قیامت میں علم ہو جائے گا۔  
پریدا کے معنی یوں بیان ہوئے ہیں۔

الملل والنحل: ۱۳۷

والبدد - فكان البداني  
العلم وهو انه يظهر له خلاف  
ما علم والبدد في الإرادة وهو  
ان يظهر له صواب على  
خلاف ما اراد او حكمه والبدد  
في الامتن وهو ان يامر بشيئ ثم  
يامر بشيئ اخر يعده بخلاف ذلك

اور بدد علم میں یہ ہے کہ پہلے جو چیز معلوم  
تھی اب اس کے خلاف اس پر ظاہر ہوئی۔  
ارادہ میں بدد یہ ہے کہ سابقہ ارادہ کے خلاف  
دوسرا ارادہ اچھا معلوم ہوا۔ اور بدد حکم  
میں یہ ہے کہ پہلے ایک چیز کے کرنے کا  
حکم دیا پھر اس کے خلاف دوسری چیز  
کا حکم دیا۔

اللہ تعالیٰ کی صفت بدد کا عقیدہ رکھنے کی پہلی صورت یعنی بدد فی العلم کے متعلق  
صاحب الملل والنحل فرماتے ہیں کہ

ولا عاقل يعتقد هذا الاعتقاد - یعنی کوئی ذی عقل انسان (خدا کے متعلق) یہ  
عقیدہ نہیں رکھ سکتا۔ اور بدد فی الارادہ کا حاصل بھی یہی ہے کہ دوسرے ارادہ کے اچھا

ہونے کا جو علم اب بنواد پہلے نہ تھا لہذا پہلی حالت کو جہل ہی کہیں گے۔ اسی طرح بدد  
فی الحكم میں بھی بات وہی نکلتی ہے کہ حکم ثانی کے صحیح ہونے ہ علم اس وقت نہ تھا جب حکم  
اول دیا۔ لہذا اس حالت کو جہل کہیں گے۔ یاں اگر حکم اول کے متعلق پہلے معلوم تھا کہ  
ایک وقت مقررہ مندرجہ تک یہ حکم نافذ رہے گا اس کے بعد حکم ثانی نافذ ہوگا تو یہ نسخ  
کہلائے گا۔ جس میں پہلا حکم منسوخ اور دوسرا ناسخ کہلائے گا۔ گویا نسخ اور بداد  
بالکل مختلف چیزیں ہیں نسخ کو بدد نہیں کہتے۔ اسی وجہ سے اصول کافی اور دوسری  
کتب شیعہ میں نسخ اور بدد کے الگ الگ باب قائم کئے گئے ہیں۔ اگر ایک چیز کے دو  
نام ہوتے تو ہر ایک کے لیے جدا جدا باب قائم کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

کتب شیعہ سے نمایاں طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق بدد فی  
العلم اور بدد فی الارادہ کے قائل ہیں۔ اس سلسلے میں جو واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ بھی  
بدد کی ان دو قسموں کو ظاہر کرتے ہیں۔ مثلاً

۱۔ اللہ تعالیٰ نے امام مہدی کے ظہور کا وقت مندرجہ مقرر کیا تھا مگر اللہ میں  
شیعہ حضرات نے امام حسین علیہ السلام کو شہید کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کو غصہ آگیا اور مندرجہ  
میں ظہور امام کے ارادہ کو بدل دیا۔

اس واقعہ سے چند ایک امور یعنی طور پر واضح ہو جاتے ہیں۔

(۱) اگر امام کے قائل خود شیعہ نہ ہوتے تو ظہور مہدی کی نعمت عظمیٰ سے محروم نہ کئے جاتے۔  
(۲) خدا کو جب غصہ آتا ہے تو دوست بھی اس کی پستی میں آجاتے ہیں جیسے شیعہ  
جو خدا کے دوست ہیں اتنی بڑی نعمت سے محروم کر دئے گئے۔

(۳) شہادت امام حسینؑ کے متعلق خدا کو پہلے علم نہ تھا۔ اگر علم ہوتا تو ظہور مہدی کے  
لیے مندرجہ مقرر نہ کرتا۔

۲۔ پھر ظہور مہدی کے لیے مندرجہ مقرر کیا گیا۔ مگر وہ سال بھی گزر گیا۔ اور امام کا ظہور  
نہ ہوا اس سے ظاہر ہے کہ یہ بدد فی الارادہ کا دوسرا موقع ہے۔ اس سے یہی معلوم  
ہوا کہ مندرجہ شیعہ پر خدا غصہ بدستور قائم کر رہا۔ اگر رائی ہوتا تو مندرجہ میں امام مہدی

کا ظہور ہو جاتا۔ اصول کافی مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۲۲۲ پر یہ عقیدہ ان الفاظ میں بیان ہوا ہے۔

عن ابی حمزہ الشامی قال سمعت  
ابا جعفر یقول یا ثابت ان الله  
قد كان وقت هذا الامر  
فی السبعین فلما ان قتل الحسين  
صلوات الله اشتد غضب الله  
على اهل الارض فاخوه الى اربعین  
ومائه فخذتاکه فاذعم الحدیث و  
کشفتم نزع السرو لم يجعل بعد ذلك  
وقت عندنا قال ابو حمزه فخذت  
بذلك ابا عبد الله فقال  
كان ذلك

اصول کافی کی اس عبارت کو پڑھ کر یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے پہلے ارادہ (سلسلہ) اور دوسرے ارادہ (سلسلہ) کی اطلاع اللہ کو کیسے ملی؟ کتاب اللہ اور سنت رسول میں تو اس کا کہیں ذکر نہیں۔ اس لیے یہی ہو سکتا ہے کہ اللہ کو یہ بات بذریعہ وحی معلوم ہوئی یا بذریعہ کشف و الہام۔ اگر پہلی صورت تسلیم کی جائے تو ختم نبوت کا انکار لازم آتا ہے جو کفر ہے اور اگر دوسری صورت مانی جائے تو عقائد کے باب میں کشف و الہام کو حجت تسلیم کرنا پڑتا ہے جس کی کوئی دلیل نہیں ملتی۔ اور اگر یہ دونوں صورتیں قابل تسلیم نہ ہوں تو ماننا پڑے گا کہ راویوں نے یہ امر اپنی دہلیزی کی ہے۔ پھر محدثین شیعہ نے اس پر عقیدہ کی بنیاد کیوں رکھی؟ یہ ایسا سوال ہے جس کا جواب تلاش کرنے کی ضرورت تاحال باقی ہے۔

علامہ قزوینی نے علامہ طوسی کی کتاب الغیبة سے ایک اقتباس دیا ہے :-

عن ابی حمزہ الشامی قال  
قلت لابی جعفر ان علیا كان  
یقول الى السبعین بلاء وكان  
یقول بعد البلاء رخاء وقد مضت  
السبعون ولع نور رخاء

اسی کتاب الغیبة میں ایک روایت ہے

عن عثمان بن النواد قال سمعت  
ابا عبد الله یقول لجان هذا لامنی  
فاخوه الله ویفعل الله ما یشاء  
بعد فی ذریعہ  
ما یشاء

ابو حمزہ کہتا ہے میں نے امام باقر سے کہا کہ  
حضرت علیؑ فرمایا کرتے تھے کہ سترہ تک  
مصائب ہیں اس کے بعد راحت و آرام مگر  
سترہ گزر گیا اور ہمیں راحت نصیب  
نہ ہوئی۔

عثمان کہتا ہے میں نے امام جعفر سے سنا  
فرماتے تھے کہ منصب (امام مہدی) میرے لیے  
خاص تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اسے مؤخر کر دیا۔  
اور اب اللہ تعالیٰ میری اولاد میں جو چاہے  
لگا کرے گا۔

اس روایت سے برآنی الارادہ کی ایک نئی صورت سامنے آتی ہے کہ پہلے امام جعفر  
کو اللہ تعالیٰ نے امام مہدی کا منصب دینے کا ارادہ کیا۔ پھر اسے بدل دیا یعنی امام جعفر اس  
نعت عظمیٰ سے محروم کر دئے گئے۔ ادھر امام جعفر سے یہ بھی منقول ہے کہ خدا تعالیٰ کے  
ارادہ تھا کہ سلسلہ امامت بارہ اماموں پر ختم کرے اس لیے بارہ اماموں کے نام بارہ مرتبہ  
نفاقوں میں رسولؐ خدا پر نازل فرمائے ہر لفظ میں امام کا نام اور اس کی علامت لکھی  
تھی۔ یعنی بارہ اماموں کا تقرر خدا کی طرف سے تھا۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام جعفر پر امامت کا سلسلہ ختم کرنے کا ارادہ  
خدا نے کیا جیسا تو انہیں آخری امام یعنی مہدی کا منصب دینا چاہا۔ مگر پھر خدا نے ارادہ  
بدل دیا اور بارہ امام ہی مقرر ہے۔

اصول کافی میں ایک طرف تو وقت کی تعیین سندھ اور سلسلہ کا ذکر ہے دوسری طرف  
اس کے بالکل برعکس ایک اور روایت بھی ملتی ہے۔

اصول کافی صفحہ ۲۲۲



عن الجعفر قاتل هذا الامر  
وقت فقال كذب الوقاتون

راوی کہتا ہے میں نے امام سے ظہور مہدی کا  
وقت دریافت کیا فرمایا وقت بیان کرنے والے  
سب جھوٹے ہیں جھوٹے ہیں جھوٹے ہیں۔

كذب الوقاتون كذب الوقاتون

اصول کافی کے حوالے سے گذشتہ روایات سے ظاہر ہے وقت بتانے والے ائمہ  
ہی تھے یعنی حضرت علیؑ، امام باقر اور امام جعفر۔ پھر امام باقر فرما رہے ہیں کہ وقت بیان کرنے  
والے جھوٹے ہیں اس لیے یہی کہتا پڑے گا کہ راویوں نے یا تو یہاں انفرادی پر دازی کی ہے  
یا وہاں۔ بہر حال انفرادی پر دازیوں کے تانے بانے سے یہ مسلک تیار ہوا۔

دوسرا واقعہ :- منصب امامت پر تقرر کے لیے ایک قانون بیان ہوا ہے۔

اصول کافی طبع کفوض ص ۱۸۸

وللامام علامات منها ان يكون  
اكبر ولد ابيه

امام کے لیے نشانیاں ہیں از انجملہ ایک علامت  
یہ ہے کہ امام اپنے والد کا سب سے بڑا بیٹا ہوتا ہے

چنانچہ اسی اصول کے ماتحت خدا نے امام جعفر کے بعد ان کے بڑے بیٹے اسمعیل  
کو امامت کا منصب عطا فرمایا مگر اس اعلان خداوندی کے باوجود اسمعیل اپنے باپ کی  
زندگی میں ہی فوت ہو گئے اور خدا کو اپنا ارادہ بدلنا پڑا۔ اور موسیٰ کو امام مقرر کیا۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا خدا کو علم نہ تھا کہ اسمعیل اپنے باپ کی زندگی میں ہی  
فوت ہو جائیں گے؟ اگر علم ہوتا تو ان کی امامت کا اعلان نہ کرتا۔ اس لیے ظاہر ہے کہ یہ بدا  
فی العلم ہے۔ اور اسمعیل کی جگہ موسیٰ کو امام مقرر کرنا بدی الارادہ ہوا۔ اس ایک واقعہ میں بدا  
کی دو صورتیں ثابت ہوئیں۔

سید نعمت اللہ جرجانی محدث کے سامنے جب یہ لایٹھل مسئلہ پیش کیا گیا کہ اب العالمین  
کو جب اپنے قدیم علم سے معلوم تھا اور لوح محفوظ پر لکھ دیا تھا کہ یہ بارہ خلفے ہوں گے تو اسمعیل  
کا امام ہونا ہی لوح محفوظ پر لکھا ہوا۔ اور یہ امر واقعہ ہے کہ

(۱) اسمعیل امام جعفر کے بڑے بیٹے تھے۔

(ب) یہ اپنے والد کی زندگی میں فوت ہو گئے۔

(ج) اسمعیل کی امامت کا اعلان جب قانون شیعہ خدا کی طرف سے ہوا تھا۔ اور  
الفاظ میں تاویل تو ہو سکتی ہے مگر واقعات کی تکذیب کیونکر ممکن ہو سکتی ہے۔  
توسید صاحب نے جواب دیا۔

فان قلت اذا كان اسما  
الاسنة - كتوب في لوح فاطمة  
وفي الدفاتر السماوية قبل خلق  
ادم وبعيد ه ما معني ماروي  
من قول الجعبد الله لابنه  
موسى لما مات اسمعيل ما بد الله  
في شئني مثل ما بد الله في اسمعيل

اسی مرتبہ کی ایک روایت علامہ طوسی نے نقد المعصومین میں بحوالہ الاوار مجلس سے نقل کی ہے۔

عن جعفر الصادق انه جعل  
اسمعيل القائم مقامه بعد فظمه  
من اسمعيل ما لم  
يرتضه جعل القائم مقامه  
موسى فسنل عن ذلك فقال  
بد الله في اسمعيل۔

اسی قسم کی ایک روایت شیخ صدوق نے اپنے رسالہ انتقاد میں بیان کی ہے

ما بد الله في شئ كما  
بد الله في اسمعيل  
تیسرا واقعہ :- امام حسن عسکری کی امامت کے سلسلے میں اصول کافی ص ۱۸۸ پر بیان  
ہوا ہے۔

عن ابی الهاشم الجعفری  
ابوالہاشم کہتا ہے کہ میں امام نقی کے پاس گیا

قال كنت عند ابى الحسن  
بعد ماضى ابنه ابو جعفر  
وان لا يفكر فى نفسى  
ابيد ان قول كانها اعنى  
ابا جعفر و ابا محمد فى هذا  
الوقت كابى الحسن موسى  
واسماعيل بن جعفر بن محمد  
وان قصته كقصتهما اذ كان  
ابو محمد المر جابعد ابى  
جعفر فاقبل على ابى الحسن  
قبل ان انطق فقال نعم يا ابا الهيثم  
بد الله فى ابى محمد كما بد الله فى موسى  
بعيسى اسمعيل ما كشف يد عن ماله  
وهو كما حدثتک ففساد وان كره  
المبطلون وابو محمد ابى الخلف من بعد  
عنه علم يتخلى اليه ومع الامة الامامة  
اس واقعكى تفصيل يربى كرام تقى كى بعد ان كى بڑے بيٹے ابو جعفر كو خدا نے امامت  
كے ليے منتخب فرمايا اور اس كا اعلان كر ديا مگر ابو جعفر اپنے والد كى زندگى ميں فوت ہو گئے اور  
خدا كو اپنا فيصله بدلنا پڑا چنانچہ ان كى جگہ حسن عسكرى كو امام بنايا تو شيعه حضرات ميں امامت  
كے عقيدہ كے متعلق ترزلزل پيدا ہوتے لگا۔ اس ليے امام تقى نے انہيں بتايا كہ خدا كو خدا ہو  
گيا يعنى خدا بھول كر ابو جعفر كى امامت كا اعلان كر ميٹھا تھا۔ اس ليے شيعه كو خدا كى اس بھول پر  
چپ ہو جانا چاہيے۔ ہاں تو اس روايت سے ايك نبي بات معلوم ہوتى كہ امامت كے ليے  
كوئى مخصوص آلات بھی ہوتے ہيں۔

جب ان كے بيٹے ابو جعفر كا انتقال ہو چكا تھا  
ميں اپنے دل ميں سوچ رہا تھا كہ كيونكر اس  
وقت ابو جعفر اور حسن عسكرى كى حالت وہى  
ہے جو موسى كا ظم اور اسماعيل فرزند ان جعفر  
صادق كى تھى دونوں كے واقعات ايك جيسے  
ہيں كيونكر حسن عسكرى ابو جعفر كے بعد پيدا  
ہونے۔ امام تقى ميں طرف متوجہ ہونے اور  
فرمايا ابو الباقم: اللہ كو حسن عسكرى كے متعلق  
اسيا ہی ہوا جيسا موسى كا ظم كے ليے اسماعيل  
كے مرنے كے بعد ہوا جس نے اسماعيل كے  
حال كو ظاہر كر ديا۔ يہ اسيا ہی ہے جيسا تم  
نے دل ميں خيال كيا اگرچہ مگر لوگ اسے بڑا  
ہي خيال كريں ميرے بيٹے حسن عسكرى كے پاس  
جو مير خليفہ ہے تمام ان اشياء كا علم ہے سچى  
فوزرت ہے اور اس كے پاس آكر امامت بھی ہے۔

(۱) خدا سے بھول ہو جانے يعنى بدا كے متعلق روايات صحيح ہيں۔ اگر ان روايات ميں  
كوئى ستم ہوتا تو آسان بات تھى كہ يہ جواب ديا جاتا كہ بدا كے متعلق احاديث غلط ہيں۔  
تا روايات كى فزوزرت اسى ليے محسوس ہوتى كہ ان روايات كى صحت كا يقين ہو جو ہے۔  
(۲) محدثين اور متكلمين شيعه مانتے ہيں كہ يہ تمام احاديث ائمہ طاہرين سے منقول ہوں كہ  
مستند كتب احاديث ميں درج ہوں ميں۔

(۳) عقيدہ بدا كا اظہار كسى نظري يا فكرى اختلاف كے سلسلے ميں نہيں ہوا بلكل حالات  
سے متعلق ہے جو امور واقعہ ہيں۔ محض الفاظ نہيں بلکہ تاريخى واقعات ہيں۔ اور  
ظاہر ہے كہ واقعات ميں تاويل كى گنجائش نہيں ہوتى۔ لہذا شيعه كے نزدیک  
خدا كے متعلق بدا كا عقيدہ ركعت توحيد كا جزو لا ينفك ہے۔

اس سلسلے ميں سيرت كى بات يہ ہے كہ خدا سے جب بھی بھول ہوتى امامت كے  
بارے ميں ہوتى حالانكہ امام كى علامات اتنى تفصيل اور اتنى اہتمام سے شيعه لٹرچر ميں درج  
ہيں كہ غلطى كھا جانے كا تصور بھی نہيں كيا جاسكتا۔ پھر بھی خدا سے بھول ہوتى ہی رہى۔ مثلاً  
اصول كافى اور حق اليقين ميں امام كى علامات درج ہيں :-

- (۱) امام ہميشہ بڑا بيٹا ہوگا۔
- (۲) امام چالیس دن كے بعد ماں كے پيٹ ميں نہيں رہتا بلکہ ماں كى سپليون ميں رہتا ہے۔
- (۳) امام ماں كے پيٹ ميں قرآن، توريت، انجيل، زبور وغيرہ حفظ كر كے پيدا ہوتا ہے۔
- (۴) امام ماں كى دائیں ران سے پيدا ہوتا ہے نہ كہ انسانی پيدائش كے موعودہ طريقے سے۔
- (۵) امام كے دانت ماں كے پيٹ ہی ميں پيدا ہو جاتے ہيں۔
- (۶) امام حقنہ شدہ پيدا ہوتا ہے۔
- (۷) امام كى پيشاني پر برہمت كلمتہ ربث صدقا و عدلا لکھا ہوتا ہے۔
- (۸) پيدا ہوتے ہی امام مسجد ميں گر جاتا ہے اور كلمہ شہادت پڑھتا ہے۔
- (۹) امام ناف بريدہ ہوتا ہے۔
- (۱۰) ہرام كے نام بنام بارہ لفظانے رسول خدا پر نازل ہونے كے كھلاں كے بھولنے سے۔

اس قدر واضح علامات کے باوجود امام کے بارے میں خدا سے بھول ہوتی ہی ربی اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ (معاذ اللہ) خدا کا علم ناقص ہے اسے اتنا بھی معلوم نہیں کہ کوئی کب مرے گا۔ اس ساری تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ:-

(۱) بدعا کا مطلب یہ ہے کہ ایک چیز جو پہلے خدا کے علم میں نہ تھی بعد میں معلوم ہو گئی۔  
یعنی خدا کی ایک صفت جبل ہے اور عقیدہ بدعا کے مطابق خدا کو جاہل ماننا لازمی ہے  
(۲) خدا نے ایک ارادہ کیا اس کی غلطی اس پر ظاہر نہ ہوئی تھی جب غلطی ظاہر ہوئی تو مجبوراً خدا کو اپنا ارادہ بدلنا پڑا۔ یعنی یہ ماننا پڑا کہ صحیح اور غلط، مناسب و نامناسب کے درمیان فیصلہ کرنے میں خدا سے بھول ہو جاتی ہے۔

(۳) خدا سے جب بھی بھول ہوئی امامت کے منصب کے بارے میں ہوئی۔ حالانکہ امام کے لیے واضح اور کثیر علامات موجود تھیں۔ اس لیے ماننا پڑے گا کہ یا تو خدا بڑا سادہ اور بھولا بھالا ہے یا امامت کا عقیدہ ایجاد بندہ کی قبیل سے ہے۔

### عقیدہ بدعا کی اہمیت اور فضیلت :-

عقیدہ بدعا کے متعلق کتب شیعہ میں مختلف موقف اختیار کئے گئے ہیں مثلاً

(۱) جواز :-

شیعہ تے خدا کے لیے بدعا کو جائز رکھا۔ اور بدعا کے معنی یہ ہیں کہ خدا کسی شے کا ارادہ کرے پھر خدا پر وہ ظاہر ہو جو پہلے ظاہر نہ تھا۔ اور اس سے لازم آئے گا کہ خدا تعالیٰ امور کے انجام سے جاہل ہے اور یہ بات نہایت صحیح ہے۔

جو رد البدا علی اللہ وان یرید اللہ شینا ثوبد الہ ای یظہر علیہ ما لہو یکن ظاہر الہ و ینرمہ ان لا یكون الرب تعالیٰ عالماً بحوادث الامور والاصح ہود الوار سائیرہ ۱۰۹

اس اقتباس سے عقیدہ بدعا جواز ظاہر ہوتا ہے۔ بدعا کے معنی واضح ہوتے ہیں اور یہی ظاہر ہے۔ امور کے انجام سے خدا کا جاہل ہونا لازم آتا ہے۔

(۲) اہمیت :-

القول بالبداء كما قال اصحابنا و في اخبارنا عن الائمة انه ما عبد الله بشئ مثل البداء وان الله لو يرسل نبيا حتى اقر الله بالبداء۔

خدا کے متعلق بدعا کا عقیدہ جیسا کہ ہمارے علماء شیعہ نے خدا کا جاہل ہونا تسلیم کیا ہے۔ اور ائمہ کرام سے حدیثیں مروی ہیں کہ خدا کی عبادت کا حق جو عقیدہ بدعا کے تسلیم کرنے سے لے لیا ہوتا ہے وہ کسی اور عبادت سے نہیں ہوتا اور خدا نے کوئی نبی نہیں بھیجا جس سے خدا کے جاہل ہونے کا اقرار نہ کرایا ہو۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ :-

۱ - خدا کے متعلق بدعا کا عقیدہ رکھنا نہایت ضروری ہے۔ اور اس کی روح یہ ہے کہ خدا کو امور کے انجام سے جاہل تسلیم کیا جائے۔

۲ - یہ عقیدہ علمائے شیعہ کا متفق علیہ ہے۔

۳ - یہ عقیدہ تمام اماموں کا تھا جیسا کہ ائمہ کی احادیث سے ظاہر ہوتا ہے۔

۴ - اس عقیدہ کے بغیر خدا کی عبادت کا حق ادا نہیں ہوتا۔

۵ - تمام انبیاء سے خدا نے یہ اقرار کرایا بلکہ نبوت ملتی ہی اس وقت تھی جب اس عقیدہ کا اقرار کر لیتا۔

خدا کی ایک صفت جبل کھٹکتی ہے مگر اس کے بغیر بدعا کے عقیدہ کی تکمیل میں نہیں ہوتی اس لیے بعض طبائع نے کھل کر اختلاف کیا جیسا کہ علامہ دلدار علی مجتہد لکھنوی لکھتے ہیں۔

واعلم ان البداء یعنی ان يقول به احدلانه یلزم منه ان یتصف البارئ تعالیٰ بالجاهل کلا یعنی را اس ل اصول طبع ص ۲۱۹

ثوب سمجھ لو کہ خدا کے متعلق بدعا کا عقیدہ رکھنا جائز نہیں کیونکہ اس سے خدا کی ایک صفت جاہل ہونا لازم آتا ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

مگر تیرہویں صدی میں آکر ایک مجتہد ائمہ کی احادیث اور محدثین و منکھین شیعہ متقدمین کے عقائد پر کیسے پانی پھیر سکتا ہے۔ چنانچہ ایک اور مجتہد امام المناظرین مولوی

حامد حسین لکھنوی نے علامہ دلدار علی کے قول کو یوں رو کر دیا کہ: "خدا کے جاہل ہونے کے عقیدہ میں کوئی قرآنی لازم نہیں آتی" دیکھیے کتاب استقصا الافہام ۱: ۲۸ تا ۱۵۸ بحث عقیدہ بداء۔ آخر میں یہ بات فرمادی۔ ظاہر ہے کہ صدیوں پرانا عقیدہ ایک دلدار علی کے کہنے سے کیسے چھوڑ دیا جائے۔

### ۳۔ فضیلت ۱۔

۱۔ عن ابی عبد اللہ یقول ما تنبأ بنی قط حتی یقر الله بحسب بالبداء المشیة الخ

ب۔ عن الرضا یقول ما بعث الله نبیاً قط الا بتحدیر الخمر وان یقر الله بالبداء۔

ج۔ عن حماد بن اعین عن احدهما قال ما عبد الله بشئ مثل البداء۔

د۔ عن ابی عبد اللہ یقول لو علم الناس ما فی القول بالبداء من الاجد ما افتروا عن الکلام فیہ

(اصول کافی)

س۔ ان الله تعالیٰ لم یرسل نبیاً حتی یقر الله تعالیٰ بالبداء۔ انوار نعائیرہ ۱: ۲۹

اس سے بڑھ کر فضیلت کا معیار اور کیا ہو سکتا ہے کہ ۱۔

نبی کو نبوت ملنے کا مدار اس عقیدہ کا اقرار کرنا ٹھہرا۔

امام جعفر فرماتے ہیں کوئی ایسا نبی نہیں آیا جس نے اللہ کی پانچ صفات کا اقرار نہ کیا ہو۔ بداء کاشیت کا الخ۔  
امام موسیٰ رضا سے روایت ہے کہ اللہ نے کوئی ایسا نبی نہیں بھیجا جس سے شراب کے حرام ہونے کا اور عقیدہ بداء کا اقرار نہ لیا ہو۔

تارہ سے روایت ہے کہ امام نے فرمایا کہ خدا کی عبادت عقیدہ بداء رکھنے سے بڑھ کسی چیز میں نہیں۔

امام جعفر فرماتے ہیں کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ عقیدہ بداء کی تبلیغ اور چرچا کرتے ہیں کتنے ثواب سے تو وہ اس میں سرگرمی نہ کریں۔

اللہ تعالیٰ نے کسی کو رسول نہیں بنایا جب تک اس نے عقیدہ بداء کا اقرار نہیں کیا۔

(۲) یہ عقیدہ رکھنا خدا کی سب سے بڑی عبادت ہے۔ اس سے اعلیٰ کسی عبادت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

(۳) یہ باتیں ائمہ طاہرین نے بیان فرمائی ہیں صرف کسی شکلم یا عالم کی فکری کاوش کا نتیجہ نہیں۔

انوار نعائیرہ کاشیہ کے نزدیک جو مقام ہے مولف نے خود مقدمہ میں بیان کر دیا ہے۔

وقد التزمنا ان لاند کبر فیہ الا ما اخذناہ عن اس باب العصمة الطاہرین او ما حل عندنا من کتب المتکلمین (۱: ۲۱۹) ہم نے اس کتاب میں اس امر کا التزام کیا ہے کہ اس میں وہی بیان کرنا ہے جو ہم نے ائمہ معصومین سے اقتدا کیا ہے اور جو ہم نے علمائے ناقلین کی کتب سے صحیح پایا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ عقیدہ بداء رکھنا شیعہ کے نزدیک صرف جائز ہی نہیں بلکہ نہایت اہم ہے اور سب سے افضل عبادت یہ عقیدہ رکھنا ہے۔

### امر سوم ۱۔ عقیدہ بداء کی ضرورت:

کتب شیعہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کے دور کے اواخر میں ایک یہودی عبد اللہ بن سبائی منافق اور ظہور پر ایمان لایا اور مسلمانوں کی جماعت میں ضم ہو کر درپردہ اسلام کی تخریب کے درپے ہوا اس نے اپنے سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق اسلام کی تعبیر اور اس کی ترویج میں ایک خطرہ محسوس کیا کہ اسلام کو نئی شکل دینے کے لیے روایات گھڑ لینا تو آسان ہے مگر ان روایات کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کرنا مشکل ہے کیونکہ احادیث کی جرح و تعدیل کا فن اس سازش کو چلنے نہ دے گا اس لیے اس کے لیے نئی راہ یہ نکالی کہ روایات کو ائمہ اہل بیت کی طرف منسوب کیا جائے۔ ان حضرات سے گہری عقیدت اور جذباتی تعلق احادیث کی جرح و تعدیل کے سامنے بچاؤ کا کام دے گا۔ چنانچہ شیعہ مذہب کی روایات ائمہ تک پہنچ کر ختم ہو جاتی ہیں۔

ہر معاشرے میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو گہری عقیدت کے باوجود تحقیق کے عادی ہوتے ہیں اس لیے کچھ لوگوں نے ان روایات کو ائمہ کے سامنے پیش کرنا اور ان سے تصدیق کرنا شروع کر دیا چنانچہ ائمہ نے جھوٹی اور من گھڑت روایات کی تکذیب شروع کر دی۔ اور شیعہ پر لعنت کیا کرتے۔ اس کا اصل سبب ان گروہ نے یہ نکالا کہ امام تقیہ کرتے ہیں عوام کے سامنے سنی ہوتے ہیں۔ وہی نماز پڑھتے ہیں مگر درحقیقت شیعہ ہوتے ہیں اور پوشیدہ طور پر ہمیں مذہب کی تعلیم دیتے ہیں پھر تقیہ کے فضائل بیان کرتے کرتے بات یہاں تک پہنچا دی کہ تقیہ ہی اصل دین ہے۔ دین اسلام کا پورا حصہ تقیہ میں پوشیدہ ہے یعنی جو آدمی تمام عبادات کا پابند سے فضائل اخلاق کا حامل ہے مگر تقیہ نہیں کرتا یعنی جھوٹ نہیں بولتا تو وہ نوٹھے دین منالذکر ہے اس عقیدہ کی وجہ سے شیعہ مذہب دنیا کے تمام مذاہب میں خستار نظر آتا ہے۔ ہر مذہب میں خواہ وہ آسمانی مذہب ہو یا غیر آسمانی جھوٹ بولنا بڑا سمجھا جاتا ہے اور نیا دی انسانی اخلاقیات میں جھوٹ کو ردِ اول میں شمار کیا جاتا ہے۔ مگر شیعہ مذہب میں اسے عبادت سمجھا جاتا ہے۔

تقیہ کے عقیدہ کی ایجاد سے مشکل عقیدہ تو حل ہو گیا مگر ایک اور مشکل پیدا ہو گئی کہ اس طرح ائمہ اہل بیت کا اصل مذہب معلوم کرنا ایک معترض بن گیا۔ کیونکہ ان کے ہر بیان میں جب تقیہ کا امکان ہے تو کون کہہ سکتا ہے کہ ان کا اصل مذہب یہ ہے جب جھوٹ اور سچ میں کوئی حد قائل نہ رہی۔ اور ان میں تمیز کرنے کے لیے کوئی معیار نہ رہا تو ائمہ کے کسی عقیدہ یا کسی عبادت کے متعلق وثوق سے یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ یہ حقیقت ہے یا محض البرفریبی ہے۔ یعنی عقیدہ تقیہ سے عوام کو قائل کر لیا گیا مگر ائمہ کا مذہب مشکوک ہو گیا۔ اور یہ عقیدہ آج تک حل نہیں ہو سکا۔

شیعہ مذہب میں تقیہ کے عقیدہ کا جو مقام ہے اس کے متعلق اصول کافی باب التقیہ سے چند روایات پیش کی جاتی ہیں جو ائمہ سے منسوب کی جاتی ہیں۔

۱۔ قال ابو عبد الله ما عبد الله بشئ احب اليه من التقيّة  
امام جعفر نے فرمایا خدا کے نزدیک افضل ترین عبادت تقیہ کرنا ہے۔

۲۔ قال ابو جعفر التقيّة من  
ديني ومن دين ابائي لا دين  
لمن لا تقيّة له۔

۳۔ عن ابى عبد الله ان تسعة  
اعشار الدين في التقيّة ولادين  
لمن لا تقيّة له۔

امام باقر نے فرمایا تقیہ کرنا میرا دین ہے میرے  
آبا و اجداد کا دین ہے اس شخص کا کوئی دین  
نہیں جو تقیہ نہیں کرتا۔

امام جعفر سے روایت ہے کہ دس میں سے  
نوحہ دین تقیہ میں ہے اور بوشخص تقیہ  
نہیں کرتا اس کا کوئی دین ہی نہیں۔

سبانیوں نے امامت میں تقدس کا رنگ پختہ کرنے کے لیے مستقبل کے متعلق ائمہ سے منسوب کر کے طرح طرح کی پیشگوئیاں بیان کرنا شروع کر دیا۔ مگر وقت گزرنے کے ساتھ وہ پیشگوئیاں غلط ثابت ہونے لگیں جیسا کہ ظہور مہدی وغیرہ کے متعلق بیان ہو چکا ہے تو انہوں نے امامت کو بچانے کے لیے عقیدہ ایجاد کر لیا۔ اس طرح عقیدہ تو حید کی قربانی دے کر امامت کو بچانے کی کوشش کی گئی کہ ائمہ نے یہ پیشگوئیاں از خود کب کی تھیں۔ خدا نے انہیں جو کچھ بتایا انہوں نے بیان کر دیا۔ ائمہ تو معصوم ہیں۔ البتہ خدا سے بھول ہو گئی۔ اور بدیع یعنی بھول ماننا خدا کی ایک صفت قرار دے دی گئی۔ اس کوشش سے امامت کا تقدس محفوظ ہو گیا مگر اس کا کیا علاج کہ تقیہ کے عقیدہ نے امامت کو وہاں لاکھڑا کیا۔ جہاں سے پست کسی اور مقام کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ تقیہ اور بدیع کے عقیدے صرف ایجاد ہی نہیں کئے گئے بلکہ ان کی فضیلت بیان کرتے ہوئے دونوں کو ہم رتبہ بنا دیا گیا۔ ان دونوں روایتوں کے الفاظ اور معانی قابل غور ہیں۔

ما عبد الله بشئ مثل البدا  
اور ما عبد الله بشئ احب اليه من التقيّة

عبد اللہ بن سبا اور اس کے گروہ کی خدمات :-

۱۔ انوار نہمانیہ ۱: ۲۰۷

دقیقہ انہ کا زکھو دیا فاسلم وکان في الجھوبہ  
یعول فی یوشع بن نون وحی موسیٰ علیہ السلام  
اور کہا گیا ہے کہ ابن سبا یہودی تھا پھر  
مسلمان ہوا۔ یہودیت کے زمانے میں یوشع

مثل ما قال في علي وقيل  
انه اول من اظهر القول  
لوجوب امامة علي عليه  
السلام ومنه تشجبت  
اقسام الغلاة.

۲- رجال كشي طبع ايران صفك

ذكر بعض اهل العلم ان  
عبد الله بن سبا كان يهوديا فاسلم  
ووالى علي عليه السلام وكان  
يقول وهو على يهودية في يوشع  
بن نون وصي موسى عليه السلام  
بالخوف قال في اسلامه بعد  
وفات رسول الله في علي مثل  
ذلك وكان اول من اشتهر  
بالقول بغير امامة علي  
واظهر البراءة من اعدائه وكاشف  
مخالفه وانفرم ومن هنا قال من خالف  
الشيعة لعل التميم والرضن ما خوذ من اليهود

۳- الملل والنحل شريعتاني ۱: ۱۶۸

اصحاب عبد الله بن سبا الذي قال  
لحلي انت انت بعني انت  
الا له فغناه الى المداشن  
زعموا انه كان يهوديا

بن نون وصي موسى کے متعلق غلو کرتا تھا۔  
جیسا مسلمان ہو کر اس نے حضرت علیؑ کے متعلق  
غلو کیا۔ یہ پہلا شخص ہے جس نے حضرت علیؑ  
کی امامت کے وجوب کا اظہار کیا۔ اور اس  
کے کئی غالی فرقے پیدا ہوئے۔

بعض علماء نے بیان کیا کہ عبد اللہ بن سبا  
یہودی تھا پھر مسلمان ہوا اور حضرت علیؑ  
کے محبت کا اظہار کیا۔ یہودیت میں یوشع  
بن نون کے متعلق جو غلو کرتا تھا ویسا ہی  
مسلمان ہونے کی حالت میں حضرت علیؑ کے  
بارے میں غلو کرنے لگا۔ یہ پہلا شخص ہے  
جس نے حضرت علیؑ کی امامت کے فرض  
ہونے کو شہرت دی اور ان کے دشمنوں پر  
تبر ابازی شروع کی اور ان کے مخالفوں  
کی کھلی کھلی مخالفت کی۔ اور انہیں کافر کہا۔  
اسی لیے مخالفین شیعہ کہتے ہیں کہ شیعہ مذہب  
اور رفض کی اساس اور ماخذ یہودیت ہے۔

ابن سبا کا گروہ۔ وہ ابن سبا جس نے حضرت  
علیؑ سے کہا تھا کہ تو خدا ہے اس لیے حضرت  
علیؑ نے اسے مدائن کی طرف بلا وطن کر دیا  
ان اصحاب ابن سبا کا یہ کہنا ہے کہ وہ یہودی

فاسلم وكان في اليهودية  
يقول في يوشع بن نون  
وصي موسى مثل ما  
قال في علي وهو اول  
من اظهر القول بالنص  
بامامة علي كدم الله وجهه۔

۴- رجال كشي صفك طبع لکھنؤ۔

عن ابان بن عثمان قال سمعت  
ابا عبد الله يقول لعن الله  
عبد الله بن سبا انه ادعى  
الربوبية في امير المؤمنين و  
كان والله امير المؤمنين عبد الله  
طاعا الويل لمن كذب علينا وان  
قومنا يقولون فينا مالا نقول في الفسنا  
فدروا الى الله منهم فبوالى الله عنهم  
ان روایات سے معلوم ہوا کہ

(۱) شیعہ مذہب کے بنیادی عقائد امامت کا منصوص ہونا۔ امام کے مفروض الطاعة ہونا  
صحابہ کی تکفیر کرنا ان سے بغض رکھنا اور ان پر تبر ابازی کرنا ہے۔

(۲) ان عقائد کا موجود عبد اللہ بن سبا ہے اور یہ کوئی افسانوی شخصیت نہیں ہے۔

(۳) متقدمین علمائے شیعہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ مذہب عبد اللہ بن سبا کا ایجاد کردہ ہے۔

(۴) غلو کرتا ابن سبا کی فطرت تھی۔ یہودیت کے زمانے میں اس نے اپنی فطرت کے

تفصلاً کو پورا کرنے کے لیے یوشع بن نون کو انتخاب کر رکھا تھا۔ اور منافقانہ طور

پر مسلمان ہونے کے بعد اس نے اس مقصد کے لیے حضرت علیؑ کی شخصیت کو انتخاب

کر لیا۔ اور ان کی امامت کے منصوص ہونے کا عقیدہ ایجاد کر کے طبیعت سیرت ہوئی اور انہیں یہاں تک کہہ دیا کہ "تو خدا ہے" ائمہ کی پیشگوئیاں بیان کرنے کی اصل غرض ہے۔ یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ وقت نے جب ائمہ کی پیشگوئیاں غلط ثابت کر دیں تو عقیدہ بد ایجاد کر لیا گیا۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ ان پیشگوئیوں کا اصل مقصد کیا تھا۔

۱۔ انوار نعمانیہ ۱: ۱۲۶

اندر تدری فی الاخبار من الصادقین ان الشيعة لم تنزل تدری بالاماني فهذه التمنيات من احتمال خروجه هذا العام ليهزل الخطب على الشيعة من ظلم الظالمين لهم ودخولهم في باب الحقيقة من كل وجه

۲۔ انوار نعمانیہ ۱: ۱۵۳ اور اصول کافی ص ۲۲۲

وروى عن الحسن بن علي بن يقطين من اخيه الحسين عن ابيه علي بن يقطين قال قال لي ابي الحسن ان الشيعة تدری بالاماني منذ مائتي سنة قال و قال يقطين لا ينه علي بن يقطين ما بالنا قيل و كان و قيل لکم و ولو يکن قال فقال له

حسن بن علی بن یقطین سے روایت ہے وہ اپنے بھائی حسین سے وہ اپنے باپ علی بن یقطین سے روایت کرتے ہیں کہ ہمیں ابوالحسن نے کہا کہ شیعہ کو دو سو سال سے جمعہ نئی خبروں سے بہلایا جا رہا ہے یقطین نے اپنے بیٹے علی سے کہا کہ ہم سے جو ہمارے رسول نے کہا وہ ہو گیا اور تم سے ائمہ نے جو کہا وہ جھوٹ نکلا۔ بیٹے نے باپ سے کہا کہ خراج دونوں کا ایک سے مگر تم سے جو کہا گیا وہ سچا ثابت ہوا

علي ان الذي قيل لنا و لکم کان من مخبر واحد غير ان امرکم حضر فاعطيتم مرحضة فكان كما قيل لکم وان امرنا لم يحضر فعللنا بالاماني فلوقيل لنا ان هذا الامر لا يكون الى مائتي سنة او ثلثمائة سنة لقتل القوي لرجع عامة الناس عن الاسلام ولكن قالوا ما سرع الامر واقربه نالعا غلب الناس ونعرا بالاماني

۳۔ استقصاء الافہام علامہ مجلسی

ومع ان يكون هذه الاخبار تسليية لقوم من المومنين المنتظرين لغرجه اولياء الله و غلبه اهل الحق و اهلهم كما روى في فرج اهل البيت و غلبتهم لانهم عليهم السلام لو كانوا اخبار و الشيعة في اول ابتلائهم باستيلاء المماليقين و شذبهم فضعفهم ان ليس فرجهم الا بعد الف سنة و الف سنة سنة ليسوا و رجوعا عن الدين و لكنتم اخبار و اشباحهم بتعجيل الفرج

اور ہم شیعہ کو جو پیشگوئی سنائی گئی وہ پوری نہ ہوئی اور ہمیں جھوٹی خبروں سے بہلایا جاتا رہا اگر ہم شیعہ کو کہا جاتا کہ ظہور مہدی ۲۰۶ سال یا ۲۰۰ سال تک نہ ہوگا تو شیعہ کے دل سخت ہو جاتے اور اسلام چھوڑ کر مرتد ہو جاتے اس لیے شیعہ کی تالیف قلب کے لیے جھوٹ موت سے کہا گیا کہ امام مہدی جلد ظاہر ہوں گے۔ تاکہ وہ خوش رہیں۔

۳۰

اور انہیں ایک تاویل یہ بھی ہے کہ یہ پیشگوئیاں مومنین کی تسلی کے لیے تھیں جو خدا کے دوستوں کی راحت اور اہل حق کے غلبہ کے منتظر تھے جیسا کہ اہل بیت کے آرام اور ان کے غلبہ کے متعلق روایت کیا گیا ہے۔ اگر ائمہ کرام شیعوں کو شروع میں ہی بتا دیتے کہ مخالفین کا غلبہ ابھی رہے گا اور ۲ ہزار یا تین ہزار سال تک شیعہ کو آرام نصیب نہ ہوگا تو شیعہ نا امید ہو جاتے اور دین چھوڑ کر مرتد ہو جاتے اس بنا پر ائمہ نے جھوٹی خبریں بنا کر شیعہ کو تسلی دی کہ آرام و راحت کا زمانہ جلد آنے والا ہے۔

ان روایات میں یہ بات قطعی طور پر واضح ہو گئی کہ ظہور مہدی کے متعلق ائمہ کی طرف

سے جتنے اعلانات کئے گئے بالکل جھوٹے تھے ان کا مقصد محض مغل تسل تھا۔ مگر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ان پیشگوئیوں کے جھوٹا ہونے کا اقرار کرنا ہی تھا تو خدا کے متعلق عقیدہ بدائی ضرورت کیوں محسوس ہوئی اور اس کا نتیجہ کیا نکلا۔

گذشتہ اوراق میں بیان ہو چکا ہے کہ شیعہ کا کہنا یہ ہے کہ ظہور مہدی کا اعلان خدا کی طرف سے ہوتا رہا۔ ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے کوئی اعلان نہیں کیا انہی نے شیعہ کو مومبوم ارتداد سے بچانے کے لیے یہ جھوٹ موٹ کی پیشگوئیاں خود گھڑیں اور شیعہ کو بہلاتے رہے اس دورنگی کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ شیعہ نے جب خدا کے متعلق عقیدہ بدایا ایجاد کیا تو علمائے حق نے گرفت شروع کی شیعہ نے ماسی بچانے کے لیے انہی کے ذمے لگا دیا کہ انہی صادقین جھوٹ بولتے رہے۔ مگر مفسر حق نیک تھی کہ شیعہ کی تالیف قلوب کی جا سکے اور وہ ارتداد سے بچ جائیں۔

اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ ان خبروں کو خدا کی طرف منسوب کرنا درست ہے تو خدا کو جاہل ماننا لازم آتا ہے اور اگر یہ مان لیا جائے کہ انہی صادقین نے جان بوجھ کر جھوٹ بولا تو انہی کا مصوم نہ ہونا بلکہ جھوٹا اور دھوکا باز ہونا تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ اور یا تو یہ دونوں ہی مشکل ہیں۔ اس سلسلہ کی کڑیاں کچھ اس طرح جڑتی نظر آتی ہیں۔

۱۔ انہی کے تقدس کو بچانے کے لیے عقیدہ بدایا ایجاد ہوا۔  
۲۔ عقیدہ توحید پر اس حملے کی مدافعت میں اہل حق کی طرف سے اعتراضات ہوئے تو انہی کو جھوٹی خبریں بنانے اور شائع کرنے کا ذمہ دار ٹھہرایا۔  
۳۔ اس طرح انہی کی عصمت کا عقیدہ جبروج ہوا تو جھوٹ کا پہلا بل کر اس کا نام تقیہ رکھ دیا گیا۔

۴۔ نام بدلتے سے جب کام نہ چلا تو تقیہ میں تقدس کا رنگ بھرا اور بات یہاں تک پہنچی کہ تقیہ کو پورا حصہ دین قرار دے دیا۔ بلکہ اسے دین انبیاء قرار دیا۔ جیسا کہ اصول کافی صفحہ ۳۸

عن ابی بصیر قال قال ابو عبد اللہ | البصیر (تایینا) کہتا ہے کہ امام جعفر نے

التقیہ من دین اللہ قلت  
من دین اللہ قال من دین  
اللہ ولقد قال یوسف اینہا  
العیبر انکم لسا رقون واللہ  
ما کانوا اسرقوا شیئا ولقد قال  
ابراہیم انی سقیم واللہ ما کان  
سقیما۔

فرمایا کہ تقیہ خدا کا دین ہے۔ میں نے عرض کیا خدا کا دین ہے؟ فرمایا خدا کا دین ہے۔ حضرت یوسفؑ نے فرمایا اے قافلے والو تحقیق تم چور ہو خدا کی قسم انہوں نے کوئی چوری نہیں کی تھی۔ اور محقق بات یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا میں بیلہ ہوں اور خدا کی قسم وہ بیمار نہیں تھے۔

اس روایت کا ماہصل یہ ہے کہ تقیہ کو خدا کا دین ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے مگر اس سے وہ عرض تو کیا پوری ہوتی البتہ اس امر میں شک کی گنجائش باقی نہ رہی کہ امام جعفر نے فرمایا کہ تقیہ اور جھوٹ ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ نام بدلتے سے حقیقت نہیں بدلتی۔ انہوں نے قسم کھا کے کہا کہ وہ چور نہیں تھے جنہیں چور کہا گیا یہ تقیہ ہے اور دنیا جانتی ہے کہ جو چور نہ ہو اس کو چور کہنا اسی کا نام جھوٹ ہے۔ گویا امام جعفر سے یہ کہلوایا گیا کہ جھوٹ بولنا خدا کا دین ہے۔

رہا حضرت یوسفؑ کے ذمے جھوٹ کی تہمت لگانے کا سوال جیسا بتایا (البصیر) نے یہ بھی نہ سوچا کہ اس روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام جعفر نے قرآن پڑھا ہی نہیں تھا اگر پڑھا تھا تو سمجھا ہی نہیں تھا۔ کیونکہ قرآن کے الفاظ ہیں فاذا من موذن ابھا العیبر انکم لسا رقون یعنی آواز تو ملازموں نے دی اور امام کہتے ہیں لقد قال یوسف یعنی یوسف نے کہا۔ پیالہ واقعہ حضرت یوسفؑ نے رکھا اور حکم خدا رکھا کیونکہ مضمون کے خاتمہ پر كذلك کذا دنیا یوسف تقیہ کے صورت تو اس وقت پیدا ہوتی جب حضرت یوسفؑ خود پیالہ رکھ کر خود آواز دیتے کہ تم چور ہو۔

مرضی دو قسم کے ہوتے ہیں مادی اور مادیج۔ حضرت ابراہیمؑ کے لیے یہ منظور کیا کہ قوم بت پرستی کر رہی ہے۔ وہ روکتے ہیں۔ قوم رکھی نہیں اس واقعہ میں مرضی



شرک کے مظہر مادی تھے مگر اس کا اثر ساذج تھا جو قلب ابراہیم پر پڑتا تھا۔ اور انہیں قلبی تکلیف اور کڑھن ہوتی تھی اور وہ اسی کڑھن میں مبتلا تھے۔

قرآن کریم نے مرض کی ایک قسم غیر مادی بھی بیان کی ہے جیسے فی قلوبہم مرض اسی طرح انی سقیم کی حقیقت سمجھنا کسی نابینا کے بس کا کام نہیں یہ چشم بینا کا کام ہے بہر حال تفسیر جو جھوٹ کا دوسرا نام ہے کا دائرہ اتنا وسیع کر دیا گیا ہے کہ کوئی عقیدہ، کوئی عمل اور کوئی واقعہ اس دائرہ سے باہر مشکل ہی سے رہ سکتا ہے۔ مثلاً ۲۳ سال کی محنت شاقہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو مقدس جماعت تیار کی اس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی مگر یہ جماعت بھی تفسیر کی زد میں آگئی۔ شیعہ نے اس جماعت کو دو حصوں میں تقسیم کیا ایک طرف حضرت علیؑ اور تین صحابی ہیں جنہوں نے عمر بھر تفسیر کر کے اپنا عقیدہ اور دین چھپائے رکھا دوسری طرف ایک لاکھ کئی ہزار صحابہ جنہوں نے ازراہ تفاق اپنا اصل عقیدہ چھپائے رکھا حالانکہ نفاق بھی جھوٹ ہے اور تفسیر بھی جھوٹ یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۳ برس میں صرف جھوٹے لوگوں کی ایک فوج تیار کی اور جس طرف ایک سپاہ آدمی بھی حضور سے تیار نہ ہو سکا (معاذ اللہ)۔

نادک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں  
تڑپے ہیں مرغ قبلہ نما آشیانے میں  
IV بحث علماء شیعہ اور تاویلات عقیدہ بدلا۔

گذشتہ اوراق میں بیان ہو چکا ہے کہ ائمہ مہدیین نے یہ جھوٹی پیشگوئیاں محض شیعہ کی تسلی اور تالیف قلوب کے لیے گھڑیں اور بیان کیں۔ اس کے بعد عقیدہ بدلا کی ضرورت باقی نہیں رہتی پھر بھی خدا کے متعلق اس عقیدہ کو اساس دین بنانے کے لیے بہت کوشش کی گئی۔

لفظ بدلا کی تحقیق میں علامہ طوسی کی روایت بیان کی گئی ہے جو نقد محصل میں موجود ہے یہ امام جعفر سے منقول ہے۔ اصول کافی کی روایت بدلا امام نقی سے کتاب الغیبتہ کی روایت امام جعفرؑ اور حضرت علیؑ سے منقول ہے اور انوار الثمانیہ

کی روایت بھی امام جعفر سے منقول ہے ان سب روایات میں یہ حقیقت صاف بیان ہوئی ہے کہ خدا بھول گیا۔ پھر بھی تاویلات میں کمی نہیں کی گئی۔

(۱) سید نعمت اللہ الجزائری کی تاویل ملاحظہ ہو۔

قلت ليس معناه ما قالوا بل معناه والله اعلم ان الشيعة تصفد الزلامات في اسمعيل لانهم اكبوا الاولاد وان الامامة في الاكبر فلما مات اسمعيل في زمن ابيه ظهر للشيعة انه ليس بامام فذلك البد الذي بد الله هو في ظاهرا الحال عند الشيعة لاني الواقع ولفس الامر۔

میں کہتا ہوں اس کے وہ معنی نہیں جو انہوں نے بیان کئے بلکہ معنی یہ ہیں اور اللہ نوب جانتا ہے کہ شیعہ کا یہ عقیدہ ہو چکا تھا کہ امامت بڑے بیٹے اسمعیل میں ہوگی۔ جب اسمعیل اپنے والد کی زندگی میں مر گئے تو شیعہ کو معلوم ہو گیا کہ اسمعیل تو امام نہ تھے۔ پس یہ وہ بد ہے جو بد اللہ کہا گیا ہے پس شیعہ کے نزدیک یہ صورت تو بدلا ہے مگر حقیقت نفس الامر میں کسا اختیار سے بدلا نہیں۔

تاویل تو خوب ہے مگر اس میں چند باتیں قابل غور ہیں۔

فرمایا ان الشيعة تصفد یعنی شیعہ میں یہ عقیدہ مشہور ہو چکا تھا کہ امامت بڑے لڑکے میں ہوتی ہے دیکھنا یہ ہے کہ یہ بات یونہی مشہور ہو گئی تھی یا یہ ایک مقررہ اور مسلمہ قانون تھا؟ اگر یہ مسلمہ اصول تھا تو ظاہر ہے کہ شیعہ نے ائمہ سے ہی لیا ہوگا اور روایات سے ایسا ہی ظاہر ہوتا ہے اگر یہ قانون شیعہ کے ہاں مسلمہ اصول نہیں تو عوام شیعہ نے اپنی طرف سے مشہور کر کے اسمعیل کو امام بنا دیا۔ اس صورت میں باقی ائمہ کو بھی ایسے ہی امام مشہور کر دیا ہو تو کوئی تعجب کی بات ہے۔ اور شیعہ کے نزدیک امامت تو نبوت سے افضل ہے اگر محض لوگوں کے مشہور کر دینے سے کوئی امام بن سکتا ہے تو لوگوں کے لیے نبی بنانا اور آسان نہ ہے۔

بدلا کی روایت کے الفاظ میں ما بد اللہ یعنی کسا بد اللہ اس میں

بدا خدا کا ذکر ہے بدا الشیعیہ کا نہیں اس لیے یہ فی ظاہر الحال و نفس الامر کی بھول جھیلیاں ہے۔ معنی معلوم ہوتی ہیں۔

(۲) الوار نعمانیہ ۱: ۲۰۹

وکن ین معنی البدا ما ذکر وہ بل  
معناہ ظہور شیء للخلاق لیس  
یکن ظاہر الہم قبل ذلک  
والا فهو ظاہر عنده سبحانہ  
والنسخہ فرد من افراد البدا و  
قولہ ینحو اللہ ما ینشاء و ینبث و  
عندہ ام الكتاب۔

بدا کے معنی وہ نہیں ہوا انہوں نے بیان  
کئے بلکہ معنی یہ ہیں کہ جو چیز پہلے مخلوق پر  
ظاہر نہ تھی اب ظاہر ہو گئی ورنہ خدا پر تو  
ظاہر تھی۔ اور نسخ تو بدا کے افراد میں سے  
ایک فرد ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے  
اور جس چیز کو پاتا ہے مٹا دیتا ہے اور  
جسے چاہے قائم رکھتا ہے۔

یہ تاویل بھی اسی قبیل سے ہے مگر اس تضاد کو رفع نہیں کیا جاسکتا کہ امر سے  
منقول ہے خدا کو علم نہ تھا۔ محدث الجبرائلی کہتے ہیں مخلوق کو علم نہ تھا۔

محدث صاحب کا دوسرا دعویٰ یہ ہے نسخ ایک فرد ہے بدا کی مگر یہ بات بھول  
گئے کہ نسخ احکام میں ہوتا ہے اخبار میں نسخ جائز نہیں ہوتا۔ امامت اسماعیل کا  
اعلان جو خدا کی طرف سے ہوا وہ از قبیل اخبار ہے۔ اور مختلف حکم اخبار کا مستلزم  
ہے کذب باری تعالیٰ کو اس لیے نسخ قرار دینے کا معاملہ تو اور بھی زیادہ خطرناک  
معلوم ہوتا ہے۔

## نسخ، محو و اثبات اور بدا میں فرق :-

نسخ اور محو و اثبات ایک چیز کے دو نام ہیں اس صورت میں خدا تعالیٰ کو  
نہ کوئی غلط فہمی ہوتی ہے نہ کوئی حکم اس سے منفي ہوتا ہے نہ کوئی رائے بدلتی ہے  
اور بدا کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے علمائے اصول نے نسخ اور محو و اثبات  
کا مستقل باب قائم کر کے مفصل بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ نسخ کو بد سے دور کا واسطہ

بھی نہیں بلکہ یہ دونوں متضاد ہیں

تفسیر اتقان ۲: ۲۱

وقد جمع المسلمون علی جوازہ النسخ  
وانکرہ الیہود ظنا منهم انہ بدا  
کالذی یرى الراى ثم یبدؤ  
لہ وهو باطل۔

اور النسخ فی حق صاحب الشرع  
بیان لمدۃ الحکم المطلق الذی  
کان معلوما عند اللہ الا انہ تعالیٰ  
اطلقہ ظاہرہ البقاء  
فی حق البشر فان تبدیلا فی  
حقنا یبانا محضا فی حق صاحب  
الشرع۔ نامی شرح حسامی ص ۱۱۱

اور التواضع والتلویح ۵۰۴-۵۰۵ پر نسخ کی بحث میں لکھا ہے۔

هو جائز فی احکام الشرع عندنا خلافا  
لیہود قالت الیہود ان النسخ لا یجوز ان  
یکون بدون مصلحتہ لامتناع البعث  
علی المحکوم بل یکون لحکمتہ خفیة  
اولا لظہور تانیاً و هذا رجوع عن  
المصلحتہ الاولی بالاطلاء علی مصلحتہ  
اخری فیلزم البدا او الجهل وکلاهما  
محالات علی اللہ تعالیٰ۔

البداء عبارة عن الظهور بعد الخفاء

نسخ احکام کے جواز پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔  
یہودی اس کے منکر ہیں ان کا خیال ہے  
نسخ بھی بدا کی مانند ہے کہ سابقہ رائے کو  
بدل دیا کہ وہ ٹھیک نہ تھی اور وہ باطل ہے۔  
نسخ صاحب شرح کے حق میں حکم مطلق کی  
مدت کا بیان ہے جو خدا تعالیٰ کو معلوم تھی  
مگر اس نے اس حکم کو مطلق بیان کیا جس  
سے ظاہر بقائے حکم معلوم ہوتا ہے لہذا  
اس حکم کا تبدیل ہونا صرف مخلوق کے حق  
میں ہے اور صاحب شریعت کے لیے بیان  
حکم ہے کہ فلاں وقت تک یہ حکم نافذ رہے گا۔

ہمارے نزدیک احکام شرع میں نسخ جائز  
ہے یہود اس کے مخالف ہیں وہ کہتے ہیں  
کہ نسخ جائز نہیں کیونکہ نسخ کسی مصلحت کی  
وجہ سے ہوگا بلکہ نسخ کسی خفی حکمت کی بنا  
پر ہوگا وہ حکمت رجوع ہے جو مصلحت تانی  
کے ظاہر ہونے کی وجہ سے ہوا پس خدا پر  
بدا اور جہل لازم آئے گا اور یہ دونوں خدا  
کے لیے محال ہیں۔

بدا۔ چیز کے ظہور سے عبارت ہے جو پہلے

من قولهم بديهم الامر  
الغلاتي اذا ظهر بعد  
خفائه وقد قال الله تعالى  
وبديهم من الله ما لم  
يكنوا يحتمون۔

خدا پر نغفی تھی جیسا کہ عربوں میں مشہور ہے کہ  
فلاں کام ان پر ظاہر ہو گیا جو پہلے ان سے  
پوشیدہ تھا۔ اور فرمان باری تعالیٰ ہے کہ  
ان پر وہ چیز ظاہر ہوئی جس کا انہیں خیال  
بھی نہیں تھا۔

معلوم ہوا کہ بداء اور نسخ دو مختلف چیزیں البتہ یہود نے نسخ اور بداء کو ایک  
ہی شے قرار دیا ہے اور شیعہ محدث نے یہود کی تقلید میں نسخ اور بداء کو ایک ہی چیز  
سمجھا ہے اتنی بات تو یہود بھی جانتے ہیں کہ عقیدہ بدائیسلم کرنے سے خدا کے لیے جہل  
لازم آئے گا۔

بدا بمعنی ابداء :-

شیعہ علماء کی ایک تاویل یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت نے بداء بمعنی ابداء بیان  
کیا ہے جیسا کہ علامہ ابن اثیر جزیری کی کتاب میں موجود ہے اس لیے شیعہ بھی بداء بمعنی  
ابدالے سکتے ہیں یعنی خدا نے دوسروں پر ظاہر کیا۔ اس صورت میں اعتراض رفع ہو  
جاتا ہے۔

اس تاویل کے سلسلے میں چند امور قابل غور ہیں۔

- (۱) یہ بیان تو درست ہے مگر اہل سنت کے ہاں ایسا کوئی واقعہ موجود نہیں تو خدا  
نے قبول جانے کی دلیل بن سکے۔ پھر اہل سنت نے خدا کے جاہل ہونے کا کوئی  
الگ مستقل باب قائم نہیں کیا اس کے برعکس شیعہ کے ہاں بداء کے بیسیوں  
واقعات موجود ہیں اور شیعہ نے بداء پر مستقل باب قائم کیا ہے۔ اور جہل  
خدا پر تفصیلی بحث کر کے اس کی وضاحت کی ہے کہ خدا کو فلاں فلاں وقت فلاں  
شخص کے متعلق غلطی لگی اس لیے شیعہ کی یہ تاویل نہیں چل سکتی۔
- (۲) اگر یہ تاویل درست ہے تو محقق طلوسی نے بداء کا انکار کیوں کیا ؟

(۳) علامہ دلدار علی مجتہد نے بداء کا مستلزم جہل خدا ہونا کیوں بیان کیا ؟  
شیعہ حضرات نے ایک اور پہلو اختیار کیا کہ انبیاء کرام کو مستقبل کے متعلق خدا  
نے جو خبریں دیں وہ بھی غلط ثابت ہوئیں اس لیے اگر انہ کی پیشگوئیاں غلط  
ثابت ہوں تو اس میں کیا حرج ہے۔ مثلاً

(۱) خدا نے حضرت یونس سے فرمایا کہ تمہاری قوم پر عذاب آئے گا مگر فلاں شرط سے۔

اور وہ شرط حضرت یونس کو نہ بتائی جس سے حضرت یونس کو غلطی لگی۔

(۲) حضرت موسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے ۳۰ راتوں کا وعدہ دیا۔ مگر تو رات نہ ملی اور  
دس راتوں کا اضافہ کیا۔

(۳) حضور اکرمؐ نے اپنے بیٹے ابراہیمؑ کے متعلق فرمایا۔ یوم عاشا براہیم لکان صدیقاً نبیاً  
یعنی خدا کو بداء ہو گیا۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے حضور اکرمؐ کو فرمایا کہ تم اس سال مسجد حرام میں امن وامان سے  
داخل ہو گے مگر کفار مکہ نے داخل نہ ہونے دیا اور پیشگوئی پوری نہ ہوئی۔  
ان چاروں امور کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔

(۱) حضرت یونس کے واقعہ کے متعلق تفسیر کبیر اور تفسیر مظہری میں موجود ہے۔

والصیحح ان المراد برؤية العذاب الایلم لمانہ  
من قبول الایمان رؤیة العذاب الاخری عند  
حصول الموت حیث یرى الملائکة الموت۔ الا  
تدی ان الکفار عذاب یوم بدر بالعذاب الابدی  
من القتل والاسم وغیر ذلک ثم امن بعض  
من یقی حیا وکذا کان حال قوم یونس اثم  
امنوا قبل رؤیة العذاب الاخری نقل اللہ  
ایامہم بعد ما راوا العذاب فی الدنیا ثم لما امنوا  
کشف اللہ عنہم العذاب لخری فی الحیاة الدنیا

صحیح بات یہ ہے قبول ایمان سے صرف  
عذاب اخروی کا دیکھنا مانع ہے جب انسان  
موت کے فرشتوں کو دیکھ لے۔ کیا تم نہیں  
دیکھتے کہ کفار کو بدر میں دنیا کا عذاب  
یعنی قتل اور قید دیا گیا مگر چونچ رہے  
ان میں سے بعض ایمان لے آئے۔ یہی  
حال قوم یونس کا ہے یہ قوم بھی عذاب  
اخروی دیکھنے سے پہلے ایمان لے آئی  
اور خدا تعالیٰ نے عذاب اخروی ٹال

ظاہر ہے کہ عذاب دنیا دیکھ اور چکھ لینے کے بعد ایمان قبول ہو جاتا ہے مگر عذاب اخروی دیکھنے کے بعد ایمان قبول نہیں ہوتا اور قوم یونس اس عذاب کو دیکھ کر ایمان لائی جو مانع ایمان نہیں۔ صاحب مظہری نے وضاحت کر دی کہ جب اخروی عذاب کے اسباب ظاہر ہو جائیں مثلاً علامات موت سامنے آجائیں یا ملک الموت ظاہر ہو جائے تو ایمان اضطرابی ہو جاتا ہے جو قبول نہیں مگر قوم یونس کے سامنے جو اسباب ہلاکت آئے وہ عذاب دنیوی کے تھے اس لیے بڑا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

تفسیر کبیر ۵: ۲۹

فخالفوا ان رانا اسباب المہلکۃ  
امابک۔

قوم نے کہا جب ہم اسباب ہلاکت دیکھیں گے تو ایمان لے آئیں گے۔

یہ شرط انہوں نے پوری کر دی اور عذاب اخروی ٹل گیا۔

(۲) حضرت موسیٰ کے واقعہ کی تفصیل تفسیر کبیر ۱۴: ۲۸۴

وفائدة هذا التفصيل ان الله امره ان  
يصوم ثلاثين يوما و ان يعمل مما يقرب به الى  
الله تعالى ثم انزل التوراة في العترة البروقية و  
كله ايضا فهداهم الفائدة في تفصيل  
الاربعين الى ثلاثين والى  
العترة۔

اس تفصیل کا فائدہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو ۳۰ روز سے رکھنے کا حکم دیا کہ ان راتوں میں وہ عمل کریں جو قرب الہی کا سبب بنے پھر باقی دس راتوں میں تورات نازل ہوئی اور کلام ہوئی۔ تیس اور دس کی تفصیل سے بیان کرنے کا یہ فائدہ ہے۔

اور سورہ بقرہ میں ہے۔

واذ وعدنا موسیٰ اربعين ليلة

اور ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا۔

ماحصل یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے چالیس راتوں کا وعدہ کیا پھر اس کی تفصیل بتا دی کہ تیس دن کے بعد تورات ملنی شروع ہوگی۔ اس سے یہاں بڑا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۳) حضرت ابراہیم کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مطلب یہ ہے

کہ اس میں ایسے کمالات تھے کہ اگر زندگی ہوتی اور نبوت کا سلسلہ ختم نہ ہو چکا ہوتا تو اسے نبی بنایا جاتا۔ حضور نے کب یہ فرمایا کہ خدا کو بڑا ہو گیا۔ امامت اسماعیل کے بارے میں تو صاف روایت موجود ہے کہ خدا کو بڑا ہو گیا۔

(۴) مسجد حرام میں داخلہ کی بشارت کے ساتھ اسی سال داخلہ کا ذکر نہ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہ حضور نے۔ لوگوں نے اپنے قیاس سے اسی سال کی تعلیم سمجھ لی۔ حضور اکرم نے بعد میں صحابہ کو اس غلط فہمی سے آگاہ فرمایا۔ اور حضور اپنے محبوب صحابہ سمیت موجودہ وقت پر امن سے مسجد حرام میں داخل ہوئے اور کفار کی قوت ختم ہو گئی خدا کا وعدہ پورا ہو گیا۔ اعجاز الحسن بدالیونی نے خبیہ السامین میں مسجد حرام میں داخلہ کے ساتھ معالمت قرآن کا مسئلہ بھی ملایا اور فرمایا کہ خدا نے یہ دو وعدے کئے تھے مگر صحابہ نے پورے نہ ہونے دئے دونوں پورے نہ ہوئے یعنی یک نہ شد دو شد۔

## عقیدہ رسالت

عقیدہ رسالت سے مراد اجمال طور پر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے ہر زمانے میں انبیاء مبعوث فرمائے۔ یہ سب سچے تھے۔ اللہ کی طرف سے مامور تھے۔ معصوم عن الخطیئہ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے آخری نبی ہیں۔

مخلوق میں انبیاء کا درجہ سب سے زیادہ بلند ہے کسی نبی کی ذات، صفات یا اس کے متعلقہ کسی چیز کی توہین کرنا ایمان سے محروم اور اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ سب سے پہلے نبی حضرت آدم ہیں جو نسل انسانی کے جدا مجدد بھی ہیں۔ ان کے متعلق قرآن مجید میں مختلف مقامات پر جو ذکر آیا ہے اس سے ان کی عظمت اور فضیلت کا اظہار ہوتا ہے

۱ - واذقلنا لاسلائکما اجمدا والادمر فیحد والالابیس۔

۲ - ابلیس نے ان کی عظمت کا انکار کیا تو سزا ملی۔

۳ - ابی واستکبر وکان من الکافرین (۴) ان اللہ اصطفیٰ آدم۔

۴ - فاجتباہ ربہ۔

اسی قسم کی متعدد آیات موجود ہیں جو آدم کے اجتباء اصطفا اور عظمت پر دلالت ہیں۔ شیعہ روایات میں حضرت آدم کے متعلق یہ عقیدے بیان ہوئے ہیں :-

۱ - حیات القلوب ملا باقر مجلسی ۴ : ۶۶

بسنہ معتبر از صادق منقول است کہ حق تعالیٰ عرض کرد بر آدم ذریت اور ادرا میثاق ہیں رسول خدا پر گذشتہ و تکمیل زدہ بود بر

امام جعفر صادق سے بسند معتبر روایت ہے کہ روز میثاق میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کے سامنے ان کی ذریت پیش کی پس رسول کریم

امیر المؤمنین و حضرت فاطمہ از عقب ایشان می آمد و حضرت امام حسن و حضرت امام حسین از عقب او می آمدند حق تعالیٰ فرمود کہ اے آدم زنبار نظر محمد سوئے ایشان ممکن کہ تراز جوار خود فرو می فرستم پس چون خدا اورادر بخت ساکن گردا بند مثل شدند بلئے او محمد و علی و فاطمہ و حسن و حسین پس نظر کرد بر ایشان بحسد پس عرض شد برو دلاست ایشان و آن قبول کہ سزا دار بود نکرد۔

ان کے پاس سے گزرے۔ حضور نے حضرت علی پر سہارا لیا ہوا تھا ان کے پیچھے حضرت فاطمہ تھیں اور عقب میں حسین آ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے آدم! غیر دار انہیں حسد کی نگاہ سے نہ دیکھنا ورنہ میں تمہیں اپنے پڑوس سے نکال دوں گا۔ پھر خدا نے جب انہیں بہشت میں قیام کرایا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم، فاطمہ، حسن، حسین کی صورت ان کے سامنے پیش کی تو حضرت آدم نے انہیں حسد کی نگاہ سے دیکھا پھر انکی ولایت حضرت آدم کے سامنے پیش کی گئی تو انہوں نے کہا حق اے قبول نہ کیا۔

اس حسد کی وجہ سے خانے آدم و حوا دونوں کو جنت سے نکال دیا۔

۲ - حیاة القلوب ۱ : ۶۸

بسنہ معتبر از امام باقر منقول است کہ مکش آدم و حوا در بہشت تا برون آمدن ہفت ساعت بود۔

امام باقر سے بسند معتبر کے ساتھ روایت ہے کہ حضرت آدم و حوا کا جنت میں قیام صرف سات گھنٹے رہا۔

۳ - بسند سن منقول است از حضرت صادق کہ چون آدم از بہشت فرود آمد خط سیاہی در بدن او بزم رسید و در روش از سر تا پائش

امام جعفر سے سند سن کے ساتھ منقول ہے کہ جب آدم بہشت سے نیچے اترے تو ان کے بدن پر سر سے پاؤں تک سیاہی کا خط تھا۔

۴ - انوار نعمانیہ ۱ : ۸۴

فدا نزل آدم من الجنة ظہرت بہ سامة سودانی وجہہ من

جب حضرت آدم جنت سے نکلے تو ان کے چہرے پر سیاہ داغ ظاہر ہوا جو ان کے پاؤں

قورنہ الی قدمہ فطال حزنہ و بکاہ علی ما ظہر بہا۔  
تک پھیل گیا۔ اسی داغ کی وجہ سے وہ دونوں رنج اور گریہ میں مبتلا رہے۔

ان روایات سے حضرت آدمؑ کے متعلق یہ عقیدہ ظاہر ہوتا ہے۔

۱۔ حضرت آدمؑ نے اللہ تعالیٰ کے منع کرنے کے باوجود اپنی اس اولاد پر حسد کیا جو ابھی وجود میں نہیں آئی تھی۔

۲۔ ان کی ولایت کو دل سے تسلیم نہ کیا۔

۳۔ اس حسد کی وجہ سے آدمؑ و حوا دونوں کو جنت سے نکال دیا گیا۔

۴۔ اس حسد کی وجہ سے ان کے چہرہ بلکہ سارے بدن پر سیاہی کا داغ نمایاں کیا گیا۔

اصول کافی باب اصول الکفر دارکانہ میں حضرت آدمؑ کے متعلق ایک اور عقیدہ کا اظہار ہوتا ہے۔

قال ابو عبد اللہ اصول الکفر ثلاثہ  
الحرص والاستکبار والحسد فاما الحرص  
فان آدم جین طی عن الشجرۃ حملہ  
الحرص علی ان اکل منها واما الاستکبار  
فابلیس حیث امر بالسجود لادم فانی۔ واما  
الحسد فابنا ادم حیث قتل احدہما  
صاحبہ۔

یعنی حضرت آدمؑ میں اصول کفر میں سے ایک اصل تو حرص اور دوسری حسد پائی جاتی تھی اور حسد کا نتیجہ اصول کافی مع شرح صفائی باب الحدیث پر بیان ہوا ہے  
قال ابو جعفر الحدیث لیاکل الایمان کما  
تأکل النار الحطب۔  
امام باقرؑ فرماتے ہیں کہ حسد ایمان کو یوں  
کھا جاتا ہے جیسے آگ ایندھن کو۔

ابنی الفاظ میں ایک روایت امام جعفرؑ سے منقول ہے اور ان سے حسد کی

وضاحت بھی منقول ہے۔

عن ابی عبد اللہ قال ان المؤمن یخط  
ولا یحسد والمنافق یحسد ولا یخط

امام جعفرؑ فرماتے ہیں کہ مومن غیبط کرتا ہے حسد  
نہیں کرتا اور منافق حسد کرتا ہے غیبط نہیں کرتا۔  
اصول کافی باب انقض ص ۵۳ پر حسد کو اور نکھار دیا گیا ہے۔

عن ابی عبد اللہ قال نزل ابلیس الجود  
القوا بینہم الحد والبغض فاما یجدلان عند اللہ  
الشرد۔

امام جعفرؑ فرماتے ہیں کہ ابلیس اپنے شکر سے  
کہتا ہے ان میں حسد اور بغض ڈال دو کیونکہ  
وہ اللہ کے نزدیک شرک کے برابر ہیں۔

اور الوار نعمانیہ ۱: ۲۶۱

ان المنافق یحسد ولا یخط وان صلوة  
الحاسد ترو من السماء الخاصة

منافق حسد کرتا ہے غیبط نہیں کرتا اور حاسد  
کی نماز پانچویں آسمان سے رد کر دی جاتی ہے

ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ :-

۱۔ حسد ایمان کو یوں مٹا دیتا ہے جیسے آگ ایندھن کو۔

۲۔ حسد کرنا منافق کا شیوہ ہے۔

۳۔ حاسد کی نماز مقبول نہیں۔

۴۔ حسد اور شرک عند اللہ برابر ہیں۔

اور شیعہ کے ہاں یہ مسلم ہے کہ آدمؑ نے حسد کیا پھر ان روایات کی روشنی میں سب

پہلے نبی کی جو حیثیت ثابت ہوتی ہے اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں۔

الوار نعمانیہ ۱: ۸۳ میں شیخ صدوق کی کتاب بیون الاخبار سے نقل کیا گیا ہے

ان آدم علیہ السلام لما اکرمہ اللہ تعالیٰ  
باسجادہ الملائکۃ و بادخال الجنة فان  
فی نفسہ هل حلو اللہ بشرہ افضل منی  
فعلم اللہ عزوجل ما وقع فی نفسہ فاداء  
ارفع من اسک الی ساق العرش فرفع رأسہ

آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے یوں عزت بخشی کہ  
فرشتوں کو ان کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دیا  
اور ان کو جنت میں داخل کیا۔ انہوں نے  
اپنے دل میں خیال کیا کہ اللہ نے مجھ سے بہتر  
بھی کوئی بشر پیدا کیا ہے اللہ نے ان کے

فطر الى ساق العرش فوجد مكتوباً بالاله  
 الا الله محمد رسول الله على ان الطالب  
 وزوجته فاطمه سيدة نساء العالمين و  
 الحسن والحسين سيدا شباب اهل  
 الجنة الخ ..... قال هؤلاء من  
 ذريتك وهم خير منك ومن  
 جميع خلقي ولولا هو ما  
 خلقتك ولا خلقت الجنة  
 والنار ولا السماء والارض فاياك انتظر  
 اليهم بعين الحد وعنى منزلتهم فسطع  
 الشيطان الى ان قال وتسط على حوى  
 نظرها الى فاطمة بعين الحد

دل کی بات معلوم کر لی اور آدم کو آواز دی  
 اپنا سر اٹھا اور عرش کو دیکھ۔ آدم نے دیکھا کہ  
 لکھا ہے لا اله الا الله محمد رسول الله اور علی ابن  
 ابی طالب ان کی بیوی فاطمہ دنیا کی عورتوں کی  
 سردار حسن اور حسین جو انان جنت کے سردار  
 یہ تیری اولاد سے ہے اور تجھ سے اور ساری  
 مخلوق سے افضل میں اگر یہ نہ ہوتے تو میں نہ  
 تجھے پیدا کرتا نہ جنت دوزخ کو نہ زمین و آسمان  
 کو خبر دار انہیں حمد کی نگاہ سے نہ دیکھتا پھر  
 پھر شیطان حضرت آدم پر مسلط ہو گیا .....  
 اور حوا پر شیطان مسلط ہو گیا اس نے فاطمہ کی  
 طرف حمد کی نگاہ سے دیکھا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم خود بینی اور عجب میں مبتلا ہوئے حضرت  
 آدم نے ان کے مرتبہ تک پہنچنے کی آرزو کی۔ اس کی سزا میں شیطان ان پر مسلط کیا گیا۔  
 حضرت حوا نے حمد کیا ان پر بھی شیطان مسلط ہو گیا۔

قرآن مجید میں جہاں شیطان کا چیلنج ذکر کیا گیا ہے وہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس  
 کا یہ جواب بھی ملتا ہے کہ اِنْ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ يُّوعِبِرُ عَنْكُمْ يَوْمَ تَبْتَلُوهُمْ اِنْ يَرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ سَاقِطًا  
 گئے ان پر تو مسلط نہ ہو سکے گا۔ یعنی توت تو بہت اونچا مقام ہے حضرت آدم تو اللہ کے  
 خاص بندوں کے زمرہ میں بھی شمار کے لائق نہ رہے (معاذ اللہ)

حمد لیبی محیط اعمال صفت کو اللہ کے کسی نبی کی ذات سے منسوب کرنا طبع سلیم پر  
 گراں گزرتا ہے اس لیے شیعہ حضرات کا کہنا ہے کہ روایات صحیح نہیں ہیں۔ واقعی ایسا ہی  
 ہونا چاہیے مگر اس کا کیا جواب کہ محدثین شیعہ نے یہ روایات ائمہ معصومین سے بیان  
 کی ہیں اور "بند معتبر" اور "بند حسن" کی قید سے بیان کی ہیں۔

ایک اور وضاحت یہ کی گئی ہے کہ حمد بمعنی غبط بھی آتے ہے گراں روایات میں حضرت  
 آدم کے متعلق جہاں حمد کا لفظ آیا ہے اسے غبط قرار دینا دو وجہ سے ممکن نہیں۔ اور  
 غبط اور حمد کے الفاظ کے ساتھ ساتھ بیان ہوئے ہیں مثلاً  
 ان المؤمن يعبط ولا يحسد والدنافق يحسد ولا يعبط

دوم یہ کہ غبط ایک جائز فعل ہے اس لیے غبط کرنے پر وعید کا بیان ہونا ممکن نہیں  
 جس وصف کی بنا پر حضرت آدم پر شیطان کو مسلط کیا گیا۔ ان کا چہرہ اور ہم سیاہ کر دیا گیا  
 انہیں جنت سے نکال دیا گیا وہ غبط نہیں ہو سکتا۔ صرف حمد بمعنی حمد ہی ہو سکتا ہے یہاں تو  
 حمد ان معنوں میں استعمال ہوا ہے جو ان کا کفر میں سے ہے اور جو عند اللہ شرک کے  
 ہم پلہ ہے۔

## حضرت یوسف

اب ایک اور نبی کے متعلق شیعہ عقیدہ ملاحظہ ہو؟

امام جعفر صادق سے معتبر سند کے ساتھ  
 منقول ہے کہ جب حضرت یوسف اپنے  
 والد کے استقبال کے لیے باہر آئے ایک  
 دوسرے سے ملاقات کی اس طرح کہ حضرت  
 یعقوب پیادہ ہو گئے اور یوسف کو شوکت  
 پادشاہی مانع آئی اور سوار ہی رہے ابھی  
 معانقرے سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ جبرئیل  
 نازل ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے  
 کتاب آمیز پیغام دیا کہ یوسف! خداوند  
 عالم فرماتا ہے کہ تیرے لیے بادشاہی کا مذکور  
 رکاوٹ بنا کر میرے بگڑے بندے کو ہدایت دے

پچندیں سند معتبر از حضرت صادق منقول  
 است کہ چون یوسف با استقبال حضرت  
 یعقوب بیرون آمد و یکد گیر را  
 ملاقات کردند یعقوب پیادہ  
 شد و یوسف را شوکت پادشاہی  
 مانع شد و پیادہ نشد و مندوز از  
 معانقرہ فارغ نہ شدہ بودند کہ جبرئیل  
 یہ حضرت یوسف نازل شد و  
 خطاب مقرون بتاب از جانب  
 رب الارباب آورد کہ اسے  
 یوسف خداوند عالمیان ہی فرماید کہ ملک

و شاہی ترامانح شد کہ پیادہ شوی برائے  
بندہ شائستہ صدیق من - دست خود  
را بکشا چون دست را کشود  
از کف دستش و بر وایتے از میان  
انگشتان منس نور نبوت بیرون رفت  
گفت این چه نور بود ای جبرئیل گفت  
نور پیغمبری بود از صلب تو پیغمبر ہم خواهد  
رسید بعقوبت آنچه کردی به یعقوب کہ برائے  
او پیادہ نشدی (حیة القلوب ۲۷۹۱)

سواری سے نہ اترے۔ ہاتھ نکال۔ جب ہاتھ  
نکالا تو ان کی ہتھیل سے اور بروایت انکی  
انگلیوں کے درمیان سے نور نبوت باہر  
نکل گیا پوچھا جبرئیل! یہ کیا نور تھا جبرئیل  
نے جواب دیا یہ نور نبوت تھا۔ اب تیری نسل  
سے کوئی پیغمبر نہیں ہوگا یہ اس جرم کی سزا ہے  
کہ تو یعقوب کے لیے سواری سے نہیں اترتا۔

معلوم ہوا کہ (۱) حضرت یوسف اپنے مدت سے پھڑے ہوئے والد اور اللہ  
کے نبی کے استقبال کیلئے گئے مگر سواری سے نہ اترے ہاں معانقہ کر لیا۔ مگر  
اس کی کوئی صورت تصور میں نہیں آسکتی کہ ایک آدمی گھوڑے وغیرہ پر سوار ہو  
دوسرا زمین پر کھڑا ہو اور وہ معانقہ بھی کر لیں ممکن ہے حضرت یعقوب کا قد  
اتنالبا ہو کہ زمین پر کھڑے ہوتے ہوئے ان کا سینہ حضرت یوسف کے  
بچنے کے برابر ہو جو گھوڑے پر سوار تھے۔

۲۔ حضرت یوسف پر اللہ تعالیٰ کا کتاب نازل ہوا۔

۳۔ ان کو فوری طور پر سزا یہ ملی کہ نور نبوت ہاتھوں کے راستے خارج ہو گیا۔  
یعنی نور نبوت گیا۔ تو نبوت بھی گئی اور منصب نبوت سے معزول کر دئے گئے۔

جیسے نور ایمان چلا جائے تو ایمان چلا جاتا ہے۔

۴۔ ان کی نسل کو نبوت کے منصب سے محروم کر دیا گیا۔ اب یہ دیکھنا علمائے انساب  
کا ہی کام ہے کہ حضرت عیسیٰؑ تک جو انبیائے بنی اسرائیل آتے رہے وہ کس کی  
نسل سے تھے۔

اہل السنن والجماعت کا عقیدہ ہے کہ نبوت وہی چیز ہے یہ منصب سلب

نہیں ہوتا اور نبی اپنے منصب سے کبھی معزول نہیں ہوتا۔

## حضرت یونس علیہ السلام

حیة القلوب ۱: ۵۸۸ حضرت زین العابدین اور جھلی کا مکالمہ۔

پس فرمودہ ای ہا ہی ناگاہ ہی سراز دریا پیروں  
آورد مانند کوہ عظیم و میگفت لبیک لبیک  
ای ولی خدا حضرت فرمود کہ تو کیستی گفت  
من ماہی یونس ام اے سید من فرمود  
کہ ما را خبر دہ قصہ یونس چگونہ بود ؟  
ماہی گفت اے سید من! حق تعالیٰ بیچ  
پیغمبر را مبعوث نکر دایندہ است از  
آدم تا قدر تو محمدؐ نکر و لایت شما اہل  
بیت را بر عرض کرد پس ہر کہ قبول کرد  
سالم ماند و ہر کہ ایا کرد مبتلا گردیدنا آنکہ  
حق تعالیٰ یونس را بہ پیغمبری مبعوث گردا پند  
پس حق تعالیٰ وحی نمود باو کہ اے یونس!  
مقبول کن ولایت امیر المؤمنین و امیر الراشدین  
از صلب او را با سخناں کہ با دوحی نمود۔  
یونس گفت چگونہ اختیار کنم ولایت کے  
را کہ اور اندیدم و نمی شناسم و رفت  
بکنار دریا۔ پس خدا وحی نمود بہ من کہ یونس را  
فروردم تا آنکہ قال اللہ الان سبحانک انکنت من  
الظالمین قبول کردم ولایت امیر المؤمنین را و  
اندر را خداں را از فرزندان او۔

پس فرمایا اے جھلی! اچانک جھلی نے دریا سے  
سر نکالا وہ ایک عظیم مہاڑکی طرح تھی اور کہا اے  
خدا کے دوست میں حاضر ہوں امام نے پوچھا  
تو کون ہے کہا میں یونس کی جھلی ہوں فرمایا مجھے  
یونس کا قصہ تا جھلی نے کہا اے میرے سردار  
اللہ تعالیٰ نے آدم سے لیکر محمد تک کوئی نبی  
نہیں بھیجا جس کے سامنے آپ کی ولایت نہ  
پیش کی ہو جس نبی نے ولایت قبول کی وہ  
بچ گیا جس نے انکار کیا ابتلا میں آ گیا۔ حتیٰ کہ  
اللہ تعالیٰ نے یونس کو مبعوث فرمایا ان پر  
وحی کی کہ حضرت علیؑ اور ان کی اولاد میں سے  
اللہ کی ولایت قبول کر جیسا کہ تجھے حکم دیا جا  
ہے یونس نے کہا جسے میں نے دیکھا نہیں بچتا  
نہیں اس کی ولایت کیونکہ قبول کروں یہ کہہ  
کے یونس دریا کے کنارے کی طرف چل دئے  
پھر خدا نے تجھے وحی بھیجی اور یونس کو گنگلیا  
حتیٰ کہ انہوں نے کہا لا الہ الا انت الخ  
میں سے حضرت علیؑ اور آپ کی اولاد میں  
سے اللہ را خداں کی ولایت قبول کی۔



اس روایت سے نہایت قیمتی معلومات حاصل ہوئیں۔

(۱) مچھلی نے کتنی طویل عمر پائی تھی کہاں حضرت یونس کا زمانہ جب وہ انہیں ننگلے کے قابل تھی اور کہاں حضرت زین العابدین کا زمانہ۔

(۲) مچھلی کا علم اتنا وسیع تھا کہ آدم سے لے کر حضرت محمد تک تمام انبیاء کے متعلق یہ جانتی تھی کہ منصب نبوت پر فائز کرنے سے پہلے ان سے ولایت ائمہ کا اقرار لیا جاتا تھا۔ مچھلی یہ نہیں بتایا کہ ان سے توحید کا اقرار بھی لیا جاتا تھا یا اس کی ضرورت نہ تھی صرف ولایت کا اقرار کافی تھا۔

(۳) جن انبیاء نے ولایت ائمہ کا اقرار کیا مزے سے نبوت کی جنہوں نے انکار کیا طرح طرح کے مصائب میں مبتلا ہوئے۔ یہ بات عجیب سی معلوم ہوتی ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ سب سے زیادہ مصائب انبیاء پر آتے ہیں چنانچہ کونسی مصیبت ہے جو حضور پر نہیں آئی۔ مچھلی کے بیان سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضور سمیت تمام انبیاء پر جو مصائب آتے رہے ان کی اصل وجہ یہ تھی کہ انہوں نے ولایت ائمہ کا انکار کیا۔

(۴) حضرت یونس، اللہ تعالیٰ کا حکم سن کر تعمیل کرنے کی بجائے دریا کو چل دے گویا اللہ سے روٹھ گئے۔

(۵) جب انہوں نے ولایت ائمہ کا اقرار کیا تو جان چھوٹی یعنی ان کا ایمان اضطرابی ہوا اور اضطرابی ایمان تو قابل قبول نہیں ممکن ہے انہوں نے تقیہ کیا ہو۔ مگر تقیہ سے تو صورت مخلوق کو دھوکا دیا جاسکتا ہے۔ علیم بذات الصدور خالق کو تو دھوکا نہیں دیا جاسکتا۔

(۶) امامت کا مرتبہ نبوت سے بلند ہے۔ کیونکہ امامت کے اقرار کے بغیر نبوت کا منصب ملتا ہی نہیں اور اگر ملے بھی تو مصائب جھیلے پڑتے ہیں۔ چنانچہ منصب امامت کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے علامہ باذل نے حضرت علیؑ کی تعریف میں لکھا ہے۔

حملہ حیدری۔ علامہ باذل ایرانی ۵: ۱

علی صاحب اختیار جہاں  
رواست تا عرضش فرمان او  
ربا نندہ موسیٰ از رود نیل  
بسائل رسانندہ فلک نوح  
خدا را مباحات ز ایجاد او  
ہوا خواہ او جبرئیل امین  
تعب دین امر چنداں مکن  
ندانی خدا مر علیؑ را اولے  
ہم وارث سلم پیغمبرے  
ہم چوں محمد منزہ صفات  
بقلم و بقدرت ہمہ متلی  
علی صاحب حکم بر آسمان  
ملائک چو صحاب و دربان او  
دماندہ گل ز نار خلیلے  
کشانندہ بابائے فتوح  
بنی را تقابہر ز امداد او ،  
بفرمان او آسمان وز میں  
کہ در قدر او نیست جائے سخن  
ندانی خدا تا ندانی علیؑ  
بود غیر شاں کاذب و مفترمی  
ہمہ صاحب حکم بر کائنات  
ہمہ چوں محمد ہمہ چوں علیؑ

اس منظوم عقیدہ کا خلاصہ یہ ہے کہ شیعہ کے پہلے امام حضرت علیؑ کی شان یہ ہے کہ انکا حکم اور اختیار زمین و آسمان پر چلتا ہے۔ حضرت موسیٰ کو دریا نے نیل سے انہوں نے پار اتارنا اور ابراہیم کو گلزار انہوں نے بنایا۔ کشتی نوح کو بسلا۔ بت ساحل پر انہوں نے لگایا۔ حضور اکرمؐ بھی حضرت علیؑ کی امداد کے محتاج ہیں۔ حضور کے علم و ارث میں ان کے بغیر جو شخص علم کی بات کرتا ہے وہ جھوٹا ہے۔ حضرت علیؑ بھی حضور کی طرح معصوم من النظاہ ہیں۔ آپ کا حکم کائنات پر چلتا ہے اس طویل نظم میں اگر حضرت علیؑ کے نام کی جگہ اللہ کا نام رکھ کر پڑھو تو توحید کی معرفت حاصل ہوگی اور اللہ کے نام کی جگہ علیؑ کا نام رکھ دو تو امامت کی شان معلوم ہو جائے گی۔ اور دونوں کو آمنے سامنے رکھ کر پڑھو تو معلوم ہوگا کہ امامت اور الوہیت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ اس لیے نبوت تو واقعی امامت سے کم درجے کا منصب ٹھیرا۔

امامت کے اس عظیم منصب کے لیے اللہ تعالیٰ نے کوئی خاص اہتمام نہیں فرمایا۔ آخری آسمانی کتاب قرآن مجید اس منصب کا ذکر تک نہیں۔ اور آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم

نے مسئلہ امامت بیان ہی نہیں فرمایا۔ کہا جاتا ہے کہ اللہ نے بار بار اس کی تاکید فرمائی مگر خدا کا رسول ڈر کے مارے اسے بیان کرنے سے گریز کرتا رہا۔ آخر حکم ہوا کہ اگر اعلان نہ کیا تو دفتر نبوت سے نام کاٹ دیا جائے گا۔ پھر بھی خاموشی رہی آخر خدا کی طرف سے تسلی دینی گئی کہ واللہ یحصہ من الناس اس یقین دہانی کے باوجود اعلان کیا بھی تو بڑا اہم من کنت مولاه فعلی مولاه امامت کا منصب جس نطق سے بیان کیا وہ لغت عرب میں بائیس معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور لطف یہ کہ محاورہ عرب میں کہیں امام اور حاکم کے معنوں میں استعمال نہیں ہوتا۔ اگر اسے درست مان لیا جائے تو یوں لگتا ہے جیسے خدا اور رسول سے اس بارے میں کمی رہ گئی تھی جو علامہ باذل نے پوری کر دی۔

اللہ انہیں جزائے خیر دے۔

## عقیدہ آخرت

توحید و رسالت کے بعد اسلام کا تیسرا بنیادی عقیدہ آخرت کی توحید ہی کا یقین ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ دنیا دار العمل ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو کچھ ذمہ داریاں سونپی ہیں اور اسے یہ ذمہ داریاں پوری کرنے کے لیے زندگی کی مہلت عطا کی ہے۔ ایک وقت آنے کا کہ یہ نظام ختم ہو جانے کا اور نیا نظام شروع ہو گا جس میں ہر انسان سے اس کی ذمہ داریوں کے متعلق باز پرس ہوگی یہاں تک کہ وہ من بعد متعال ذرۃ خیرا یرہ و من بعد متعال ذرۃ شریرہ۔ تمام اچھے اور بُرے اعمال سامنے آ جائیں گے۔ اچھے اعمال کا صلہ اور بُرے اعمال کی سزا ملے گی۔ اور اس فیصلہ میں بنیادی اصول یہ ہوگا کہ دلائل و ازرۃ و ذرا خدنی۔ یعنی سب کو اپنے کئے کا بدلہ ملے گا یہ نہیں ہوگا کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی۔

شیعہ مذہب میں بھی عقائد کی فہرست میں عقیدہ آخرت موجود ہے البتہ اس

کا نقشہ ذرا مختصراً ہے۔ اس لیے تقویراً سا اجمالی بیان کر دینا مناسب ہے۔

### ۱۔ مختصر بصائر الدرجات ص ۲۲

اذ کان لیوم القیامۃ نزع اللہ عزوجل مسحة الایمان منم فردھا الی شیعتنا ونزع بجمیع ما اکتسبوا من النیات فردھا الی اعدائنا الی ان قال قنت جعلت فداک توخذ حسانہم فترو الینا وتوخذ سیدنا فنا فترو الیہم قال ای واللہ الذی لا الہ الا هو قنت جعلت فداک اتجدھا ق کتاب اللہ قال لحر یا ابا سحاق مات توھذا الایۃ اولئک یدل اللہ سیانہم حنات۔

”قیامت کے دن اللہ تعالیٰ شیعوں کے ایمان کا حصہ ان سے چھین کر شیعوں کو دے دے گا اور شیعوں کی تمام برائیاں ان سے چھین کر شیعوں کو دے دے گا۔ راوی کہتا ہے میں نے کہا قربان جاؤ شیعوں کی نیکیاں شیعوں کو اور شیعوں کی برائیاں شیعوں کو دی جائیں گی۔ کیا یہ مسئلہ کتاب اللہ یعنی قرآن میں ہے؟ امام نے قسم کھا کر کہا کہ ایسا ہوگا اے ابواسحاق کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی کہ اولئک یدل اللہ انہم امام کے اس حلیہ بیان کو پڑھ کر قیامت کا منظر اور حساب و کتاب کا سماں چشم تصور کے سامنے آجاتا ہے جس کی تفصیل کچھ یوں لگتی ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ ہر ایمان والے انسان اس کی مخلوق ہیں میدان قیامت میں مخلوق اس کی عدالت میں پیش ہوگی اور ساری مخلوق میں سے شیعوں کی حالت زار پر اللہ تعالیٰ کو بڑا ترس آئے گا کہ یہ بیچارے تو خالی ہاتھ ہیں تہی دامن ہیں یہاں صلہ ملنے کا سرمایہ اعمال ہیں اور اعمال کی بنیاد ایمان ہے اور یہ بیچارے ایمان سے بھی خالی ہیں آگے معاملہ کیسے چلے گا چنانچہ رحمت الہی جوش پر آئے گی اور دیکھے گی کہ یہ دولت کس کے پاس ہے۔ سنی سامنے ہوں گے اللہ تعالیٰ دیکھ لیں گے کہ یہی تو وہ ہیں جو دولت ایمان کا حصہ وافر سینے ہوئے ہیں۔ لہذا ان سے یہ سامان لے کر شیعوں کو دے دے گا تاکہ ان بیچارے تہی دامنوں اور تہمتوں کو آگے کچھ دینے کے لیے بنیاد تو بنے۔ اگر یہ دنیا سے اور کچھ نہیں تو

ایمان ہی ساتھ لاتے تو کام آسان ہوتا۔ مگر یہ بیچارے ساتھ تب لاتے جب پاس ہوتا جب پاس تھا ہی نہیں تو لانے کیا بیچارے معذور ہیں۔

(۲) شیعوں کی تمام برائیاں سنیوں کو دی جائیں گی۔ یہاں بات کچھ الجھ گئی ہے کیونکہ برائیوں پر تو سزا ملنی ہے گویا سنیوں کو ناکردہ گناہوں کی سزا بھگتے کے لیے تیار کیا جا رہا ہے جہلا کون کر رہا ہے جو کہتا ہے کہ ان اللہ ماننا سہل و آسان ہے۔ اور یہ معاملہ تو رم چھوڑ عدل سے بھی کوسوں دور ظلم کا نقشہ پیش کر رہا ہے۔ اور ظلم کی نسبت رب العالمین سے کرنا اس سے بڑا ظلم اور کیا ہوگا مگر مشکل یہ ہے کہ اس کا ردوائی کو ظلم کے بغیر اور کچھ بھی کہہ نہیں سکتے۔

(۳) اس سے اللہ تعالیٰ کا ظالم ہونا غیر عادل ہونا تسلیم کرنا پڑے گا۔

(۴) امام کا اعتراف ہے کہ ایمان سنیوں ہی کے پاس ہے۔

(۵) امام کا اعتراف ہے کہ شیعہ ایمان سے خالی ہیں۔

(۶) ہاں مگر نپٹ خالی نہیں ہیں وہ برائیوں کی دولت سے مالا مال ہیں۔

(۷) شیعوں کو نجات کے لیے قیامت میں ہی سنیوں کا سہارا لینا پڑے گا۔ ان کے محتاج ہوں گے۔ اس لیے معقولیت اسی میں ہے کہ اس دنیا میں سنیوں سے بگاڑ کیوں پیدا کرتے ہو ان سے اتفاق سے رہو بلکہ ان کے احسان مند بن کے رہو سنی وہاں تمہارے کام آئیں گے جہاں کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا یوسف المرء من اخبہ و اللہ دابہ و صاحبہ و بنیہ۔ اس لیے ٹھنڈے دل سے سوچو اپنے محسنوں کو پہچانو اور ان سے صلح و اہستہ سے رہو۔

(۸) امام نے جس آیت کا حوالہ دیا اس کے معنی آج تک کسی انسان نے خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم سکا کہ وہ نہیں بیان کئے جو امام نے بیان کئے اس لیے اسے قرآن کی تحریف کے بغیر اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔ گویا صاحب مخقر بصائر الدرجات نے یہ انکشاف کیا ہے کہ ائمہ کا ایک محبوب مشعلہ خریف قرآن بھی تھا۔ چنانچہ جب یہ اعتراض ہوا تو مقصد نے ص ۷۲ پر ایک اور بات کہہ دی۔

واما تبدیلی شیئات المؤمن بحسنات الناصب وحمل الناصب شیئات المؤمن فقد جاء فی الکتاب وصدقہ ال محمد علیہ السلام۔

”بہر حال جہاں تک شیعہ سنی کی برائیاں نیکیاں اول بدل کرنے کا معاملہ ہے قرآن میں آچکا ہے اور آل محمد نے اس کی تفسیر یہی کی ہے“

شیعوں کے لیے یہ سودا تو نفع کا ہے اور مردہ جانقز ہے مگر ایک اور روایت سے معاملہ کچھ مشتبہ ہو جاتا ہے۔

(۲) - روضہ کافی ص ۴۲

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام انہ قال لا یالی الناصب صلی امر نساء هذه الایۃ نقلت فیہم عاملۃ ناصبۃ تصلی نار احامیۃ۔

”امام جعفر نے فرمایا کہ سنی نماز پڑھے یا زنا کرے دونوں برابر ہیں اور یہ آیت سنیوں کے حق میں نازل ہوئی ہے عاملہ ناصبۃ الخ“

(۳) روضہ کافی ص ۱۸۱ سنیوں کے حق میں لکھا ہے۔

”سنیوں کے لیے دنیا اور آخرت میں کوئی حصہ نہیں پس ہر سنی کی عملی جدوجہد خبار کی مانند ہے کار ہے“

ان دو روایتوں سے ظاہر ہے کہ امام جعفر کے نزدیک سنی کی نماز اور زنا میں کوئی فرق نہیں اور سنیوں کے اعمال کی حیثیت گرو وغبار کے کچھنے ہوئے بے حقیقت ذرات سے زیادہ کچھ نہیں تو مخقر بصائر الدرجات کی روایت کے مطابق سنیوں سے لیا گیا جائے گا اور شیعوں کی مطلب برآری کیسے ہوگی۔

رمضہ عشر کی چھینا چھپٹی سے کیا ہوا۔ شیعہ بیچارے پہلے ہی برائیوں کے بوجھ سے خمیدہ کمر ہوں گے اور پے سنیوں سے چھینی ہوئی نیکیاں نمازیں وغیرہ جب زنا کے برابر ہیں تو گویا شیعوں کے بوجھ میں اور اضافہ ہوا۔

باغبان نے آگ دی جب آسٹیا نے کومرے

تکیہ جن پتوں پہ تھا وہ ہی ہوا دینے کے

(۴) روضہ کافی ص ۲۵۲ بڑی روح افزا روایت ہے۔

ان الله عزوجل ملائكة يسقطون الذنوب عن ظهور شيعتنا كما تسقط الريح الورق وذلك قوله عزوجل يسعون بحمد ربهم ويستغفرون للذين آمنوا والله ما اراد بهذا غيركم۔

” اللہ تعالیٰ نے کچھ فرشتوں کو مقرر کر رکھا ہے کہ شیعوں کی پیمٹوں پر سے گناہوں کے بوجھ ساقط کریں جیسے خزاں میں ہوا سے پتے جھڑتے ہیں چنانچہ قرآن میں ہے کہ وہ اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اور ایمان والوں کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ اور اللہ اس آیت سے تم شیعہ ہی مراد ہو۔“

کتنی مزے کی بات ہے کہ تم مزے سے برائیاں کیے جاؤ شوق سے گناہوں کے بوجھ میں امانت کرتے رہو فرشتوں کی فوج مقرر ہے جو اس بوجھ کو ہلکا کرنے کے لیے ہی مقرر ہے۔ اس کا آخری جملہ معہ ہے۔ کیونکہ اس آیت میں الذین آمنوا کا ذکر ہے اور مختصر بجا کر اللہ رجاء والی روایت میں صاف بتایا گیا ہے کہ شیعہ بیچارے ایمان سے ظالی ہوں گے اس لیے اللہ تعالیٰ رحم فرما کر شیعوں سے یہ دولت لے کر ان تہمتوں کو دینگا ظاہر ہے کہ یہاں سے ایمان کی دولت لے کر جب جائیں گے نہیں تو وہاں ایمان کیسے پاس ہو۔ لہذا یہ روایت اس بات کی نفی بلکہ تردید کرتی ہے کہ الذین آمنوا سے مراد شیعہ ہیں۔

حاصل یہ ہوا کہ بات بنتے بنتے رہ گئی۔

(۵) انوار نعمانیہ ص ۱۹۹

وهذا الكتابان يكتبان اعمال اليوم الى الليل فيأتیان مع الصيغتين الى املاء العصر فيعرضا عنهما عليه قيعرهما فما كان من صحيفتيات شيعته استغفر واصلم۔

” کاتبین شیعہ کے دن رات کے اعمال لکھتے ہیں پھر ان اعمال کو امام زمانہ کے پیش کرتے ہیں۔ امام ان اعمال ناموں کو پڑھتا ہے۔ شیعوں کے جو بڑے اعمال ہوتے ہیں۔“

ان کے لیے امام استغفار کرتا ہے اور اصلاح کر دیتا ہے۔“

یہ روایت بڑی خوش کن خبر دیتی ہے مگر حقیقت میں بات پر الجھ کے رہ جاتی ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ فرشتے وہی کچھ لکھتے ہیں جو انسان کرتا ہے۔ انہیں امام کی خدمت میں اس حال نامے پیش کرتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ امام کو تمام اعمال نامے پڑھنے ہوتے ہیں یہی ذلیونی کچھ ایسی وقت طلب اور وقت طلب ہے کہ امام کسی دوسرے کام کے لیے فارغ ہو نہیں سکتا۔ تیسری بات یہ ہے کہ وہ جو بارہ لغافے آسمان سے نازل ہوئے تھے کسی لغافے میں امام کی اس ذلیونی کا ذکر نہیں۔

چہاں یہ کہ امام کا استغفار کرنا تو سمجھ میں آتا ہے مگر یہ اصلاح کرنے کا معاملہ ایسا ہے کہ عجیب ہی معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً اصلاح کی ایک صورت یہ ہے کہ فرشتے نے لکھا فلاں گناہ کیا امام نے اصلاح کی اور گناہ کو مٹا کر اس کی جگہ کوئی ثواب کا کام لکھ دیا۔ بڑی اچھی بات ہے مگر جہل سازی معلوم ہوتی ہے۔ کیا امام اسی خدمت کیلئے رہ گیا ہے۔

پنجم: یہ استغفار اور اصلاح تو شیعوں کے حق میں مفید ثابت ہوگی کیونکہ شیعوں کی برائیاں شیعوں کو ملتی ہیں اور امام نے شیعوں کی برائیوں کی اصلاح کر دی۔ وہ میکیل بن گئیں تو شیعوں کو قائد ہوگا یا اب سو دے کی صورت یہ ہوئی کہ شیعوں نے شیعوں سے ایمان کی دولت لی اور انہیں اپنے وہ اعمال دئے جن کی امام نے اصلاح بھی کی اور استغفار بھی کی۔

اس سے بھی زیادہ خوش کن بلکہ روح افزا خبر ایک اور روایت میں دی گئی ہے۔ (۶) روضہ کافی ص ۲۵۱ امام باقر سے روایت ہے۔

ثم يدعى بنا فیدعى بالنبيين عليهم الصلوة والسلام فيقاومون صفين عند العرش حتى نصرغ من حساب الناس۔

”پھر ہمیں بلایا جائے گا اور تمام انسانوں سے حساب لینا ہمارے پر دیکھا جائے گا۔ خدا کی قسم ہم جنتیوں کو جنت میں داخل کریں گے اور دوزخیوں کو دوزخ میں پھرا نبی اکرام کو بلایا جائے گا وہ دو صفوں میں عرش کے پاس کھڑے ہو جائیں گے اور اس وقت تک کھڑے رہیں گے کہ ہم حساب لینے سے فارغ ہو جائیں“

لیجئے حشر و نشر میزان اور حساب و کتاب کی سختیوں کے حالات سو ہاں روح بن چکے تھے بات گھر میں پہنچ گئی اپنے امام حساب لیں گے۔ بہر حال اس روایت سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

(۱) حساب کے ساتھ الناس کا لفظ ہے یعنی صرف امت محمدیہ نہیں بلکہ تمام انسانوں کے اعمال کا حساب لینا اماموں کے ذمے ہو گا خواہ وہ کسی نبی کی امت تھے۔

(۲) حساب اٹھانے لینا ہے ان کی تعداد بارہ ہے ممکن ہے اللہ تعالیٰ مخلوق کو بارہ حصوں میں تقسیم کر دیں ہر امام اپنا کوٹہ لے کر کام شروع کر دے۔

(۳) انبیاء کو کسی لیے بلایا جائے گا یہ ایک عقیدہ ہے۔ ممکن ہے اس لیے کہ سب نبی اپنی امت کے افراد کا نتیجہ دیکھ لے۔ گویا انبیاء محض تماشا ٹانی ہوں گے۔

یہ بات کچھ فطری معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہاں ہی پڑھانے والے اور ہوتے ہیں اور امتحان لینے والے دوسرے ہوتے ہیں اسی طرح انبیاء کا کام تو تعلیم و تربیت اور پڑھانا لکھانا تھا اور امتحان لینا اٹھ کے ذمے لگایا جائے گا۔

(۴) وہی ائمہ جب اپنے اپنے عہد میں شیعوں کے اعمال ناموں کی اصلاح کر چکے ہیں تو وہاں بھی ضرورت ہوئی تو اصلاح کر دیں گے اور شیعہ دوزخ ہی ہو گا تو جنت میں

بھیج دیں گے کیونکہ اس کے بعد کسی اپیل کا ذکر اس روایت میں نہیں ہاں ایک مشکل پیش آئیگی کہ مثلاً پہلے امام کے زمانے کا شیعہ بارہویں امام کے حصے میں آجائے

تو کیا ہو گا۔ ظاہر ہے کہ شیعہ بتا دے گا۔ اور اس کا بتا دینا ہی کافی ہو گا اور اگر ضرورت پڑی تو بارہویں امام پہلے امام سے پوچھ لے گا مگر ضرورت تو پڑے گی نہیں

کیونکہ امام کو کان و ما کیوں کا علم ہوتا ہے۔

(۵) ائمہ جب یہاں سنیوں سے خوش نہیں تو انہیں وہاں حساب لیے بغیر ہی دوزخ میں بھیج دیں تو کیا بعید ہے۔ اور ظاہر ہے کہ انبیاء تو بس وہاں صرف کھڑے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ خود یہ کام ائمہ کے پر دیکھے فارغ ہو گا (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں قیامت کی ہولناکیوں کے وہ مناظر پیش فرمائے ہیں کہ پڑھ کے روح کانپ اٹھتی ہے۔ خدا املا کرے ان روضہ کافی اور انوار نعمانیہ اور مختصر بصائر الدرجات کے مصنفین کا کہ قیامت کو ایک ڈرامہ بنا کے دکھا دیا۔

(۶) کشف الغمہ ۲ : ۲۰۶

یا زین ان الصراط البنا والمیزان الینا وحساب الشیعة الینا۔

”اے زید پل صراط سے گزرتا ہمارے ذمہ ہے۔ وزن اعمال ہمارے ذمہ ہے اور شیعہ کا حساب لینا ہمارے ذمہ ہے“

روضہ کافی کی روایت اور اس روایت میں تھوڑا سا اختلاف نظر آتا ہے۔ وہاں حساب الناس ہے یہاں حساب الشیعہ ہے۔ دونوں میں تطابق کی ایک صورت

یہ ہے کہ شیعہ بھی آخرت میں یا اس سے مراد تخصیص بعد تقسیم ہوا اور ظاہر ہے کہ ائمہ اس دنیا میں شیعوں سے امتیازی سلوک کرتے ہیں ان کے اعمال ناموں کی اصلاح

بھی کرتے ہیں تو وہاں کیوں نہ خصوصی توجہ کریں گے۔ (۸) انوار نعمانیہ ۹۶۱۱، مختصر بصائر الدرجات ص ۲۲۲، ۲۲۳ اور علی الشرائع ص ۴۹

ابو اسحاق تمی امام باقر سے عرض کرتا ہے۔ جعلت فداک یا ابن رسول اللہ انی اجد من شیعتک من یشرب الخمر ویقطع

الطریق ویخیف السبل، دیننی، ویلوط ویاکل البزیر بکب الفواحش ویتمادز بالصلوۃ والصیام والنزکوۃ ویقطع الرحم ویاتی بالکبائر فکیف

هذا۔ اے ابن رسول میں آپ کے شیعوں کو دیکھتا ہوں کہ شرابی ہیں ڈاکو ہیں زانی ہیں

کوٹی ہیں سود خور ہیں بے حیائیوں کے مرتکب ہیں نماز روزہ زکوٰۃ سے بے نیاز ہیں۔

قطع رکھی کرتے ہیں کبائر کا ارتکاب کرتے ہیں۔ ایسا کیوں ہے۔  
ابو اسحاق نے امام باقر کے سامنے شیعوں کے کردار کا یہ نقشہ کھینچا ہے۔

اور مختصر بھائر الد رحمت ص ۹۷

قلت يا ابن رسول الله واجد من اعدائك و من ناصبيك و من يكثر من  
الصلاة و من الصيام و يخرج الزكاة و يتابع بين الحج و العمرة و يحرص على  
الجهاد و يصل الارحام و يقضى حقوق اخوانه و يواصيهم من مال و يحتسب شرب  
الخمر و الزنا و اللواط و سائر الفواحش فممن ذلك -

”تو میں نے کہا اے ابن رسول میں آپ کے دشمنوں ناموسیوں (سنیوں) کو  
دیکھتا ہوں کہ کثرت سے نماز پڑھتے ہیں روزے رکھتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں حج اور عمرہ  
کرتے ہیں جہاد کے ترپیں ہیں صلہ رکھی کرتے ہیں بھائیوں کے حقوق ادا کرتے ہیں شراب  
سے بچتے ہیں زنا لواطت اور دوسری تمام برائیوں سے اجتناب کرتے ہیں ایسا کیوں ہے۔  
اور اسی کتاب کے ص ۲۲۳ پر سنیوں کے متعلق کہا کہ

كثير الصلاة كثير الصوم كثير الصدقة يؤدى الزكاة ويستخرج فيئودي الامانة -

دونوں گروہوں کی سیرت کا نقشہ کھینچ کر ابو اسحاق نے امام سے سوال کیا کہ ایسا  
کیوں ہے۔ اس کے جواب میں امام نے وہی فرمایا جو ص ۱۱۷ کے حوالے سے اس بحث کے  
شروع میں ص ۱ پر درج ہے۔

(۹) روضہ کافی ص ۱۹۱ موسیٰ بن بکر واسطی امام ابو الحسن کی زبانی شیعہ کی تعریف بیان  
کرتا ہے۔

قال لي ابو الحسن عليه السلام لو ميزت شيعتي لو اجد هم الا صفة ولوا امتختهم  
لما وجدتهم الامر تدبیر و لو تم حصصهم لما خلت من الالف واحد ولو غلبتهم  
غربة لو سبق منهم الاما كان لي الي ان قال نقالوا نحن شيعة على انما شيعة على  
من صدق قوله و فعله -

”امام ابو الحسن نے فرمایا اگر میں شیعوں کی بات کروں تو میں انہیں آپس میں

دفعیں بیان کرنے والے پاؤں گا (یعنی محض باتیں بنانے والا) اور اگر میں ان کا امتحان  
لوں تو انہیں مرتد پاؤں گا اگر میں چھان بین کروں تو ہزار میں سے ایک بھی مخلص نیاؤں  
گا اگر میں انہیں چھینی میں چھانوں تو ایک خاص باقی رہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم شیعیان علی  
ہیں۔ حالانکہ حضرت علی کے شیعہ وہ ہیں جو قول و فعل میں سچے ہوں۔“

پہلی دو روایتوں میں امام باقر کے سامنے شیعوں کے اوصاف بیان ہوئے اس  
روایت میں امام نے خود شیعوں کے اوصاف بیان کئے ہیں۔ سب وصفوں سے نرالا  
وصف امام نے بیان کیا کہ اگر انہیں کسی امتحان میں ڈالا جائے تو وہ مرتد پائے جائیں گے۔  
ارتداد سے اونچا اور کونسا وصف ہو سکتا ہے۔ مگر اس میں نقصان سنیوں کا ہے کیوں کہ  
روایت علی کے مطابق یہ ارتداد کا گناہ بھی قیامت کے دن تو سنیوں کی پیٹھ پر لا دا  
جائے گا۔ شیعوں کا کیا بگڑا۔

اس موقع پر ایک روایت کا ذکر کرنا دو لحاظ سے مناسب ہے اول یہ کہ ائمہ  
نے اپنے شیعوں کے متعلق جب اس قسم کی رائے کا اظہار کیا تو شیعوں نے اس کا بدلہ  
دینے میں نکل نہیں رہتا۔ دوسرا یہ کہ ایک طرف ائمہ کا یہ مقام بیان ہوا کہ قیامت میں حساب  
و کتاب اور سب فیصلے ائمہ ہی کریں گے دوسری طرف ائمہ کے متعلق یہ کہا گیا۔

مناقب شہرا بن آشوب ۲، ۳۲ امام حسن نے جب امیر معاویہ سے صلح کرنے کا  
ارادہ کیا تو یہ خطبہ دیا۔

ولا تخالفوا امری ولا تردوا علی رأی غفر الله لی و لکم و ارشدنی و ایاکم  
لما فيه المحنة و الرضا فقا لوالله بريدان يصلح معاوية و يسلم الامرا اليه  
كفر الله الرجل كما كفر ابوه فانتبهوا فسطاطه حتى اخذوا مصلی من تحته و  
نزع مطرفه عبد الرحمن بن جعال الازدي و طعنوا -

”میری مخالفت نہ کرو میری رائے کو رد نہ کرو واللہ مجھے اور تمہیں مغفرت کرے  
اور مجھے اور تمہیں ہدایت پر رکھے کیونکہ اس صلح میں محبت ہے اور خدا کی رضا ہے۔ شیعوں  
نے کہا تم بخدا یہ شخص (امام حسن) معاویہ سے صلح کرنا چاہتا ہے اور حکومت اس کے حوالے

کرنا چاہتا ہے۔ یہ کافر ہو گیا ہے جیسے باپ یعنی حضرت علی کافر ہو گیا تھا۔ پھر امام کے نیچے پر بدبول دیا ان کے نیچے سے مصلیٰ چھین لیا۔ اوپر کی چادر چھین لی اور امام کو نیزہ مار کر زخمی کر دیا۔

حضرت امام حسن کے ارشاد اور شیعوں کے جواب کے الفاظ کسی تبصرہ کے محتاج تو نہیں اور یہ شیعوں کا اپنے گھر کا معاملہ ہے امام کو جو چاہیں کہیں آخر ان کا حق بنتا ہے البتہ چند ایک نتائج حاصل ہوتے ہیں۔

(۱) اگر شیعوں نے اصحاب ثلاثہ کے متعلق ناشائستہ الفاظ استعمال کئے ہیں تو تعجب کی بات نہیں کیونکہ جس امام سے ان کا مذہب چلتا ہے یا وہ چلاتے ہیں وہ حضرت علیؑ میں دوسرے نمبر پر حضرت حسنؑ ہیں جب شیعوں نے ان دونوں اماموں کو کافر کہہ دیا تو اور کوئی ان کی زبان سے کیسے بچ سکتا ہے تمہارا تھا دوستدار عالی اور اپنے گلے کا رضا جو سلوک اس سے کئے یہ تم نے تو ہم سے کیا کیا نہ کیجئے گا۔

(۲) ایک طرف تو امام کا یہ مقام کہ اعمال نامے اس کے پیش ہوتے ہیں وہ ان میں اصلاح کرتا ہے قیامت میں حساب کتاب لینا جنت و دوزخ میں بھیجا سب اس کے اختیار میں ہے دوسری طرف یہ حال کہ ابو الائمہ کو کافر قرار دے رہے ہیں کیا کفر سے امامت کے سوتے پھوٹے ہیں؟

(۳) امام عصر کے سامنے اس کے شیعوں کے اعمال نامے پیش ہوتے ہیں تو جن شیعوں نے امام حسن کے ساتھ یہ سلوک کیا کہ کافر کہا۔ لوٹا مارا، زخمی کیا، ان کے اعمال نامے اس روز جب امام کے سامنے پیش ہوئے ہوں گے تو خدا جانے ان میں کیا اصلاح کی ہوگی۔ کیا فرشتوں کو حکم دیا ہوگا کہ لکھو۔ شیعوں نے میری متقبت پڑھی میرے پاؤں پکڑے ہاتھ چومے خون میں نہیں پانی سے غسل دیا۔

خیر یہ باتیں تو سوچنے کی ہیں جسے خدا سوچنے کی توفیق دے سوچے اصل بات جو اس باب کا خلاصہ ہے یہ ہے کہ شیعہ کا عقیدہ ہے کہ آخرت کا عقیدہ برحق ہے البتہ

اس کی تفصیل یہ ہے کہ شیعہ ہر صورت نجات یافتہ ہیں گناہ خواہ کتنے کریں سنیوں کے بوجھ میں اضافہ ہوگا۔ اماموں کو کافر کہیں۔ زخمی کریں۔ قتل کریں۔ مرتد ہو جائیں کچھ ہو جائے جنت انہیں مل کے رہے گی کیونکہ خدا پر عدل کرنا ان کے نزدیک واجب ہے۔ اور عدل کی اس سے بہتر مثال تصور میں آ ہی نہیں سکتی کہ

دکھائے پئے کو کوری تے دھون بھنائے جمعہ

ایک بات وضاحت طلب ہے کہ روایت میں ابو اسحاق نے امام سے بوجھ لیا کیا کہ شیعہ ایسے ہیں تو ایسا کیوں ہے؟ امام نے اس کیوں کا جواب نہیں دیا بلکہ سائل کے اصل خطبے کا علاج بتا دیا جو روایت علیؑ میں درج ہے۔ ممکن ہے امام نے یہ سمجھا ہو کہ استدلال کے گورک دھندے میں پڑنا فقہوں ہے سائل کے اصل خطبے کو دور کر دو۔ مگر اس کیوں کا جواب ضرور موجود ہے۔

اصول کافی باب التقیہ میں ہے عن ابی عبد اللہ علیہ السلام ان تسعة

اعشار الدین فی تقیہ ولا دین لمن لا تقیہ له۔

صرف تقیہ کرنے سے ۹ دین پر عمل ہو گیا یعنی آدمی ۹ دیندار ہو گیا۔ اور میدان شہر میں حساب لینا ائمہ کا کام ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تعلیمی اداروں میں انسان انسان سے بڑی رعایت برتتا ہے مثلاً ۳۳ فیصد نمبر لیے تو پاس ہو گیا۔ اور تقیہ کیا تو ۹۰ فیصد نمبر لیے یعنی نہایت اونچی ڈویژن سے زیادہ نمبر لے لیے لہذا پاس تو

کیا میڈل کا مستحق ہو گیا۔ باقی ۱۰ حصہ دین رہ گیا نماز روزہ حج زکوٰۃ جہاد سب نہاد تین اس ۱۰ میں آگئیں۔ جب آدمی نے نہایت اطمینان سے ہر معاملے میں ہر بات میں تقیہ کرنا معمول بنالیا تو اسے کیا ضرورت ہے کہ باقی ۱۰ حصہ دین کی فکر میں گھلتا رہے۔ غالباً اس کیوں کا جواب یہی ہے۔ کہ شیعہ مطمئن ہیں کہ ۱۰ حصہ دین تو ہمارے ہاتھ سے جا نہیں سکتا۔ باقی ۱۰ کی فکر کرنا کوئی عقلمندی نہیں۔ جب آدمی، آدمی سے اتنی رعایت برتتا ہے تو کیا رب العالمین اتنی رعایت بھی نہ دے گا کہ ۹۰ فیصد والے کو پاس قرار دے اور رب کے نمائندہ ائمہ کیا اس کیلئے کو استعمال نہیں کریں گے۔

## عقیدہ امامت

دین اسلام میں اساسی عقائد تین ہیں توحید، رسالت اور معاد مگر دین شیعہ میں امامت کا عقیدہ اتنا اہم ہے کہ اس کے بغیر دین مکمل نہیں ہوتا۔ امامت کا منصب نبوت سے بلند تر ہے جیسا کہ گذشتہ باب میں وضاحت کر دی گئی ہے اس لیے عقیدہ امامت کے تمام پہلوؤں کی تفصیل دی جاتی ہے۔

**عقیدہ عمل:** امامت اصول دین سے ہے جیسے توحید، رسالت اور قیامت اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں توحید رسالت اور قیامت کا ذکر جاہ یا مختلف اسلوب بیان اختیار کر کے کیا ہے مگر عقیدہ امامت کا ذکر اشارہ بھی نہیں کیا تو اسے اصول دین میں کیسے شمار کیا جاسکتا ہے؟

جواب دیا گیا کہ امامت کا مسئلہ قرآن میں موجود تھا مگر قرآن جمع کرنے والے صحابہ نے قرآن سے نکال دیا۔ چنانچہ تفسیر عیاشی میں ہے کہ امام باقر نے فرمایا

لو قدری القرآن کاہنزل لا لفتنا  
قرآن جس طرح نازل کیا گیا اگر اسی طرح پڑھا جاتا تو تم ہمارے نام اس میں موجود پڑتے۔

اسی لڑ تفسیر صافی میں عیاشی سے منقول ہے کہ امام باقر نے فرمایا

لولا انما زید فی القرآن اد نقص ما حق  
اگر قرآن میں کسی زیادتی نہ کی جاتی تو ہمارا حق حقنا علی ذی سببی۔

کسی ذمی عقل سے مخفی نہ رہتا۔

اس تصریح سے یہ ثابت ہوا کہ شیعہ کے نزدیک موجودہ قرآن اصل قرآن نہیں بلکہ تبدیل شدہ ہے۔ یعنی شیعہ تحریرت قرآن کے قائل ہیں اس لیے موجودہ قرآن پران کا ایمان نہ ہونا تعجب کی بات نہیں بلکہ ان کے لیے ایسا عقیدہ رکھنا لازمی ہے ورنہ امامت کے عقیدہ کو اصول دین سے خارج کرنا پڑتا ہے۔

دوسرا جواب یہ دیا گیا کہ امامت ایک راز ہے جس کی اطلاع صرف رسول کریم کو دی گئی اور آپ نے یہ راز صرف حضرت علیؑ کو بتایا جیسے

## اصول کافی ص ۱۷۷

قال ابو جعفر ولہیتہ اللہ اسرہالی

جبرئیل واسرہا جبرئیل الی محمد صلی

اللہ علیہ وسلم واسرہا محمد الی علیؑ

واسرہا علی الی من یشاء نحو انحو

تذیعون ذلک۔

امام باقر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ولایت کا راز جبرئیل کو پوشیدہ بتایا جبرئیل نے یہ راز نبی کریم کو بتایا حضور نے یہ راز حضرت علیؑ کو بتایا۔ پھر حضرت علیؑ نے جسے چاہا بتایا مگر تم لوگ اسے ظاہر کرتے پھرتے ہو۔

ظاہر ہے کہ ایسی راز کی بات قرآن میں کیسے بیان کی جاسکتی تھی۔ اور اگر بیان کی گئی تو اسے باقی کیونکر رکھا جاسکتا تھا۔ قرآن تو ہر مسلمان پڑھتا ہے اس لیے اس راز کے فاش ہونے کا اندیشہ تھا اس لیے ممکن ہے صحابہ نے حضرت علیؑ کے ایما پر ہی اسے قرآن سے خارج کر دیا ہو۔ راز جاری کا اتنا اہتمام کرنے کے باوجود امام باقر کو شیخ سے شکایت ہے کہ اس راز کو پھیلاتے پھرتے ہیں۔

یہ جواب بڑا وزنی معلوم ہوتا ہے مگر ایک مشکل یہ پیدا ہوتی ہے کہ جب امامت ایک راز ہے جس کا ظاہر کرنا جرم ہے تو اسے اصول دین میں کیسے شمار کیا جاسکتا ہے۔ دین تو پھیلا کے لیے بھیجا گیا ہے اور دین کی تبلیغ و اشاعت کا کرنا واجب قرار دیا گیا ہے۔ یہ عجیب الجھن ہے۔ اگر عقیدہ امامت کو چھپائیں تو دین کامل کی تبلیغ نہ ہونی اور اگر ظاہر کریں تو افشائے راز کے جرم ٹھہرے۔ شیعہ نے غدیہ نم اور حدیث قرطاس کے واقعات کو اچھال کر افشائے راز کا جرم پنا قبول کیا۔ خدا جانے کل امام کو کیا منہ دکھائیں گے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اصول دین کے لیے تو دلائل قطعیہ درکار ہوتے ہیں جو بات کسی فرد و احد کے کان میں کہی گئی ہو اور اسے راز میں رکھنے کی تاکید کی گئی ہو۔ اسے اصول دین کس دلیل سے کہہ سکتے ہیں۔

عقیدہ عمل؛ امام اپنی موت کا وقت بانٹتے ہیں اور اپنے اختیار سے مرتے ہیں۔

## اصول کافی ص ۱۷۸

ان الائمة علیہم السلام یعلمون متی | امام اپنی موت کا وقت جانتے ہیں اور اپنے



یسوتون لایوتون الا باختیارہم | اختیار سے موت قبول کرتے ہیں۔

امامت کا مرتبہ واقعی بڑا بلند ہے۔ اگر خدا مارتا چاہے اور امام کو پسند نہ ہو تو خدا مارتا نہیں سکتا۔ اور امام کو جو بات پسند ہو اس کے متبعین کو بھی پسند ہونی چاہیے ورنہ امام اور متبع کی پسند و ناپسندیں تضاد ہو گا اور یہ چیز اتباع اور اطاعت کے منافی ہے تو معلوم ہوا امام حسین کو اپنی موت کا علم تھا اور وہ اپنے اختیار سے مرے ہیں۔ اس لیے کسی کی نبال نہیں تھی کہ ان کے اختیار اور ان کی پسندی رکاوٹ بن سکتا۔ پھر یہ ماتم کس بات کا کیا جاتا ہے۔ ممکن ہے امام کی پسند کے خلاف انتخاب کیا جاتا ہو۔

**عقیدہ ۷:** امام ہر چیز کے متعلق جانتا ہے۔ جس کو آنے والی مصیبت کا علم نہ ہو وہ امام ہی نہیں۔

اصول کافی ص ۱۵

الائمة اذا شاوروا ان يعلموا علما عن  
ابن بصير قال قال ابو عبد الله عليه السلام اتى  
امام لا يعلم ما يصيبه والى ما يصير فليس ذلك  
بحجة الله على خلقه۔

اصول کافی ص ۱۵۹ پر پورا باب موجود ہے۔

امام کو ماضی اور مستقبل کا علم ہوتا ہے اور امام سے دنیا کی کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی۔

اور مختصر بصائر الدرجات علامہ مظہر بن عمر امام جعفر صادق کے متعلق بیان کرتا ہے

امام۔ زمین کے مشرق مغرب خشکی تری کی ہر چیز دیکھتا اور جانتا ہے میں نے کہا قربان جاؤں کیا امام ہاتھ بڑھا کے بغداد سے کوئی چیز پکڑ سکتا ہے فرمایا ہاں بلکہ عراق سے درے تک بھی۔

كان يروق ما في شرق الارض وعزها وبرها  
وبحرها قلت جعلت فداك  
يستناول الامام ما يبعثه  
بيده قال نعم وما دون  
العراق۔

**عقیدہ ۸:** امام مہدی کی شان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ملائکہ مقربین سے بھی بلند ہے۔

مختصر بصائر الدرجات ص ۱۳۳

ويكون جبريل امامه وميكائيل عن  
يمينه واسرافيل عن يساره .....  
والسلامة المقربون حدائمه اول  
من بايعه محمد رسول الله  
عليه وسلم۔

ظہور مہدی کے وقت جبریل آگے آگے ہونگے  
میکائیل دائیں جانب اسرافیل بائیں طرف  
مقرب قشتے ساتھ ہوں گے سب سے پہلے  
محمد رسول اللہ امام مہدی کے ہاتھ پر بیعت  
کریں گے۔

”حق الیقین“ میں ہی یہی بات کہی گئی ہے اول کے کہ باو بیعت کند محمد مصطفیٰ باشد  
ظاہر ہے کہ جس پر یہ کام پیدا امام الانبیاء ہو اس پیر کے رتبے کا کیا پوچھنا۔

**عقیدہ ۹:** بارہویں امام غار سرمن راہی میں چھپ گئے ہیں جب ظاہر ہوں گے تو تمام  
دنیا پر شیعوں کی حکومت ہوگی۔

بارہویں امام کو غائب ہوئے ایک طویل زمانہ گذر چکا ہے اور نہ بانے کتنا عرصہ اور گزار  
جائے گا اس لیے ان کے حالات ذرا تفصیل سے بیان کر دینا مناسب ہو گا۔

شعبہ کا کتا ہے کہ امام حسن عسکری کا بیٹا نرگس خاتون کے بطن سے پیدا ہوا اور اس  
دو برس یا چار برس یا پانچ برس کا تھا کہ یہ بچہ اصل قرآن مجید مصحف فاطمہ کتاب علی  
چمڑے والا تھیلا، عصائے موسیٰ اور خاتم سلیمان وغیرہ تمام نادر اشیاء ایک گٹھڑی میں  
باندھ، بغل میں دباٹے غار سرمن راہی میں چھپ گیا۔

الوارنغمانیر ۱ : ۱۳۳

انہیں امام مہدی کے حاصل کرنے اور اسے  
قتل کرنے کا شوق تھا جب امام حسن عسکری  
کو دفن کر چکے تو بادشاہ اور اس کے خواروں  
کو پریشان ہوئی۔ انہوں نے ہر جگہ اور

وتشوقون الی حصول الثانی عشر لبقولہ...  
ولهذا الماد فن مرادنا الحسن العسکری علیہ  
السلام اضطررنا لسلطان واصحابنا فی طلب لده  
وکترو التفتیش فی المنازل والددرونونفقوا

عن تقسیم میراثہ ولم یزل الذین دکلوا  
 یحفظ الجاریۃ الی تو هموا علیہا الحد  
 ملازمین لہا سنتین او اکثر حتی  
 یتبین بھر بطلان الحد تقسیم میراثہ  
 بین امہ و اخیہ جعفر و ادعت امہ  
 و میتہ و ثبت عند القضاة و السلطان  
 علی ذلك بطلب اثر ولدہ .....  
 وقد کان علیہ السلام مع غیبتہ عن  
 الناس یظہر لخاصتہ و موالیہ و  
 شیعئہ و ینخرج منہ الترویجان فی  
 فنون المسائل و الاحکام و بقی علی  
 هذا الحال سنتین سنتہ حتی  
 اشتد الامر و کثر الطلب علیہ  
 و التفحص عن خواصہ و موالیہ  
 ضحان علی نفسہ و علی خواص  
 شیعئہ و ذلك فی دولۃ الخلیفۃ المعتضد  
 باللہ تغاب۔ هذه الغیبة المعروف الی الان  
 نرجو من اللہ ان یوفقنا لتفصیل اغتابہ

گھر میں امام مہدی کی تلاش کیا اور حسن عسکری کی  
 میراث کی تقسیم میں توقف کیا امام مہدی کی ولادہ  
 پر دو سال تک سخت پرہ رکھا جب انہیں معلوم  
 ہوا کہ وہ حاملہ ہی نہیں ہوئی تھی تو امام کے  
 بھائی جعفر اور اس کی ماں میں میراث تقسیم کر  
 دی امام کی والدہ نے امام کی وصیت کا دعویٰ  
 کیا اور حکومت پر یہ بات واضح ہو گئی۔  
 پھر غائب ہونے کے باوجود امام اپنے خاص  
 دوستوں سے ملتے تھے اور امام کی طرف سے کئی  
 خط اور مسائل و احکام بھی آتے تھے اس  
 حالت میں ۶۰ برس گزر گئے۔ پھر انکی تلاش  
 کا معاملہ شدت اختیار کر گیا ان کے خاص  
 دوستوں اور شیعوں سے سخت تقشیر ہونے  
 لگی یہ معاملہ عباسی خلیفہ معتضد باللہ کے عہد  
 میں پیش آیا۔ پھر امام پوری طرح غائب ہو گئے  
 آج تک یہ غیبت کبڑی ہے ہم اللہ سے امید  
 رکھتے ہیں کہ ہمیں امام کی دلیریز جوئے کا موقع  
 دے گا۔

امام حسن عسکری کی وفات ۲۶۱ھ میں ہوئی۔ زکس خاتون کے متعلق ۲ سال تک تحقیق  
 ہوتی رہی آخر ثابت ہوا کہ ان کو حمل نہیں ہوا۔ یعنی امام حسن عسکری لا ولد فوت ہو گئے۔  
 اگر یہ حقیقت تسلیم کر لی جاتی تو امامت کا معاملہ احوورا رہ جاتا تھا۔ اس لیے یہ طے کر لیا گیا کہ  
 وفات کے دس روز بعد امام کا ۲ سال یا کم و بیش عمر کا بچہ تمام نوڈرات کی گنہگری اٹھا کے گھر سے  
 بنا لیا اور ایک غار میں چھپ گیا۔ یہ مجزاۃ کام ایک امام کے بغیر اور کون کر سکتا ہے۔ پھر گیا وہیں

امام حسن عسکری کی میراث ان کے بھائی اور والدہ میں تقسیم ہوئی امام کے بھائی جعفر نے شہادت  
 دی کہ ان کا بھائی لا ولد فوت ہوا۔ یہ سچی بات کہنے کی وجہ سے شیعا انہیں جعفر کذاب کہتے ہیں۔  
 حکومت کی آستیش، بھائی کی گواہی، والدہ کی شہادت یہ ہے کہ امام حسن عسکری لا ولد  
 فوت ہوئے۔ مگر شیعا کا عقیدہ ہے کہ بچہ ضرور پیدا ہوا۔ اور چھپ گیا۔ کوئی انسانی کوشش  
 آج تک اس نار کا کوئی سراغ نہ لگا سکی نہ امام کو کوئی تلاش کر سکا نہ وہ از خود ظاہر ہوئے۔  
 مگر مقررہ وقت سے پہلے کیونکر ظاہر ہو سکتے ہیں۔

## غیبت کا اجمالی بیان :-

بارھویں امام غائب کیوں ہو گئے؟

- ۱۔ ان العذۃ فی غیبتہ غا الخون من العذ۔
- ۲۔ لو کان طاہرا لم یسعد الا مرافقۃ الطواغیت  
 بسبب التقیۃ الی سئلکھا  
 ۲۱ء۔

امام بقتل ہو جانے کے ڈر سے غائب ہو گئے۔  
 اگر ظاہر ہوتے تو ظالم بادشاہوں کی تقیر کے  
 طور پر بیعت کرنی پڑتی جیسا کہ ان کے آباء  
 اہلاد نے کیا تھا۔

یعنی انہیں اپنے آباء و اجداد کی تقلید گوارا نہ تھی اور تقیر کا ثواب حاصل کرنا بھی پسند  
 نہ تھا۔

- ۳۔ لثلا یكون لاحد فی عنقہ بیعتہ
- ولما وقعت البیعتہ فی عنقہ لویسکدہ  
 لفضہا التقاء علی نفسہ لان لفض البیعتہ  
 عنہا ہوارتداد

خدا کو یہی منظور تھا کہ کسی کی گردن میں امام  
 کی بیعت کا طوق نہ ہو کیونکہ جب وہ کسی کی  
 بیعت لیتے تو تورات نمکس نہ تھا کیونکہ ان کے  
 ہاں بیعت توڑنا مردہ ہونا ہے۔

- ۴۔ ان غیبتہ عن اعدائہ  
 للتقیۃ منہم و غیبتہ ادیانہ  
 للتقیۃ۔

سنیوں سے خوف کی وجہ سے امام غائب  
 ہو گئے اور امام کے دوست بھی تقیر کر کے  
 پوشیدہ ہیں۔

## غیبت صغریٰ اور سفراء

غیبت کے پہلے دور میں جسے غیبت صغریٰ کہتے ہیں امام غائب کے پاس سفیر آتے جاتے رہتے تھے۔ شیعوں کی درخواستیں لے جاتے شیعوں کے لیے امام کی طرف سے پیغام اور احکام لاتے اور شیعیہ حضرات ان سفیروں کی ثواب خدمت کرتے تھے۔ اور انہیں ایسا کرنا چاہیے تھا کیونکہ وہ سفراء امام اور شیعوں کے درمیان واحد واسطہ تھے۔ جب حکومت کو معلوم ہوگا کہ سفارت کا کام ایک منافع بخش تجارت کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ اور یار لوگ سادہ لوح عوام کو ثواب لوثتے ہیں تو چھان بین شروع ہوئی۔ چنانچہ سفراء کا سلسلہ ختم ہو گیا اور غیبت کبریٰ شروع ہو گئی اس کی تفصیل باقر مجلسی کی حقیقی یقین میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

## سفراء کون تھے؟

امام غائب کے سفراء میں چار نام مشہور ہیں۔

- ۱۔ عثمان بن سعید اسدی - ۲۔ ابو جعفر محمد بن عثمان - ۳۔ رئیس ہذا الطائفة الشیخ الذکر
  - ۴۔ فیہ یصلحہ ابو القاسم حسین بن روح
  - ۵۔ سفیر الثالث بین الشیخة والحجة
- اس گروہ کا رئیس جسے اکثر معصوم کہا جاتا ہے ابو القاسم حسین بن روح ہے۔ شیعیہ اور امام غائب کے درمیان تیسرا سفیر ہے۔

افصل الخطاب فی تخریفات کتاب رب الارباب ص ۲۸

۳۔ علی بن محمد سمرقندی۔ اس کی سفارت کا زمانہ نین سال رہا پھر غیبت کبریٰ شروع ہو گئی یعنی امامت کی ابتدا بھی خبر واحد سے ہوئی اور انجام بھی خبر واحد پر ہوا۔ اسی سفارت کے زمانے میں مذہب شیعیہ کی اہم کتابیں لکھی گئیں۔ محمد بن یعقوب کلینی اسی دور کا آدمی ہے اس کی کتاب "کافی" سفراء کے ذریعے امام کے پاس بھیجی گئی اور امام سے تصدیق کرائی گئی۔ اسی کے متعلق امام نے کہا کہ هذا کافی لشیختنا۔

## امام کب ظاہر ہوں گے؟

۱۔ القائم علیہ السلام لن ینظر ابدا حتی یرجرج ودانہ اللہ عزوجل فاذا خرج ظہر۔

امام اس وقت تک ظاہر نہ ہوگا جب تک سفینوں کی پشت سے کوئی شیعہ پیدا ہو نہ ہوگا۔ جب کوئی شیعہ پشت سستی میں نہ رہا تو امام ظاہر ہوگا۔

یہ تو خدا ہی جانتا ہے کہ یہ صورت کب پیدا ہوگی۔ اور یہ شرط نہ جانے کس نے لگائی کیونکہ خدا نے پہلی دفعہ امام کے ظہور کا وقت نشہ مقرر کیا تھا مگر بدلا ہو گیا پھر نشہ مقرر کیا پھر بدلا ہو گیا۔ اب یہ شرط لگا دی تو اچھا ہوا کہ وقت کے تعین سے بار بار اثر مندی نہ اٹھانی پڑے۔ اگر یہ شرط امام نے لگائی تو ظاہر ہے کہ خدا سے ہی معلوم کیا ہوگا۔ بہر حال بدلا سے بچنے کے لیے یہ شرط بڑی مناسب ہے۔

## ۲۔ احتجاج طبرسی ص ۲۲

یجمعہ الیہ من اصحابہ عدۃ بدر ثلثا ثمانا وثلاث رجلا من اقاہی الارض ... فاذا جمعت لہذہ العدۃ من اهل الاخلاص اظہرہ اللہ فاذا اکلہ العقد دھو عشرة الاف رجل خرج باذن اللہ فلا یزال یقتل اعداء اللہ

دنیا کے مختلف حصوں سے جب ۳۱۳ اہل اخلاص شیعہ جمع ہو جائیں گے تو امام کا ظہور ہوگا۔ اور دس ہزار مخلص شیعہ اکٹھے ہو جائیں گے تو امام جہاد شروع کرے گا اور اللہ کے دشمنوں کو قتل کرے گا۔

معلوم ہوا کہ ۳۱۳ کے عدد میں بڑی برکت ہے۔ اصحاب بدر ۳۱۳ تھے انہوں نے اسلام کا بول بالا کیا اور باطل کو نیچا دکھایا گو یا صاحب احتجاج طبرسی کے نزدیک اہل بدر سچے مومن تھے۔ پیران مخلص اہل بدر کو برابر اصحاب کنا انہی تکذیب کرنا ہوا۔

۲۲۰ء میں امام غائب ہو گئے۔ کیا وہ صدیاں گزر گئیں اور ساری دنیا میں آج تک ۱۳ مخلص شیعہ پیدا نہیں ہو سکے ورنہ امام کا ظہور ہو جاتا۔ یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے امام کے مومن میں تو ان کھوں کے بچہ نظر آتے ہیں۔ معلوم ہوا وہ نام کے شیعہ ہیں۔ اور کام کے شیعہ نہیں

ماورد فی الروایات عن صادق علیہ السلام من  
ان اناس من الشیعة كانوا یحرمون علی القائم  
بالیغ وکانوا یقولون ان لك شیعة فی  
العراق لوجلتهم علی احرام الائمة لمشوا  
علیها فقال قائل منهم هذا الکلام وهم  
یمشون فنظر علیہ السلام الی غیبات تدعی  
فقال لو کان اناس الشیعة من یوافقنا  
فی القلب واللسان علی امر الخروج بعد  
هذه الاغنام لخرج القائم لنا فان  
الدراوی فعددتها فاذا مجموعها  
سبعة عشر مشاة -

روایتوں میں امام جعفر سے بولاد ہوا ہے کہ  
شیعہ لوگ امام کو جہاد کی تحریمیں دلاتے تھے اور  
کہتے تھے کہ عراق میں ایسے شیعہ موجود ہیں کہ اگر آپ  
انہیں نیزوں پر چلنے کو کہیں تو ایسا کر گزریں گے۔  
امام راستہ میں پہلے جا رہے تھے جب کہنے والے  
نے یہ بات کہی۔ سامنے بکر بن ہریرہ ہی تھے  
امام نے ان کی طرف دیکھا اور کہا اگر ان بکر بن  
کی تعداد کے مطابق صحیح شیعہ دنیا میں موجود ہوتے  
جو دل اور زبان سے ہماری موافقت کرتے تو  
امام ظاہر ہو جاتا اور ای کتنا سے میں نے بعد  
میں بکر بن ہریرہ تو وہ سترہ تھے۔

امام جعفر کو شکایت رہی کہ انہیں مہر، اشیعہ بھی نہ ملے جن کے دل اور زبان میں  
مطابقت ہو۔ اور اگر، صحیح شیعہ دنیا میں پائے جاتے تو امام ظاہر ہو جاتا۔ لویا امام اس  
وقت ظاہر ہوگا جب پورے کرہ ارض میں، اشیعہ پائے جائیں گے۔ یہ بات بڑی عجیب  
معلوم ہوتی ہے محرم میں تو سیاہ پوش فوج کا شمار ہی نہیں کیا جاسکتا تو کیا یہ سارے تقیرہ ہی  
کر رہے ہوتے ہیں ان کی زبان پر جو کچھ ہوتا ہے دل میں وہ نہیں ہوتا۔

## ۴ - اصول کافی ص ۱۱۱

لو اوجد منکم ثلاثہ مؤمنین یکتفون  
حدیثی ما احللت ان اکتفوا  
حدیثی -

امام جعفر نے فرمایا اگر تین صحیح شیعہ مجھے مل  
جاتے جو میری حدیث کو چسپا رکھتے تو میں  
کوئی حدیث نہ چسپاتا۔

معلوم ہوا کہ امام جعفر کو عمر بھر تین صحیح شیعہ نہ ملے جو ان کی بات دل میں رکھ سکتے۔  
اس لیے امام نے اپنی حدیثیں بیان نہیں کیں کیونکہ صحیح آدمی کوئی نہ ملا۔ مگر امام نے منسوب

حدیثوں کا ایک بڑا ذخیرہ جو شیعوں میں متداول ہے وہ کہاں سے آگیا؟ امام کو تو اپنی حدیث  
سنانے کی حسرت ہی رہی اور یار لوگوں نے امام کی حدیثوں کا دریا بہا دیا۔ پلو اگر امام نے کوئی  
حدیث بیان کر بھی دی تو وہ چسپا رکھنے کے لیے تھی۔ اسے ظاہر کر کے امام سے بغاوت کرنے  
کا کیا فائدہ ہوا۔

## ۵ - انوار نعمانیہ ص ۱۵۶

وہم دای شیعتہ لایجدوا یظہروا رقتنا ہم یصبحون  
وہم فابین یدہ ہم ثلاثہ و ثلاثہ عشر رجلا بعد  
اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم بدر -

شیعہ ہمارے امام کے ظہور کو نہیں چاہتے  
اگر وہ اصحاب بدر کی تعداد کے مطابق ہو  
جانتے تو امام کے سامنے کھڑے ہوتے۔

معلوم ہوا کہ ۳۱۳ کے عدد کو باطل کے دہانے سے خاص تعلق ہے بشرطیکہ مخلص اور  
سچے مومن ہو جیسے اصحاب بدر ابو بکر، عمر، عثمان اور دوسرے صحابہ سچے اور مخلص ہوتے۔  
انوار نعمانیہ کی مذکورہ روایت کے ساتھ آگے ذکر ہے

قال المفضل فالاشان سبعون رجلا الذین لولوا  
مع الحسین یظہرون معہ قال لیس ہرون معہ  
وہیہو الحسین فی اثنا عشر الذ من المؤمنین  
من شیعتہ علی علیہ السلام -

مفضل نے کہا اصحاب حسین کی تعداد کے  
برابر ۷۰ شیعہ ہو جاتے تو امام ظاہر ہو جاتا  
امام نے کہا کہ ہاں مع حسین ہوں گے اور  
۱۲ ہزار شیعہ ہوں گے۔

اس روایت سے ظاہر ہے کہ امام کا ساتھ دینے والے ۷۰ ہی ہو جاتے تو خواہ  
باطل دہ نہ سکتا مگر ان کا جوش جہاد اور شہادت تو بروئے کار آتا۔  
ان روایات سے ظاہر ہے کہ امام کے ظاہر ہونے کے لیے کبھی ۳۱۳ شیعہ کا دنیا میں  
موجود ہونا شرط قرار پایا کبھی، کبھی تین کبھی ۷۰، مگر ایک شرط ایسی رکھ دی جس کا علم اللہ تعالیٰ  
کے بغیر کسی کو نہیں ہو سکتا لہذا کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ امام کب ظاہر ہوں گے۔

امام ظاہر ہو کر کیا کارہانے نمایاں انجام دیں گے؟ اس کی حقیقت سمجھنے کے لیے  
غشیہ علا مسئلہ رجعت بدین ضروریات دین سے ہے اس کا منکر مذہب شیعہ سے خارج ہے۔  
مسئلہ رجعت کیا ہے؟ حق الیقین میں ملا باقر مجلسی نے تفصیل سے اس کا ذکر کیا

ہے اجمال طور پر بیان کیا جاتا ہے :-

- ۱ - قیامت سے پہلے امام مہدی کے زمانہ میں ایک قیامت آنے کی ہمت آدم سے لیکر اس وقت تک کے تمام مردہ انسان زندہ کئے جائیں گے۔ جنات کو بھی زندہ کیا جائے گا انبیاء سمیت تمام انسانوں اور جنوں کے بادشاہ امام مہدی ہوں گے۔
- ۲ - دنیا کی عمر ایک لاکھ برس ہے ۲۰ ہزار برس دوسروں کی حکومت ہوگی پھر ظہور مہدی سے لے کر ۸۰ ہزار برس تک شیعیہ کی حکومت ہوگی۔
- زمانہ رجعت کا نقشہ :- شیعوں کی حالت -

۱ - انوار نعمانیہ ۱ : ۱۴۳

اذا قام القائم بحث الله الى كل قبر من قبور المؤمنين صدقنا هذا امامك قد ظهر فان اردت ان تجي وتلقي به و ان اردت ان تبقى في النعيم الى يوم القيامة في مكانك -

جب امام مہدی ظاہر ہوں گے اللہ تعالیٰ ہر شیعیہ کی قبر پر ایک فرشتہ بھیجے گا وہ کہے گا کہ امام ظاہر ہو گیا۔ اے شیعیہ اگر تو زندہ ہونا چاہتا ہے تو زندہ ہو کر امام کے پاس آ جا اور اگر چاہتا ہے تو قیامت تک جنت میں پیش کر۔

یعنی زمانہ رجعت میں مردہ شیعوں کا زندہ ہونا ان کی مرضی پر موقوف ہو گا البتہ فرشتہ بھیج کر اتمام حجت کر دیا جائے گا کہ کسی کو گلہ نہ رہے۔

۲ - انوار نعمانیہ ص ۱۴۰

و يدفع الله تعالى عنهم (شيعة) الضعف والكتل والبلاء والامراض -

شیعیہ پر نہ بڑھایا آئے گا نہ کمزوری نہ کوئی مصیبت آئے گی بیماری۔

تاکہ صدیوں کے طویل مصائب کی تلافی ہو سکے۔

۳ - انوار نعمانیہ ص ۱۴۲

ينور الله سبحانه اسماعهم و ابصارهم حتى انهم اذا كانوا في بلاد و المهدى في بلاد اخرى يكون لهم من السمع والبصر ما يريدون يشاهدونه

زمانہ رجعت میں شیعوں کی قوت سامعہ اور باصراحتی تیز کر دی جائے گی کہ اگر شیعیہ ایک شہر میں ہو گا اور امام دوسرے ملک میں تو شیعیہ

وانوار و مبصرين حلال و حرام و منكم صنف و ينكلمون معه -

امام کو دیکھیں گے اس ک کلام سن لیں گے اس سے آزادی سے بات پریت کر سکیں گے۔

م - وينور الارض بنور و نرفعه الظلمة ولا يحتاج الناس الى الشمس و القمر و يعمر كل واحد المرمنين الف سنة يولد في كل سنة ذكر مت

یعنی شیعہ کو زمینوں، ٹیلیوژن اور وائرلیس کی محتاجی نہ ہوگی زمین امام کے نور سے روشن ہو جائے گی سورج چاند کی محتاجی نہ ہوگی ہر شیعہ کی عمر ہزار سال ہوگی اور اس کے ہاں ہر سال ایک لڑکا پیدا ہوگا۔

یعنی کثرت آبادی کوئی پریشان کن مسئلہ نہ ہوگا۔ خاندانی منصوبہ بندی کی ضرورت نہ ہوگی البتہ مردوں کی کثرت ہو جائے گی اور عورت ڈھونڈنے نہ ملے گی۔ خدا جانے جنسی داعیہ کی تسکین کی صورت کیا ہوگی۔

۵ - و يظهر الله تعالى من مسجد تكوفة عينا من دهن و عينا من ماء و عينا من لبن -

اور اللہ تعالیٰ شیعوں کے لیے مسجد کوفہ سے ایک پتھر لگی کا ایک پانی کا اور ایک دودھ کا بہا دے گا۔

اس نعمت کے لیے کوفہ کے مقام ہوا انتخاب شاید اس بنا پر ہو گا کہ کوفہ کے شیعوں نے امام کو گھر بلا کر پیا سا شہید کیا تھا اس لیے وہی ان نعمتوں کا مرکز بننے کے مستحق ہیں۔

۶ - و يوتي طعامهم و شرابهم من الجنة و ياكل الشيعة ثمار الشتاء في الصيف و ثمر الصيف في الشتاء -

شیعوں کے لیے کھانے پینے کی چیزیں جنت سے آئیں گی اور سردیوں کے پھل گرمیوں میں اور گرمیوں کے پھل سردیوں میں کھائیں گے۔

بھیمی تو کثرت آبادی سے پریشانی نہ ہوگی ورنہ راشن سسٹم اور کنٹرول سسٹم کے ضرورت پڑتی مگر خدا جانے بے موسم پھل کھانے کی عادت کا فلسفہ کیا ہے۔

۷ - ص ۱۴۲

و سبق احد من الشيعة الا ان الله سبحانه يلازمه عليه ملكا

اللہ تعالیٰ ہر شیعہ کی خدمت کے لیے ایک فرشتہ مقرر کرے گا جو اس کے چہرے پر سے گرد و غبار

يسجد الغبار عن وجهه ويطلع على مكانه من الجنة.  
صاف کرے گا اور بنت میں اس سے سکانے کی پیر کرائے گا۔

کھانا پینا جنیت سے آنے گا و وہ گھسی اور پانی کے پیتے اہل ربے ہوں گے چہرہ جانے ان کے چہروں پر گمرد و غبار کماں سے آنے گا ممکن ہے چہرہ پر مٹی لگتے رہنا ان کی بانی ہو۔  
ظاہر ہے کہ شیعوں کے لیے یہ پھری زمانہ ہو گا اس لیے مسند رجعت پر یقین نہ رکھنا ان تمام نعمتوں اور عظمتوں سے محروم ہو جانا ہے۔

## زمانہ رجعت میں غیر شیعہ اور سنیوں کی حالت :-

۸ - انوار نمانیہ ۱ : ۱۶۱ -

و یجی عائشۃ و یعذبہا - پھر امام مہدی م الامونین مانثہ کو زندہ کرے گا اور انہیں عذاب دے گا۔

قرآن نے حضور اکرم کی ازواج مطہرات کو حضور کی امت کے لوگوں کی مائیں کہا ہے اگر امام مہدی حضور کی امت میں سے ہوں گے تو ظاہر ہے کہ اپنی ماں سے وہ سلوک کریں گے جسے کوئی شریف آدمی پسند نہیں کرتا بلکہ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اور اگر حضور کی امت سے خارج ہوں گے تو آزاد ہیں۔

۹ - بہار ص ۲۱۳

لوقد قام قائمنا لقد ساد اليه الحميرا حتى يجلدها الحد حتى ينشق نزينة محمد -  
جب امام مہدی ظاہر ہوں گے تو حضرت عائشہ کو ان کے پیر کر دیا جائے گا حتیٰ کماں پر حد جاری رہے گا اور حضرت فاطمہ کا بدلہ لے گا۔

۱۰ - انوار نمانیہ ص ۱۵۳

فيا مر بعد ثلاثة ايام ويحفر قبر حماد بن محمد فبعضها طريان كصور كما في الدنيا فيكشف عنهما الكفانهما ويمر بهما على دوحه  
پھر تین دن کے بعد امام مہدی حکم دے گا ابو بکر و عمر کی قبریں کھود کر باہر نکالا جائے۔ وہ باہر نکالے گا تو ان کے جسم تر و تازہ ہوں گے جیسے

دنیا میں تھے۔ ان کے کفن اتارنے کا پھر ایک خشک درخت پائیں لٹکانے کا پھر حکم دے گا انہیں روزانہ ایک ہزار بار قتل کیا جائے پھر انہیں شدید عذاب دے گا۔ پھر آگ کو حکم دے گا زمین سے نکلے گی انہیں بلا دے گی پھر ہوا کو حکم دے گا ان کی راکھ کو اڑا کر سمندر میں پھینک دے گی۔

يا بسۃ نخرة فصلبهما... ثم يا مرهم فبقتلان في كل يوم و ليلة الف قتله و يردان الى اشد العذاب و يا مر سارا تخرج من الارض تحرفهما والشجرة نحو يا مر ربحا فتسفهما في اليم سفا.

یعنی جن جسموں کو ہزاروں برس تک مٹی میں پڑنے رہنے کے باوجود محفوظ رکھا گیا کیونکہ اہل اللہ کے جسم کو مٹی خراب نہیں کر سکتی ان کے ساتھ وہ سلوک کیا جائے گا انسانی اور شرافت کھڑی قائم کر رہی ہوگی۔

۱۱ - انوار نمانیہ ص ۱۳۳

آیت ستمہ الخ کی تفسیر یہ ہے کہ زمانہ رجعت میں حضرت علی اپنے دشمنوں یعنی سنیوں اور اصحاب رسول کے چہروں ناک اور ہونٹوں پر داغ دیں گے جیسے جانوروں کو داغاجا تا ہے

وفي تفسير قوله تعالى سنمى على الخطوم قال في الدرجة امير المؤمنين عبد السلام ويرجع اعداءه فيسبهم كما توسم البها نحو على الخطوم۔

۱۲ - انوار نمانیہ ص ۱۳۵

آیت فان لہ الخ کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ زمانہ رجعت میں سنیوں کی غذا شیعوں کا پانہا نہ ہوگا۔

وفي تفسير قوله تعالى فان له مبيشة ضنكا۔ ان تادبها في الصواب... ان يكون طعامهم في الدرجة العذرة۔

حق یقین ص ۱۳۹ اور بہار الدرجات ص ۱۳۹ پر یہی ہے کہ سنیوں کی غذا گندگی اور پیشاب ہوگا۔

زمانہ رجعت میں امام کے انقلابی کام :-

۱ - انوار نمانیہ ۱ : ۱۵۷

وَيُوجِبُ إِلَى الْمَدِينَةِ وَقَالَ الْمَفْضَلُ مَا  
يَصْنَعُ بِالْكَعْبَةِ فَقَالَ إِنَّهُ يَهْدُمُ  
هَذَا الْبَيْتَ -

پھر امام تعمیری کام کی طرف متوجہ ہوگا مفضل  
نے کہا کہ کعبہ سے کیا سلوک کرے گا۔ فرمایا  
اس گھر کو مٹا دے گا۔

کیونکہ یہ مسلمانوں کا مرکز ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ  
جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِلنَّاسِ - اور امام اپنے تعمیری کام کی بسم اللہ  
اس گھر کو مٹانے سے نہ کرے تو اس کے ثبوت کا فائدہ کیا ہوگا۔

۲۔ وَكَذَلِكَ يَهْدُمُ جَمِيعَ مَسَاجِدِ الظَّالِمِينَ فِي  
كُلِّ اَقْلَامٍ وَيَهْدُمُ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ وَمَسْجِدَ  
سُورَةِ اللَّهِ -  
اسی طرح دنیا کی تمام مساجد جو سنیوں نے  
بنائی ہیں انہیں گرا دے گا اور کعبہ اور  
مسجد نبوی کو منہدم کر دے گا۔

۳۔ وَيُخْرِجُ الْقُرْآنَ الَّذِي الْفِءُ امِيرَ الْمُؤْمِنِينَ  
وَلَوْ يَعْمَلُ بِهِ الْاِسْتِقْبَاءُ وَيَعْمَلُ بِذَلِكَ  
الْقُرْآنَ وَذَالَ امِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَيْهِ السَّلَامُ  
كَافِي النَّظَرِ إِلَى الشَّيْخَةِ قَدْ بَنَوْا الْحَيَامَ  
بِمَسْجِدِ الْكُوفَةِ وَحَلَسُوا يَعْلَمُونَ  
الْقُرْآنَ يَهْدُمُ لِلنَّاسِ -  
پھر امام وہ قرآن نکالے گا جو حضرت علی  
نے تالیف کیا تھا اور بدعتوں نے اس  
پر عمل نہ کیا تھا اس نئے قرآن پر عمل ہوگا  
اور امیر المؤمنین نے کہا یوں لگتا ہے جیسے  
میں دیکھ رہا ہوں مسجد کوفہ میں شیعہ بیٹھے  
نئے قرآن کی تعلیم دے رہے ہیں۔

۱۔ امام اپنے تعمیری کام کی ابتدا کعبہ اور مسجدیں گرانے سے کرے گا۔ مسجد بنانے کا  
ذکر نہیں۔

۲۔ اسلام کا مرکز مکہ اور مدینہ ہے امام کا مرکز کوفہ ہوگا۔ کیونکہ کربلا کے میدان میں  
شیعوں نے جو خدمات انجام دی ہیں ان کا صلہ ملنا چاہیے۔

۳۔ استقبائے اس نئے قرآن پر عمل نہیں کیا تھا۔ مگر سوال پیدا ہوتا ہے  
۱۔ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نئے قرآن پر عمل کیا تھا؟

ج۔ کیا حضرت علی نے اس نئے قرآن پر عمل کیا تھا؟  
ج۔ کیا اہل بیت نے اس پر عمل کیا تھا؟

۱۔ کیا دیگر ائمہ نے اس پر عمل کیا تھا؟  
ان سوالوں کا جواب ”نہیں“ کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔  
تو پھر استقبائے کس کو کہا گیا ہے؟

۴۔ رجال شنی ص ۲۹ اور بصائر الدرجات ص ۲۱۳

ثم يقوم بامر جديد وكتاب جديد وسنة  
جديدة وقضاء جديد على العرب شديد ليس  
شانه الا انقلد ولا يستتب -

رکتی) فلو قد قام قاتمتا وتحكوا  
منكلمنا نوا سنألف بكم تعليم  
القران وشرائع الدين والاحكام والفرائض  
كما انزل الله تعالى على محمد صلى الله عليه وسلم

امام - نیا اسلام نیا قرآن نئی سنت نئے احکام  
لائے گا عربوں کو سخت سزا دی جائے تو قتل سے  
کم نہ ہوگی ان کی توبہ قبول نہ ہوگی۔  
پھر ہمارا امام قائم ہوگا منکلم کلام کرے گا۔  
از سر نو قرآن کی تعلیم ہوگی شریعت اور احکام  
کی تعلیم اس طرح ہوگی جس شکل میں محمد صلی اللہ  
علیہ وسلم پر نازل ہوئے۔

یہ کام تو بلاشبہ مہتمم بالشان اور تعمیری نوعیت کے ہیں مگر تعجب اس بات پر ہے کہ جس  
ہستی پر قرآن نازل ہوا۔ جس آخری نبی کو آخری شریعت دی گئی اس نے سب کچھ چھپانے  
رکھا اور امام اسے ظاہر کرے گا تو اس پر قرآن نازل کرنے کی ضرورت کیا تھی کیوں نہ امام پر  
ہی نازل کیا جاتا۔

### حکومت ائمہ :-

انوار نعمانیہ ص ۱۴۳

روی ابن طاووس ان عمر الدنیا مائة  
الف سنة يكون منها عشرون الف  
سنة ملك جميع اهل الدنيا ويكون ثمانون الف  
سنة منها مائة ملك ال محمد -

ابن طاووس لوقایت کرتا ہے کہ دنیا کی عمر ایک  
لاکھ برس ہے ۲۰ ہزار برس تک دنیا کے  
دوسرے بادشاہوں کی حکومت ہوگی اور  
۸۰ ہزار برس آل محمد کی حکومت ہوگی۔

انوار نعمانیہ ص ۱۴۳

وملكها امير المؤمنين عليه السلام اربعة  
واربعين الف عام

(۴۴ ہزار میں سے) ۴۴ ہزار سال حضرت علی  
کی حکومت ہوگی۔

حق الیقین میں ملا باقر مجلسی نے کہا ہے کہ امام مہدی کی حکومت صرف ۲۹ برس ہوگی۔  
پھر امام حسین کی حکومت ۲۰۹ برس (ص ۲۵)  
اور مختصر بھائر الدرجات ص ۱۸ پر ہے امام حسین کی حکومت ۴۰ برس ہوگی۔

## امام مہدی کی فتوحات اور انبیاء کا تعاون :-

بھائر الدرجات ص ۲۱۳

ويفتح الله له الروم والصين والبربر والديلم  
والسند والهند وكابل والخرزبار

الوارثان ص ۱۶۲

وكذا نصرة الانبياء عليهم الصلوة والسلام فلم  
تحصل بعد لا فم ما تواتر ما هي بعد ههنا  
سبب روفى في زمان رجعتى ويكون لى ملكا بين  
المشرق والمغرب يخرج الله نصرته فى الانبياء من  
ادم الى محمد يجاهدون معى ويقتلون  
بسبب فخر الكفار الاحياء والاموات  
الذين يحييهم الله ..... وانا الذى  
اظهر اخر الزمان ومعى عصاء موسى و  
خاتم سليمان اضعه فى وجه  
المؤمن والكافر فينقش  
فيه هذا مؤمن  
وهذا كافر

امام مہدی روم، چین، ترکی، ولیم، سندھ  
ہند، کابل اور خزریا کو فتح کریں گے۔

ای طرح تمام انبیاء میری (امام مہدی) امداد  
کریں گے کیونکہ وہ میری امامت سے پہلے فوت  
ہو گئے اور میری مدد کا موقع نہ مل سکا میری  
حکومت مشرق و مغرب تک پہنچے گا اللہ تعالیٰ  
میری امداد کے لیے حضرت آدم سے لیکر حضرت  
محمد تک تمام انبیاء کو قبروں سے نکالے گا وہ  
میری قیادت میں تلواروں سے جہاد کریں گے۔  
تمام مردہ کفار کو اللہ تعالیٰ زندہ کرے گا اور  
یہ انہیں قتل کریں گے۔ میں آخری زمانہ میں  
ظاہر ہوں گا میرے پاس عصائے موسیٰ اور  
ناتم سلیمان ہوگی میں یہ انگوٹھی برہنہ کے چہرہ  
پر رکھوں گا اس پر لکھا جائیگا یہ مومن ہے یہ کافر ہے

۱۔ یعنی زمانہ رجعت میں مراتب کی ترتیب بنت ہائے نبی۔ نام مہدی سالار لشکر ہوئے  
اور انبیاء ان کی قیادت کریں گے۔ نیکوں کے لیے وقت انبیاء یہ متاثر نہ کریں ہم نبی نہ  
ہوتے امام ہوتے۔

## حضرت علی کی قیادت میں ایک نہ فناک جنگ :-

الوارثان ص ۱۶۲

فقال الراوى لم لا مير المؤمنين من رجعت  
فقال ان له رجعات ورجعات وما من امام  
فى عصر من الاعصار الا يرجع ويرجع معه  
المؤمنين فى زمانه والكافرون فيه حتى  
يتنزل اولئك المؤمنون على اولئك الكافرين  
فينقمون منهم فاذا جاء الوقت المعلوم ظهر  
امير المؤمنين مع اصحابه وظهر الشيطان  
مع اصحابه فيتلاقى العسكران على  
الفرات فى مكان اسمه رجعت قريب  
الكوخه فيقع بينهم حرب لحو  
يقع فى الدنيا من اولها و آخرها  
وكافى ارى اصحاب امير المؤمنين  
قد جمعوا منه زمين حتى  
تقع ارجلهم فى الفرات فعند  
ذلك يرسل الله سبحانه ملاءة  
من الملائكة يتقدمها النبى صلى  
الله عليه وسلم ويده حربته من

راوى نے امام بعض سے پوچھا حضرت علی کی  
کتنی رجعتیں ہوں گی فرمایا ان کی کئی رجعتیں  
ہوں گی۔ ہر امام رجعت کرے گا اس کیساتھ  
اس کے زمانہ کے مومن اور کافر بھی رجعت  
کریں گے مومنین کو ظلم ہوگا کافروں سے  
انتقام لیں گے۔ جب وقت مقرر آئے گا۔  
حضرت علی اپنے اصحاب سمیت رجعت  
کریں گے اور شیطان اپنے ساتھیوں کا  
لشکر لے کر میدان میں آجائے گا دہرائے  
فرات کے کنارے کو فہ کے قریب رجعت  
کے مقام پر جنگ ہوگی۔ ایسی جنگ دنیا  
دنیا کی تاریخ میں کبھی نہیں ہوئی اور میں  
دیکھ رہا ہوں کہ حضرت علی کی فوج شکست  
لکھا کبھی جا رہی ہے حتیٰ کہ وہاں میں عتق ہو  
رہے ہیں پھر اللہ تعالیٰ ایک بادل بھیجے گا جو  
فرشتوں سے پڑ ہوگا آگے آگے نبی کریم ہوں  
گے ان کے ہاتھ میں نور کا نیزہ ہوگا شیطان



نور فاذا نظر الشيطان اليه ادبر  
فيقول له اصحابه الى اين تضر  
دلت النظر فيقول اني اري مالا  
تدرون اني اخاف من عقاب رب  
العلمين فيصل النبي ويضربه ضربة  
بالحرية بين كنفه منه فيهلك  
بتلك الضربة هومح صبيح عساكره  
فعدت ذلك بعد الله على الاحلاس  
ديرتفع الاذواء وبلدت معدن توسين  
الديما اربعين الف سنة ديولك  
شيعه الف ولد من  
صلبه -

اس روایت سے کئی قیمتی معلومات حاصل ہوتی ہیں

(۱) حضرت علیؑ کوئی بار رجعت کریں گے۔ اس عقیدہ اور ہندوؤں کے عقیدہ تنازع میں کوئی فرق نہیں۔

(۲) حضرت علیؑ کی قیادت میں شیعہ کی جنگ شیطان سے ہوگی۔ حضرت علیؑ شکست کھا جائیں گے تو کیا حضرت علیؑ کو مرت اس لیے زندہ لیا جائے گا کہ دنیا دیکھ لے شیطان سے شکست کھا گئے ہیں۔

(۳) فوج شیعہ میں دنیا بھر کے اولین و آخرین شیعہ ہوں گے مگر ایسے بزدل کہ بھاگ جائیں گے بلکہ ڈوب مر سکیں گے۔ یہ معلوم نہیں کہ ڈر کے مار سے یا شرم کے مارے۔

(۴) اللہ و رسولؐ خدا نے بتایا ہے کہ شیطان کو شکست دینے کا مستحکم اللہ کا ذکر ہے۔ اعوذ پڑھو لا حول پڑھو شیطان بھاگ جاتا ہے مگر شیعہ کا بھاگ جانا شاید اس وجہ سے ہو کہ اللہ سے اس کا تعلق تو ہے کیا ہوگا

۵۔ جب رسولؐ نے نبی شیطان فوج کو تباہ کرنا تو شعیوں کے سامنے حضرت علیؑ کو شیطان سے شکست دلانے کی کیا فتنہ ورت ہوگی۔

(۶) حضرت علیؑ کے ماتم تمام انبیاء کا جنگ کرتا۔ انبیاء کی توہین معلوم ہوتی ہے۔

### ایک پہیلی

۱۔ انوار نعمانیہ کی روایت گزر چکی ہے کہ امام مہدیؑ آخر الزمان سے کہے

۲۔ بصائر الدرجات ص ۳۹

ثم يكون من بعده ابي بعد الامام

امهدي اثني عشر مهديا فاذا حضرت

الوفاة فيسلمها الى ابندول المهديين

له ثلاثة اسماء اسم كاسمي واسم ابني

وهو عبد الله واحمد والاسم

الثالث المهدي وهو اول

المؤمنين

امام مہدی کے بعد ۱۲ مہدی اور ہوں گے  
جب مہدی کی وفات کا وقت آئے گا ان  
مہدوں میں سے پہلے مہدی کو حکومت ہوگی  
دے گا۔ اس کے تین نام ہوں گے ایک میرا  
نام اور میرے باپ کا نام بعد اللہ کی طرح۔  
دوسرا احمد اور تیسرا مہدی اور وہ پہلا مؤمن  
ہوگا۔

یعنی مہدی آخر الزمان کے بعد ۱۲ مہدی اور ہوں گے۔ کل ۱۲ مہدی ہونے۔

ان بارہ مہدوں میں سے پہلا مہدی پہلا مسلمان ہوگا۔ پھر مہدی آخر الزمان کیا ہوں گے۔

۳۔ بصائر الدرجات ص ۳۹

قال يا ابا حمزة ان من بعدنا لقاؤ

احد عشر مهديا من ولد

الحسين عليه السلام

امام جعفر فرماتے ہیں اے ابو حمزہ ہم سے امام مہدی  
کے بعد گیارہ مہدی ہوں گے جو امام حسین کی  
اولاد میں سے ہوں گے۔

یعنی مہدی آخر الزمان کے بعد ۱۱ مہدی ہوں گے کل بارہ مہدی ہونے۔

۴۔ انوار نعمانیہ ۱: ۱۶۲

الحسين يولد في الدنيا كحدود اعداد

امام مہدی کی ولادت سے بعد بارہ مہدی ہوں گے۔

تَلْمَاةُ سَنَةِ دَسْعِ سَنِينَ فَاذَا تَوَدَّى الْحَبَّ طَهْرًا  
 اُمِّهِ لَوْ مَنِينٍ حَتَّى يَكُونَ حَوْمَةً دَوْلَةً

ان پر روایات کا نسخہ یہ ہوا :-  
 ۱۔ ممدی بارھواں امام آخر الزمان ہوگا۔  
 ۲۔ ممدی کے بعد بارہ ممدی اور ہوں گے۔  
 ۳۔ ان بارہ ممدیوں میں سے چھ ممدیوں کا نام ممدی بن ہوگا۔  
 ۴۔ ممدی کے بعد بارہ ممدی ہوں گے۔  
 ۵۔ ممدی کے بعد بارہ ممدی حکومت ہوں گی۔  
 ۶۔ امام مین کے بعد ممدی ممدی حکومت ہوں گی۔  
 یہ ذکر نہیں کہ ممدی کے بعد بارہ ممدی ہی امام ہوں گے۔ بظاہر تو یہی قرآن سے  
 اس طرح امام بارہ نہ ہونے چھو بیس ہو گئے۔

وَسَدَّ نَمْتِ التَّمْرِ الْجَزَائِرِيَّ الْبَيْكِ وَالرَّجْمِ الْبَيْدَا كَرُغْتَيْهِ  
 دنی اعلیٰ لوری دجاوت الدونۃ الصبیحۃ  
 بعد کسی کی حکومت نہ ہوگی اور امام ممدی  
 قیامت سے صرف ۴ روز پہلے فوت ہوں گے۔  
 ن لعا علیہ سلام من یحیی من الدنیا  
 ترقب يوم لقیامہ - رعبین - ما

انوار قمانیہ ۱: ۱۶۳ پر ایک روایت درج ہے کہ سب سے آخر حضرت علیؑ کے  
 وفات ہوگی۔ ان میں سے جس کو بھی آخر میں وفات پانے والا تسلیم کیا جائے حضور  
 کے اس فرمان کا کوئی جواب نہیں بن پڑتا کہ تقویم الساعۃ علی اشرار الناس  
 ہر جہت سے درپیشانہ والی بات ہے۔ نہ جانے اس کا صل کیا ہے۔

### روایات رجعت کے راویوں پر بحث :-

سدر زمیت سے متعلق روایات مختلف راویوں سے مروی ہیں ان کی ثقافت

اور عدالت کا جائزہ لینا اس مسئلہ کی حقیقت سمجھنے میں مدد دے گا۔

۱۔ پہلا راوی عبد اللہ بن سبا ہے۔ جس کے متعلق گذشتہ اوراق میں بیان کیا جا چکا ہے  
 کہ منافقانہ ایمان لایا تھا۔ دراصل یہودی تھا۔ منکر کرتا تھا۔ حضرت علیؑ کو خدا کرتا تھا۔  
 اسی قول کی وجہ سے حضرت علیؑ نے اس کی جلا وطنی کا حکم دیا تھا۔  
 ۲۔ دوسرا راوی مفضل بن عمر کوئی ہے اس کے متعلق رجال کشی ص ۲۲

عز حید بن عثمان قال سمعت ابا عبد الله عليه  
 السلام يقول للمفضل بن عمر الجعفی یا کافر یا مشرک  
 اور ص ۲۲ پر ہے  
 لعنة الله وبری منه قالا  
 اتلعنه قال نعم فالعناہ  
 وابریا منه بری الله  
 ورسولہ۔

عہاد کتا ہے کہ میں نے امام جعفر سے سنا وہ  
 مفضل کو کہتے تھے اے کافر! اے مشرک!  
 اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ راوی کہنے لگے آپ  
 اس پر لعنت کرتے ہیں۔ فرمایا ہاں ہم اس  
 پر لعنت کرتے ہیں ہم اس سے بیزار ہیں اللہ  
 اور رسول اس سے بیزار ہیں۔

رجعت کی ۹ روایات کا راوی یہی ہے جے امام جعفر نے مشرک، کافر اور ملعون  
 فرمایا۔

(۴) تیسرا راوی جابر جعفی ہے امام باقر سے اس کی ملاقات زندگی بھر میں صرف ایک  
 بار ہوئی اور امام جعفر سے اس کی ملاقات مطلق نہیں ہوئی مگر امام باقر سے اس  
 نے ۶۰ ہزار حدیث بیان کی۔

### رجال کشی ص ۱۲۵

عن جابر بن یزید الجعفی قال حدثنی  
 ابو جعفر علیہ السلام نسبی عن الفحاحیث لم  
 احدھا احد اقط ولا احد احدث احد ابداء۔

جابر بن یزید جعفی کتا ہے کہ امام باقر نے  
 ۶۰ ہزار حدیث مجھ سے بیان کی میں نے کسی کو  
 نہیں بتائی نہ بتاؤں گا۔

### اور ص ۱۲۶

عن زرارة بن اعین قال سألت ابا

زارہ کتا ہے میں نے امام جعفر سے جابر بن

عبد اللہ علیہ السلام عن احادیث  
جابر فقال ما رايتہ عند ان قطا الا  
مرة واحدة وما دخل على قطر -

یزید کی حدیثوں کے متعلق پوچھا فرمایا کہ میں  
نے تو بابر کو دیکھا ہی نہیں میرے والد کے  
پاس ایک مرتبہ حاضر ہوا تھا۔

جس شخص نے ایک ملاقات کا یہ فائدہ اٹھایا کہ، ہزار حدیث روایت کر ڈالی  
اس کے سچا ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

ان تینوں راویوں نے رجعت کا عقیدہ تیار کیا جس میں اتنی پیچیدگیاں ہیں کہ  
خود علمائے شیعہ اس گنتی کو سلجھانے سے عاجز آگئے ہیں مگر اس کے باوجود یہ عقیدہ ضروریات  
دین میں شمار ہوتا ہے جو عقیدہ ایسے تین راویوں کی روایات کی بنا پر ضروریات دین  
میں شمار ہوا جن کو امام نے مشرک کافر اور ملعون وغیرہ فرمایا تو اس دین کا کیا کتا جس  
کی ضروریات ایسا عقیدہ ہو۔

## مسئلہ رجعت اور علمائے شیعہ:-

الوارنجانہ ۱: ۱۴۵

اقل الحق ان الاخبار الواردة في  
باب الرجعة مختلفة جدا مع  
كثرتها فمن جملة اختلافها  
تدتيب ملك الائمة وكيفية حكمهم  
في الدنيا اهر على طريق الاجتماع  
اهر على طريق الافراد -

علامہ دلداری علی مجتہد فرماتے ہیں:-  
اساس الامور معك طبع لکنؤ۔

الاحاديث الماثورة عن الائمة مختلفة جدا الابداد  
يوجد حديث الاوقى مقابلة حديث ما ينافيه د

میں کتا ہوں حقیقت یہ ہے کہ رجعت کے  
بارہ میں جو حدیثیں وارد ہوئی ہیں ان میں  
بڑا اختلاف ہے بالخصوص ائمہ کی حکومت  
کی ترتیب اور اس کی کیفیت میں بڑا اختلاف  
ہے آیا ان کی حکومت اجتماعی صورت میں  
زمانہ واحد میں ہوگی یا انفرادی صورت میں۔

حدیثیں ہوائے شیعہ سے منقول ہیں ان میں سخت اختلاف  
ہے کوئی حدیث ایسی نہیں ملتی جس کے خلاف دوسری

لا يتفق خبر الا بوازائه ما يصادفة حتى  
صار ذلك سببا لرجوع بعض  
النواقصين عن اعتقاد الحق  
كما صرح به شيخ الطائفة في ادائل  
التمذیب والا استبصار۔

حدیث نہ ہو کوئی خبر ایسی نہیں جس کے متضاد  
خبر نہ پائی جائے حتیٰ کہ بہت سے ناقص لوگ  
اس وجہ سے دین حق سے پھر گئے جیسا کہ ہمارے  
پیشوا نے تمذیب اور استبصار میں مہر امت  
کی ہے۔

علامہ دلداری نے اپنے پیشرو سید نعمت اللہ الجزائر کی تائید کر دی کہ رجعت  
کے بارے میں حدیثوں میں اختلاف ہی نہیں تضاد موجود ہے مگر ایک بات نئی کہ گئے۔ کہ  
اس تضاد کی وجہ سے بہت سے ناقص لوگ اعتقاد حق سے پھر گئے یعنی جن لوگوں نے  
جھوٹ اور سچ میں تیز کر لی حقیقت اور افسانہ میں فرق محسوس کر لیا وہ تو پھیرے ناقص اور  
جن لوگوں میں اتنی عقل نہیں کہ جھوٹ اور سچ میں تیز کر سکیں یا اتنی تیز کے باوجود جھوٹ پر  
نٹے رہے وہ ہونے کا ملین اور جس مذہب کے اصولی عقائد کی بنیاد وہ حدیثیں ہوں جو  
ملعون کافروں اور مشرکوں سے مروی ہوں وہ مذہب ہوا حق۔

مسئلہ رجعت کے متعلق اس گور کہ دھندا کو دیکھ کر آدمی سوچتا ہے کہ آخر اس جنگ  
ہنسائی کی کیا ضرورت تھی۔ یہ عقیدہ ضروریات دین میں کیوں شمار کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ  
معلوم ہوتی ہے کہ:-

۱۔ محمد اللہ بن سبائے جو مذہب ایجاد کیا اور اس میں جس کا ریگری سے تقدس کا رنگ  
میرا سے کوئی صاحب علم آدمی تسلیم نہیں کر سکتا تھا کیونکہ یہ ایک مجموعہ عقائد تھا۔ مگر  
جملہ، نفس پرست اور فوسلم جو دین سے ناواقف تھے انہیں بھلانے کا ایک  
ہمانہ ڈھونڈ لیا گیا۔

۲۔ ائمہ شیعہ کو حکومت ملی ہی نہیں۔ حضرت علی حکومت کو شیعہ برائے نام حکومت کہتے  
ہیں۔ سوال ہوا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ جواب دیا کہ بہت جلد وہ زمانہ آنے والا ہے کہ  
ائمہ کرام کی حکومت ۸۰ ہزار سال تک رہے گی۔

۳۔ شیعہ لوگ اپنا مذہب چھپانے پھرتے ہیں اور ذلت کی زندگی بسر کر رہے ہیں انہیں

میں رسول خدا پر فضیلت رکھتے ہیں کہ انہیں حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دینے کا اختیار ہے۔

۱۔ اصول کافی ص ۱۱۱ امام جعفر فرماتے ہیں

میں ان احکام پر عمل کرتا ہوں جو حضرت علی لائے ہیں اور ان کاموں سے باز رہتا ہوں جن سے انہوں نے منع کیا ان کی شان محمد کی مثل ہے اور رسول خدا کی فضیلت تمام مخلوق پر ہے۔ علی کے حکم پر اعتراض کرنے والا ایسا ہے جیسے خدا اور رسول کے حکم پر اعتراض کرنے والا اور ان کی کسی چھوٹی یا بڑی بات کا انکار کرنا اللہ سے شرک کرنے کے برابر ہے۔ علی۔ اللہ کے دروازہ ہیں جس کے بغیر کوئی اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتا وہ خدا کی راہ ہیں جو اس راہ کے بغیر کسی دوسری راہ پر چلا بلاک ہوا اسی طرح تمام ائمہ کی عظمت اور شان ہے۔

ما جاء به علي اخذ به وما نهي عنده انتهي عنه جرى له من الفضل مثل ما جرى لسعد بن محمد والفضل علي جيب ما خلق الله عز وجل والمتعب عليه في شيئ من احكامه كما لمتعقب علي الله وعلي رسول الله والداد عليه في صغيرة او كبيرة علي حد الشرك بالله كان امير المؤمنين باب الله الذي لا يؤتى الا منه و سبيله الذي من سلك بخيره يهلك وكذلك بحري لائمة الهدى واحد بعد واحدة۔

انام بعزته نعت علي کے حق میں بوالہنا فرمائے ہیں اللہ تعالیٰ نے وہی الفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمائے ہیں: ما اتاكم الله رسول فخذوه وما نهكم عنه فانتهوا دین شیعہ میں بارہ اماموں کی وہی حیثیت ہے جو نبی کریم کی ہے۔

۲۔ اصول کافی ص ۱۱۱

محمد بن سنان کہتا ہے کہ میں امام محمد تقی کے پاس بیٹھا تھا میں نے شیعوں کے مذہبی اختلاف کا ذکر کیا فرمایا اے محمد خدا تعالیٰ اپنی ذات

عن محمد سنان قال كنت عند ابي جعفر الثاني فاجريت اختلاف الشيعة فقال يا محمد ان الله تبارك وتعالى

تسلی دی گئی وقت آنے والا ہے کہ شیعہ کو کمانے پینے کی چیزیں جنت سے تازہ بتا رہے ہیں گی۔ ہر شیعہ کے گھر ایک فرشتہ ملازم ہو گا یہ سستی جن کو اس وقت خوشحال اور محران دیکھتے ہوں ان کی لاشیں نکال کر جلانی جائیں گی ان کی غذا پاجانہ اور پشیاپ ہو گا۔

۴۔ سوال ہوا کہ آخر کب ہو گا؟ جواب ملا قیامت سے پہلے ایک زمانہ آئے گا اسے رجعت کہتے ہیں اس میں وہ ساری تلافی ہو گی جو دنیا میں ائمہ اور عوام شیعہ کے ساتھ ظلم کی صورت میں روا رکھی گئی۔

۵۔ زمانہ رجعت میں تو ہم بدلہ لے لیں گے مگر قیامت میں کیا بنے گا جواب ملا گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں سنیوں کی تمام نیکیاں شیعوں کے نامہ اعمال میں درج ہوں گی اور شیعوں کے سارے گناہ سنیوں پر لادے جائیں گے۔ چنانچہ سید نعمت اللہ نے اپنے خاص رنگ میں یہ توجیہ ہمیشہ کر دی۔

الوارنعمانیہ ۱: ۱۶۵

رجعت کی اصل غرض گذشتہ نصب شدہ حقوق حاصل کرنا اور ظالموں سے بدلہ لینا ہے جو ان سنیوں سے شیعوں اور ائمہ پر ظلم ہوتے رہے۔ چونکہ حضرت علی کو برائے نام حکومت ملی تھی وہ قاضی شریح کو بھی معزول نہ کر سکے اور خلفائے ثلاثہ نے جن عمال کو مقرر کیا تھا ان کو بھی معزول نہ کر سکے ان بدعات کو بھی نہ مٹا سکے جو خلفائے ثلاثہ نے راج کی تھیں۔ زمانہ رجعت میں حضرت علی اور امام حسین کی حکومت مستقل ہو گی اور امام مہدی کے مقابلہ میں زیادہ ہو گی۔

لان الغرض الاصلی من تلك الدولة الاخذ بالحقوق الماضية وخصاص الظالمين على ما وقع منهم لان علياً قد ملك سلطاناً لم يتمكن فيه من عزل الشريح القاضي ولا عزل من نصبه المتخلفون الثلثة ولا قدس على محو بدعة ابتداء عروها بل يمكن ان يقال ان نسبة تلك الدولة المستقلة الى امير المؤمنين علي والحسين واكثر من نسبة الى المهدى۔

تعمیر ہو گا۔ بارہ امام رسول خدا کی طرح معصوم اور مقصود الطاعت ہیں۔ ایک امر

لم یزل متقدرا بوجهہ، یتہ تم خلق محمد اور علیا  
وفاطہ فکثر الف دھرتہم خلق جمیع الاشیاء  
فاشہد ہم خلقہا واجری طاعتہم علیہا  
و فوض امورہا الیہم فہم یحلون ما  
یشاؤن ویجرون ما یشاؤن ولن  
یشاؤا الا ما یشاء اللہ تبارک و تعالیٰ۔

۱۔ محمد بن سنان نے جب شیعہ کے مذہبی اختلافات کا ذکر کیا تو امام نے وجہ بتائی کہ ائمہ کے اختیارات اسی کا سبب ہے۔ ایک امام نے ایک چیز کو حلال کیا دوسرے نے حرام کر دیا تو اختلاف کیوں نہ ہو۔

۲۔ ائمہ کو پیدا کر کے خدا فارغ ہو گیا ائمہ جیسا چاہیں نظام کائنات چلائیں۔  
۳۔ اگر ائمہ اپنی مرضی سے حلال و حرام میں تبدیلی کرتے ہیں تو خدا ہوئے اور اگر خدا کے حکم سے کرتے ہیں تو ان پر وحی کا آنا لازم ہوا تو نبی ہونے۔ پہلی صورت قبول کی جائے تو توحید کا انکار لازم آتا ہے۔ دوسری صورت صحیح قرار دی جائے تو متم نبوت کا انکار لازم آتا ہے۔ یہ بھی کفر وہ بھی کفر۔

عقیدہ ۸۷۔ امام کے علوم صرف قرآن و حدیث سے ماخوذ نہیں بلکہ ان کے علاوہ ان کے پاس یہ وسائل ہیں مصحف فاطمہ، کتاب علی، چٹڑے کا تمیلا جس میں اولین و آخرین کے تمام علوم جمع ہیں۔ فرشتے ان کو بتا جاتے ہیں۔ ہر جمعہ امام کو معراج کرایا جاتا ہے ہر معراج میں نئی نئی ہدایات ملتی ہیں ہر سال شب قدر میں ان پر ایک کتاب نازل ہوتی ہے جس میں سال بھر کے لیے احکام اور ہدایات ہوتی ہیں۔ امام کو نجوم کا علم حاصل ہوتا ہے۔ اس ذریعہ سے بہت سی باتیں معلوم کر لیتے ہیں۔

اصول کافی باب فیہ الصحیفۃ والجفر والجامعہ و مصحف فاطمہ۔ ابو بصیر کی طویل روایت کا کچھ حصہ۔

ثم قال یا ابا محمد وان عندنا الجامعہ وما

بیدرہم ما الجامعۃ قال قلت جعلت  
فداک وما الجامعۃ قال صحیفۃ  
طراط سبعون ذراعا بذراع رسول اللہ  
واملاءہ من خلق فیہ وخط علی  
بیمینہ فیہا کل حلال وحرام وکل شیء  
یحْتَاج الیہ الناس حتی الارش فی الحدیث و  
خریبیدہ فیقال لی تأذنی یا ابا محمد قال  
قلت جعلت فداک انما انا لک  
فاصنہ قال فغمزنی ببیدہ وقال  
حتی ارض ہذا کانه مغضب  
لثوقال وعندنا الجفر  
وما یدرہم ما الجفر قال  
قلت وما الجفر قال وعاء  
من ادم فیہ علم النبین  
والوصیین وعلوم العلماء الذین  
مضوا من بنی اسرائیل  
ثوقال وعندنا المصحف فاصنہ  
علیہا السلام وما یدرہم ما  
مصحف فاطمہ قال مصحف  
فیہ مثل قرآنکوم هذا ثلاث  
مرات واللہ ما فیہ عن قدا نکو  
حرف واحد۔

الجامع میں ہے اور لوگ کیا جانیں سامعہ کیا  
سے میں تے کما قربان جاؤں جامع کیا ہے  
فرمایا وہ ایک کتاب ہے جس کا طویل نزول خدا  
کے ستر ہاتھ کے برابر ہے۔ جو رسول خدا کے  
منہ سے یوں ہوئی اور حضرت علی کے ہاتھ  
کی لکھی ہوئی ہے۔ اس میں تمام حلال و حرام  
اور تمام وہ چیزیں جن کی لوگوں کو ضرورت  
ہے لکھی ہوئی ہیں حتیٰ کہ زخم کے چھل جانے  
کی دیت یعنی اس میں ہے پھر ہاتھ کے اشارہ  
سے فرمایا ابو محمد اکیا تم مجھے اجازت دیتے  
ہو۔ میں نے کما قربان جاؤں میں تو آپ ہی  
کا ہوں جو آپ چاہیں کریں پھر امام نے اپنے  
ہاتھ سے دبایا جیسے وہ نصیر ہیں کہ اس کی  
دیت بھی ہے۔ پھر فرمایا ہمارے پاس جفر بھی  
ہے اور لوگ کیا جانیں جفر کیا ہے میں نے کما  
قربان جاؤں جفر کیا ہے فرمایا پڑے کا ایک  
تمیلا ہے جس میں انبیاء اور وصیاء اور علمائے  
بنی اسرائیل کا علم ہے پھر فرمایا ہمارے پاس مصحف  
فاطمہ بھی ہے لوگ کیا جانیں مصحف فاطمہ کیا ہے  
وہ ایک مصحف ہے تمہارے اس قرآن سے تین  
گنا اور خدا کی قسم تمہارے قرآن کا ایک طرف بھی  
اس میں نہیں ہے۔

امام کا آخری جملہ ایک معرہ بن گیا۔ اگر فرماتے کہ اس قرآن کا ایک کلمہ بھی مصحف فاطمہ میں

نہیں تو غیر ایک بات تھی مگر ایک " حرف ہی نہیں " کا مطلب یہ ہوا کہ عربی کے ۲۸ حروف میں سے کوئی حرف اس میں نہیں اس لیے لازماً وہ مصحف کسی اور زبان میں ہو گا۔  
اصول کافی کے اسی باب میں مصحف فاطمہ کی حقیقت بیان ہوئی ہے۔

ان الله تعالى لما قبض نبيه صلى الله عليه وسلم دخل فاطمه حزن مالا يعان الا الله عز وجل فارسل اليها ملكا يسلي غمها ويحدث فنكت اليها بموسى فقال اذا احسنت بذلك وصمعت الصوت وقولى فاعلمت بذلك جعل امير المؤمنين يكتب كل ما سمع حتى اثبت من ذلك مصحفاً

رسول کریم کی وفات سے حضرت فاطمہ کو اتنا رنج ہوا کہ اللہ ہی جانتا ہے۔ اللہ شان کے پاس ایک فرشتہ بھیجا کہ انہیں سنی دے اور باتیں کرے حضرت فاطمہ نے حضرت علی کو یہ بات بنا دی انہوں نے فرمایا جب ایسا محسوس کریں مجھے بتائیں چنانچہ حضرت فاطمہ نے بتایا اور حضرت علی فرشتہ سے جو سنتے لکھتے جاتے تھے یہ مصحف تیار ہو گیا۔

یعنی حضرت فاطمہ کا غم غلط کرنے کے لیے تسلی دینے والی باتوں کا مجموعہ مصحف فاطمہ ہے۔

اصول کافی ص ۱۳۵

امام جعفر نے فرمایا اے ختم نبوت کے درخت ہیں۔ رحمت کے گھر ہیں حکمت کی کنجیاں ہیں۔ علم کی کان ہیں۔ رسالت کا نخل ہیں ہمارے پاس فرشتوں کی آمد و رفت ہوتی ہے۔

يا خثيمة نحن شجرة النبوة وبيت الرحمة ومفاتح الحكمة ومعدن العلوم وموضع الرسالة ومختلف الملائكة

اصول کافی ص ۱۵۵ ہر جمع کو معراج ہونے کا بیان

پس انبیاء اور اولیاء پھولے نہیں سماتے اور جو وہی تمہارے درمیان ہے اس کے علم میں ہم غفرے کے برابر اضافہ ہوتا ہے۔

فقصموا الانبياء والاولياء فقولوا صلواتنا وسلامنا وبركاتنا عليه الذي بين يدينا من الغفور

اصول کافی ص ۱۳۵

فصل ہو چکا ہے کہ ہر سال میں ایک رات

ولقد قضى ان يذن في كل

سنة ليلة يعط فيها تفسيرا  
الامور الى مشاهير السنه  
المقبلة

ایسی ہو کہ اس میں تمام احکام کی تفسیر نازل کی جائے جو سال آئندہ کی اس رات تک ہونے والے ہیں۔

علامہ قزوینی شارح کافی نے شرح صحابی کتاب تو حید جز دوم ص ۲۲ پر فرمایا ہر سال کے لیے علیحدہ کتاب ہے۔ کتاب سے مراد یہ ہے کہ اس میں ان احکام اور واقعات کی تفسیر جن کی امام کو آمد و سال تک حاجت ہو ملائکہ اور روح القدس شب قدر میں یہ کتاب لے کر نازل ہوتے ہیں۔ اس کتاب کے ذریعے اللہ تعالیٰ جن عقائد کو چاہے باطل قرار دیتا ہے اور جنہیں چاہے قائم رکھتا ہے۔ شب قدر والی کتاب میں مقام میں ترمیم و تیسخ ہوتی ہے یعنی ہر سال نازل ہونے والی سابقہ کتاب کی نسخ ہوتی ہے۔

اصول کافی ص ۱۳۴ سے شب قدر کے بیان میں ایک مستقل باب شروع ہوتا ہے  
ص ۱۵۱ پر امام باقر کی روایت ہے۔

انہ لیسنزل فی لیلة القدر  
الی اولی الامر لنفسه بكذا  
وكذا ذی الامر الناس بكذا  
وكذا۔

امام کے تعلق دین اور شریعت کے جن ماخذوں کا اوپر ذکر کیا گیا ہے ان سے یہ معلوم ہوتا ہے:-

(۱) جو دین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے اس میں کسی رہ گئی ہے ناقابل ہے قابل ترمیم و تیسخ ہے۔

(۲) حضور اکرمؐ پر وحی کا سلسلہ بند نہیں ہوا بلکہ ائمہ پر ملائکہ اور روح القدس احکام لے کر نازل ہوتے رہتے ہیں۔ گویا نبوت ختم نہیں ہوئی صرف نام بدلے۔  
(۳) دین کے عقائد اور شریعت کے احکام میں ترمیم و تنسیخ کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

فروغ کافی کتاب الروضة طبع کمپنڈ ص ۵۲ نجوم کے متعلق۔

معلى بن خنيس قال سألت ابا عبد الله عن النجوم احتجى؟ قال نعم ان الله عز وجل بعث المشتري الى الارض في صورة رجل فاخذ رجل من النجوم فعلمه النجوم حتى ظن انه قد بلغ ثور قال له انظر الى المشتري فقال ما اراه في الفلك و ما ادرى اين هو فتحاة واخذ بيده رجل من الهند فعلمه حتى ظن انه قد بلغ فقال انظر الى المشتري اين هو فقال ان حسابي ليدل انك انت المشتري قال فشهق شهقة فبات دورث عبد اهل فالعلم هنالك۔

عن معلى بن خنيس قال سألت ابا عبد الله عن النجوم احتجى؟ قال نعم ان الله عز وجل بعث المشتري الى الارض في صورة رجل فاخذ رجل من النجوم فعلمه النجوم حتى ظن انه قد بلغ ثور قال له انظر الى المشتري فقال ما اراه في الفلك و ما ادرى اين هو فتحاة واخذ بيده رجل من الهند فعلمه حتى ظن انه قد بلغ فقال انظر الى المشتري اين هو فقال ان حسابي ليدل انك انت المشتري قال فشهق شهقة فبات دورث عبد اهل فالعلم هنالك۔

دوسری روایت اس کے بعد

عن ابى عبد الله قال سئل عن النجوم و قال لا يعلمها الا اهل بيت من العرب و اهل بيت من الهند۔

امام جعفر سے نجوم کے متعلق پوچھا گیا فرمایا نجوم کا علم سوائے عرب کے ایک خاندان کے اور ہند کے ایک خاندان کے کوئی نہیں جانتا۔ پہلی روایت سے معلوم ہوا کہ علم نجوم کے وارث اہل ہند ہیں۔ جو ہند و ہندت اور

جو کی ہی ہو سکتے ہیں۔ دوسری روایت سے معلوم ہوا کہ علم نجوم اہل عرب کے ایک خاندان میں بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ انہوں نے اصل وارثوں سے یہ علم سیکھا۔ اور عرب کے خاندان سے مراد ائمہ ہی ہو سکتے ہیں کیونکہ ان کے پاس علم نجوم ہوتا ہے۔ گویا ائمہ نے یہ علم اہل ہند سے سیکھا اور اس علم نے امام کو فرائض امامت بحال لانے میں مدد دی۔ کتاب علی کا تفصیلی تعارف ایک طویل روایت میں یوں کر آیا گیا ہے۔

زراره سے روایت ہے میں نے دادا کی

میراث کے متعلق امام باقر سے پوچھا فرمایا

سوائے حضرت علی کے میں کسی کو ایسا نہیں

پاتا جس نے اپنی رائے سے بات نہ کی ہو

میں نے کہا اللہ آپ کا جلا کرے امیر المؤمنین

نے اس کے متعلق کیا کہا امام نے کہا کل مجھے

ملنا ایک کتاب سے پڑھا دوں گا میں نے

کہا اللہ آپ کا جلا کرے آپ مجھے زبانی بتا

دیجئے مجھے آپ کی زبان سے سنتا زیادہ

پسند ہے۔ فرمایا میری بات سنو کل مجھے ملتا

ایک کتاب سے تمہیں پڑھا دوں گا دوسرے

روزان کے پاس گیا کہ ظہر اور عصر کے درمیان

ان سے تنہائی میں ملتا تھا۔ تنہائی کے بغیر ان

سے پوچھنا پسند نہیں تھا کہ لوگوں کے خوف سے

تقریر کر کے فتویٰ نہ دے دیں چنانچہ اپنے

بیٹے جعفر سے کہا زراره کو علم فرائض کا صحیفہ

پڑھا دو خود سونے کے لیے اٹھ گئے۔ اب

میں اور امام جعفر تنہا رہ گئے جعفر نے ایک

عن زراره قال سألت ابا جعفر عن الجدة فقال ما وجد احد اقال فيه الا براهية الا امير المؤمنين قلت اصلحك الله فقال فيه امير المؤمنين فقال اذا عدا فالعيني حتى اقرتك في كتاب قلت اصلحك الله حدثني فان حديثك احب الي من ان تقرنيه في كتاب فقال لي الثانية اسمع ما اقول لك اذا كان عدا فالعيني حتى اقرتك في كتاب فانيته من العدا بعد الظهر وكانت ساعتى التى كنت اخلوبه فيها الظهر والعصر و كنت اكره ان اساله الا خاليا خشية ان يفتيني من اجل من يحضره بالتقية فلما دخلت عليا قبل على ابنه جعفر فقال اقدأ زراره صحيفة الفرائض شو قام لي نام فبقيت انا و جعفر في البيت فقام فاخرج الى صحيفة

مثل فخذ البعير فقال لست اتركها  
حتى يمد لي الله عليك ان لا تحدث  
بما تقرنهما احدا حتى اذن لك و  
لو فعل حتى باذن لك انى فعلت  
اصحك الله لو لقيت على و لير  
يا مراءك ابوك بذاك فقال ما  
كنت بما نظر فيها الا على ما قلت  
لك فقلت فذاك لك و كنت  
رجلا عالما بالفضائل والوصايا  
بصيرا بها فلما اتى الى طرف  
الصحيفة اذا كتاب غليظ يحرف  
انه من كتب الاولين فظرت  
فيها فاذا فيها خلاف ما بآبدي  
الناس من الصلوة والامر  
المعروف الذى ليس فيه  
اختلاف فاذا عامسه كذلك  
فقرئت حتى اتيت على اخره  
بخبث نفس وقلة تحفظ واسقام  
راى وقلت وانا اترأه باطل حتى اتيت  
على اخره ثم ادرجتها ودفعتها  
اليه ثم لقيت ابا جعفر فقال لى  
اقرأت صحيفة الفرائض فقلت نعم  
فقال كيف رأيت ما قرأت فقلت باطل

کتاب نکالی جو اونٹ کی دان کے برابر تھی۔  
کہا یہ کتاب نہیں پڑھاؤں گا جب تک خدا  
کی قسم نہ کھاؤ کہ اس میں پڑھ کے کسی کو نہ بتاؤ  
گے جب تک میں اجازت نہ دوں امام نے  
اپنے والد کی اجازت کی شرط نہ لگائی میں نے کہا  
اللہ آپ کا بھلا کرے مجھ پر ایسی ہی تھی کیوں بتاؤں  
کے والد نے تو آپ کو بیڑہ کہا تھا۔ جواب دیا  
تم اس کتاب کو اسی شرط سے دیکھ سکتے ہو میں  
نے کہا آپ کی خاطر یہ شرط منظور ہے میں فرائض  
اور دعایا کا صاحب بصیرت عالم تعجب  
امام جعفر نے صحیفہ کا ایک کنارہ کھولا تو دیکھا  
کہ ایک موٹی سی کتاب ہے اگلے لوگوں کی  
(یہود و نصاریٰ کی) اس میں کے مسائل تمام  
لوگوں کی معلومات سے مختلف ہیں صلہ رحمی اور  
امر بالمعروف کے مسائل جن میں کسی کا اختلاف  
نہیں وہ بھی بالکل مختلف ہیں۔ میں نے یہ  
کتاب نبیث نفس کے پڑھی یاد رکھنے کا  
ارادہ نہیں تھا اور بری رائے تھی میں پڑھتا  
جاتا اور کہتا جاتا یہ باطل ہے ختم کر کے امام کے  
حوالے کی۔ امام باقر سے ملاقات ہوئی انہوں  
نے پوچھا تم نے فرائض کی کتاب پڑھی میں نے  
کہا ہاں پوچھا کیا رائے ہے میں نے کہا باطل  
ہے کسی کام کی نہیں لوگوں کے عقیدہ کے

ليس بشئ خلاف ما الناس عليه قال  
فان المذی رأيت فالله يا زرارہ  
هو الحق الذى رأيت اصلاً  
رسول الله وخط على بید ۵  
فاتا الشيطان فرسوس فی صدری  
فقال وما يدري انه اهل رسول  
الله وخط على بید فقال لى قبل ان  
الطق لا تشك دو الشيطان والله  
انك شككت وكيف لا ادري انه  
اهل رسول الله صلى الله عليه وسلم و  
خط على بید ۵ وقد حدثنى ابى عن  
جدى ان امير المؤمنين حدثنا بهذا

خلاف ہے امام نے کہا زرارہ تو سچ کہتا ہے  
خدا کی قسم جو کتاب تو نے دیکھی ہے وہ رسول  
کریم نے لکھوائی اور حضرت علی نے لکھی پھر شیطان  
نے مجھے وسوسہ ڈالا کہ تمہیں کیسے علم ہوا کہ حضور  
نے لکھوائی اور حضرت علی نے لکھی امام باقر  
میرے طرف متوجہ ہوئے اور میرے بولنے سے  
پہلے ہی فرمایا۔ شیطان کا وسوسہ ہے شیطان  
کا دوست بن کر شک نہ کر خدا کی قسم تم نے  
شک کیا ہے مجھے کیونکر علم نہ ہو کہ یہ کتاب  
حضور نے لکھوائی اور حضرت علی نے لکھی مجھے  
میرے والد نے میرے دادا سے بیان کیا ہے  
کہ امیر المؤمنین نے انہیں یہ بات بتائی تھی۔

کتاب علی کے متعلق اس طویل روایت سے کئی اہم راز معلوم ہوئے۔

- ۱۔ امام نے زرارہ کو دین کے متعلق کچھ بتانا اس شرط پر منظور کیا کہ وہ کسی کو نہ بتائے گا گویا  
دین چھپا رکھنے کی چیز ہے بتانے کی نہیں۔ اسلام تو اس کے بالکل برعکس مطالبہ کرتا ہے۔
- ۲۔ زرارہ علم الفرائض کا ماہر اور صاحب بصیرت تھا اس نے کتاب علی کو مسلمہ عقائد کے  
بالکل خلاف پایا جبھی تو کہا باطل ہے۔
- ۳۔ امام کسی کو اصل اور صحیح نہ بتاتے تھے۔ اس لیے زرارہ جیسے خاص اصحاب اس تاک میں  
رہتے کہ تنہائی میں آئے تو امام سے کوئی صحیح بات معلوم کر سکیں یعنی امام جو کچھ ظاہر میں  
کہتے تھے دل میں وہ بات نہیں ہوتی تھی۔ اس دورنگی کو اسلام کی اصطلاح میں نفاق  
کہتے ہیں۔ کیا امام کے متعلق یہ تصور دینا امام کی توہین نہیں۔
- عقیدہ ۱۔ جس طرح نبی کا تقریر من جانب اللہ ہوتا ہے امام کو بھی خدا ہی مقرر کرتا ہے  
کوئی شخص نہ تو خود امام بن سکتا ہے نہ لوگ بنا سکتے ہیں۔



خدا کی طرف سے ۱۲ لفظی سزیم نازل ہوئے ہر امام کے نام کا علیحدہ لفظ تھا جو احکام اس لفظ میں لکھے ہوتے امام اس پر عمل کرتا تھا۔

اصول کافی ص ۱۱۱ ایک مستقل باب اسی عنوان سے ہے۔ امام جعفر سے منقول ہے

وصیت محمدہ آسمان سے نازل ہوئی نبی کریم پر وصیت کے علاوہ کوئی مرشد و حکم نازل نہیں ہوا۔

ان الوصیۃ نزلت من السماء کتاباً بالمرسل  
علی محمد کتاب محمداً والاوصیۃ

امام نے حدیث کے نام کے لفظ میں درج تھا۔

لڑو۔ لوگوں کو قتل کرو خود قتل ہو جاؤ۔ شہادت کے لیے لوگوں کو ساتھ لے جاؤ انہیں شہادت صرف تمہاری وصیت میں ملے گی۔

قاسد صمد و قتل و اخرج  
باقوام الشہادۃ لاشہادۃ  
لہم الاممک۔

امام زین العابدین کے لفظ میں یہ وصیت تھی۔

خاموش رہو ہر جھکائے رکھو کیونکہ علم پوشیدہ ہو گیا۔

اصمت و اطرق لست احب  
العلم۔

امام باقر کے لفظ میں لکھا تھا۔

کتاب اللہ کی تفسیر کرو۔ اپنے آبا کی تصدیق کرو امت کی تربیت کرو خدا کے حق کو قائم کرو فوت و امن کی حالت میں سچ کہو اللہ کے بغیر کسی سے نہ ڈرو۔

فسر کتاب اللہ و صدق ابائک و درت  
ابنک و اصطنع الامۃ و تم بحق اللہ عزو  
جل و قل الحق فی الخوف و الامن و لا تخش الا اللہ  
امام جعفر کا لفظ۔

لوگوں سے حدیث بیان کرو فتویٰ دے اہل بیت کے علوم کی اشاعت کراپنے نیک باپ و دادا کی تصدیق کرو اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرو تو حفاظت اور امان میں ہے۔

حدث الناس و افتموا و انشر  
علوم اهل بیتک و صدق  
اباءک الصالحین و لا تخافن الا  
اللہ و انت فی حرز و امان۔

اللہ کے نام حکم پڑے واضح ہیں مگر ان کی تعمیل کا معاملہ ذرا الجھا ہوا ہے مثلاً کتاب اللہ کی تفسیر کا حکم ہے مگر کتاب اللہ غائب ہے تفسیر کس کی ہو۔ حدیث بیان کرنے کا حکم ہے مگر

امام کو کوئی قابل اعتبار آدمی نہیں ملتا حدیث کس سے بیان کرے۔ علوم کی اشاعت کا حکم ہے مگر امام دین کی بات بتانے سے پہلے تمہارے کہ کسی کو نہ بتانا۔ حکم ہے اللہ سے ڈرو مگر امام ڈرتا ہے لوگوں سے۔ اور کوئی سچی بات کہتا ہی نہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے ائمہ نے طے کر لیا تھا کہ وصیت کی مخالفت لازماً کرنی ہے۔ وصیت کا معاملہ بناوٹی ہے یا وصیت میں ہی تفسیر کا دخل ہے۔ اگر وصیت درست ہے تو ائمہ کے طرز عمل سے حکم عدولی کے بغیر اور کسی بات کا ثبوت نہیں ملتا۔

حضرت علی نے اپنے نام کے لفظ کے مندرجات پڑھ کر فرمایا

ہاں میں نے قبول کیا میں راضی ہو گیا اگر میری بے عزتی کی جائے سنت رسول معطل کی جائے قرآن بھاڑا جائے اور کعبہ کو گرا دیا جائے اور میری دار میں میرے سر کے خون سے رنگین کر دی جائے ہمیشہ صبر کروں گا حتیٰ کہ آپ کے پاس پہنچ جاؤں پھر حضرت نے فاطمہ اور زینب کو بلا یا ان کو دہری بتایا جو حضرت علی کو بتایا تھا انہوں نے بھی دہری جواب دیا۔

نعم قبلت و رضیت و انتہکت الحرمۃ و  
عظمت السنن و فرق الکتاب و هدمت  
الکعبۃ و خصیت لحتی من رأسی  
بدمر عیبط صابرا محتسبا ابدا حتی  
اقتد مرعیدک ثم دعا رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم فاطمۃ و الحسن و الحسین  
و اعلمہم مثل ما اعلم امیر المؤمنین  
فقالوا لہ مثل قولہ۔

حضرت علی کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ انہوں نے حق پر قائم رہنے اور باطل کے مقابلہ میں ڈٹ جانے کا معاہدہ کیا خواہ انہیں کتنی قربانی دینی پڑے۔ اس لیے سوال پیدا ہوتا ہے اگر خلفائے ثلاثہ بقول شیعہ باطل پر تھے تو حضرت علی کیوں خاموش رہے۔ مقابلہ کرنا اور قربانی دینا تو مجھے خود رہا احتجاج بھی نہ کیا بلکہ کاروبار خلافت میں ان کے مشیر خاص رہے یہ صورت و حال سے خالی نہیں یا وصیت فرضی ہے یا خلفائے ثلاثہ حق پر تھے۔

اس سلسلے میں یہ راز نہ کھل سکا کہ امام جعفر کے بیٹے اسمعیل کی امامت کا اعلان ہو گیا لازماً ان کے نام کا لفظ بھی ہو گا وہ تو بند کا بند ہی رہ گیا اور لفظوں کی تعداد بارہ کی جگہ تیرہ ہو گئی۔ بارہ لفظی تو خدا کی طرف سے نازل ہوئے تھے یہ تیرھواں لفظ کہاں سے

عقیدہ علیہ۔ ہر امام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک رتبہ ملتا ہے جس میں تمام شیعہ سنی کے نام مع ولایت درج ہوتے ہیں امام ہر آدمی کو دیکھتے ہی پہچان لیتے ہیں۔  
اصول کافی ص ۱۳۷ امام رضا سے منقول ہے۔

اننا لعرف الرجل اذا رأيناه بحقيقة الایمان  
وحقيقة النفاق واز شیعنا لکتوبون  
باسمائهم واباتهم اخذ الله عیننا وعلیم  
المیشاق یبددون مومنا و  
یدخلون مدخلنا لیس علی مدخلنا لادم  
غیرنا وغیرهم۔

امام باقر نے فرمایا ہم آدمی کو دیکھتے ہی پہچان جاتے ہیں مومن ہے یا منافق ہمارے شیعہ کے نام مع ولایت ہمارے پاس لکھے ہوئے ہیں خدا نے ان پر ہم سے عبدیاء ہے وہ ہمارے نقوش قدم پر چلتے ہیں۔ سوائے ہمارے اور شیعہ کے کوئی دوسرا اسلام پر نہیں ہے۔  
اللہ تعالیٰ نے ائمہ کی رہنمائی کا اہتمام تو خوب کیا مگر اس سے اماموں نے استفادہ کم ہی کیا مثلاً امام حسین کو جب کوفہ کے شیعہوں نے خطوط لکھے کہ بلایا تو امام اپنے رتبہ سے ان کے نام کیوں نہ پڑھ لے اور ان کے جھانے میں کیوں آگئے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ دیکھ کر ہی پہچان سکتے ہوں مگر نام اور ولایت سے یہ تو معلوم کر سکتے تھے کہ ہمارے شیعہ سے ہیں۔ جیسی توان کے بلاوے پر چلے گئے یہ اور بات ہے کہ انہوں نے یہ خط تفسیر کر کے لکھے ہوں۔ یا تفسیر کر کے یزید کی فوج کا ساتھ دیا ہو بہر حال امام کو ان شیعہ کے ہاتھوں مصائب دیکھنے پڑے۔  
عقیدہ علیہ: ہر اماموں کی باتیں اور ان کی حدیثیں ہر شخص نہیں سمجھ سکتا۔

اصول کافی ص ۱۳۷ ایک مستقل باب ہے

ان حدیثنا صعب متصعب لا  
یحتملہ الا صدور منیرہ اقرب  
سلیمة و اخلاق حسنة۔

ہماری حدیثیں سخت مشکل ہوتی ہیں۔ وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس کا سینہ منور ہو قلب سلیم ہو اور اخلاق حسنة ہوں۔  
بات تو ٹھیک ہے بڑے آدمیوں کی بڑی باتیں مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ان کی حدیثیں سمجھ ہی کوئی نہیں سکتا تو حدیثیں بیان کرنے کی غرض کیا ہے۔ اور خلفائے

ثلثہ اور اہمات المؤمنین کے خلاف ائمہ کی جو حدیثیں بیان کی جاتی ہیں ان کا وہ مطلب شیعہوں نے کیسے سمجھ لیا جو وہ بیان کرتے ہیں۔ ان کے متعلق اتنے وثوق سے کیوں کہا جاتا ہے کہ وہ ایسے تھے ویسے تھے کیوں نہ تو وقت کیا گیا کہ ائمہ کی حدیثوں کا صحیح مطلب سمجھیں نہیں آسکتا اس لئے خاموشی بہتر ہے۔

لا یحتملہ کی تاویل یا تشریح یوں کی گئی ہے

عن بعض اصحابنا قال کتبت الی ابی الحسن صاحب العسکر جعلت فداک  
ما معنی قول الصادق حدیثنا لا یحتملہ  
ملک مقرب ولا بنی مرسل ولا مؤمن  
استحسن الله قلبه للایمان شاء الجواب  
معنی قول الصادق ای لا یحتملہ ملک  
مقرب ولا بنی ولا مؤمن ان اللہ لا یحتملہ حتی  
یخرجہ الی ملک غیرہ والبنی لا  
یحتملہ حتی یخرجہ الی نبی غیرہ  
والمؤمن لا یحتملہ حتی یخرجہ  
الی مؤمن غیرہ

ہمارے اصحاب شیعہ میں سے کسی نے کہا میں نے امام حسن عسکری کو لکھا کہ امام جعفر کے اس قول کا مطلب کیا ہے کہ ہمارے حدیث کا متحمل کوئی نہیں ہو سکتا نہ مقرب فرشتہ نہ نبی نہ مومن جواب آیا کہ مطلب یہ ہے کہ کوئی مقرب فرشتہ ہماری حدیث دوسرے فرشتہ کو بتائے بغیر نہیں رہ سکتا اور نبی دوسرے نبی کو بتائے بغیر رہ نہیں سکتا اسی طرح کوئی مومن دوسرے مومن کو بتائے بغیر رہ نہیں سکتا۔

یعنی امام کی حدیث کی اشاعت کرنے پر ہر شخص والا مجبور ہو جاتا ہے۔

مگر ایک روایت میں اس کی صاف تردید کی گئی ہے۔ اصول کافی ص ۲۵۳

عن ابی عبد الله علیه السلام قال ذکرک  
التقیة یوماعتد علی ابن الحسین فقال  
والله لو علم ابو ذر مافی  
قلب سلمان لقتله ولقد  
اخی رسول الله صلی الله  
علیه وسلم بنتها فاطمکم بسائر الخلق

امام جعفر سے روایت ہے ایک روز امام زین العابدین کے سامنے تفسیر کا ذکر کیا گیا فرمایا خدا کی اگر ابو ذر کو مسلمان کے دل کا حال معلوم ہو جاتا تو اسے قتل کر دیتا حالانکہ حضور نے ان کے درمیان انوث قائم کی تھی باقی مخلوق کا کیا پوچھتے ہو حقیقت یہ ہے

ان علو العلماء صعب متعصب کہ علماء (ائمہ) کا علم بڑا مشکل ہے۔  
اس روایت سے معلوم ہوا کہ ائمہ کا عقیدہ تھا صحابہ رسول بھی تقیہ کرتے ہیں۔ اپنا صحیح عقیدہ کسی کے سامنے بیان نہیں کرتے تھے۔ دوسرے لوگ کس شمار میں ہیں۔ لہذا ائمہ کی حدیثیں یعنی صحیح عقیدہ ظاہر کرنا ممکن ہی نہیں۔

**عقیدہ امامت اور ائمہ کے متعلق نادر باتیں :-**

۱۔ اصول کافی ص ۲۳۳ امام باقر فرماتے ہیں۔

اذا حدثنا کو الحدیث فجاء علی ما  
حد ثنا کو فقو لو اصدق اللہ واذا  
جاء علی خلاف ما حد ثنا کم  
فقو لو اصدق اللہ توجسما وا  
موتین۔  
ظاہر ہے کہ ایسی حدیث مستقبل کے متعلق کوئی پیش گوئی ہو سکتی ہے۔  
پروہر اثواب ملے گا۔

(۱) امام جو کہتا ہے خدا کی طرف سے کہتا ہے اس لیے دونوں صورتوں میں کہو اللہ نے سچ فرمایا۔

(۲) سچ اور جھوٹ کو یکساں سمجھو۔

(۳) جھوٹ پر ایمان لانے میں دوہرا ثواب ہے۔

۲۔ اصول کافی ص ۳۴

زرارہ کا بیان ہے کہ میں نے امام باقر سے ایک مسئلہ پوچھا امام نے بتا دیا۔ دوسرا آدمی آیا اس نے وہی مسئلہ پوچھا امام نے اس کے برعکس بتلایا تیسرا آدمی آیا وہی مسئلہ پوچھا امام نے سابقہ دونوں جوابوں کے

عن زراره بن اعین عن ابی جعفر  
قال سألته عن مسئلة فاجابنی ثم  
جاء رجل فسأله عنها فاجابه  
بخلاف ما اجابنی ثم جاء آخر  
فاجابه بخلاف ما اجابنی واجاب

صاحبی فلما خرج الرجلان  
قلت یا ابن رسول اللہ رجلان  
من اهل العراق من شیعتکم قد ما  
یختلف فاجبت کل واحد منهما  
بخیر ما اجبت بہ صاحبه فقال  
یا زراره ان هذا خیر لنا والقی  
لنا ولکو ولو اجتمعوا علی امر  
واحد لصد فکوا الناس علینا وکان  
اقل بقاءنا وبقاء کو ثم قال قلت  
لابی عبد اللہ شیعتکو لو حملتوہم  
علی الاسنتہ او علی النار لرضوا وھو  
یخرجون من عندکم مختلفین قال  
فاجابنی بمثل جواب ابیہ۔  
حاصل یہ ہوا کہ :-

خلاف بتایا۔ جب وہ دونوں چلے گئے میں نے کہا اے ابن رسول کوہ دونوں آپ کے پرانے شیعہ عراقی تھے آپ نے دونوں کو مختلف جواب دئے فرمایا زرارہ! اس میں تمہاری اور ہماری جھلانی ہے اگر لوگ تمہیں ہماری حدیثیں بیان کرنے میں سچا سمجھ لیں تو ہم زندہ رہ سکتے ہیں نہ تم۔ پھر کہا میں نے امام جعفر سے کہا تھا کہ آپ کے شیعہ ایسے ہیں کہ آپ انہیں نیزوں کی دھار پر یا آگ میں چلنے کا حکم دیں تو ایسا کر گزریں مگر وہ آپ کے پاس سے مختلف عقائد لے کر نکلے ہیں تو انہوں نے وہی جواب دیا جو ان کے والد امام باقر نے دیا تھا۔

(۱) امام اپنے پرانے شیعوں کو بھی سچی بات نہیں بتاتے تھے۔

(۲) زرارہ نے امام کو یہ وجہ بتایا کہ یہ آپ کے پرانے شیعہ ہیں کیونکہ امام اپنے رب بڑی مدد سے پہچان گئے ہوں گے۔

(۳) امام باقر کے لغاف میں لکھا تھا کہ "خوف اور امن کی حالت میں سچ کہو اللہ کے بغیر کسی سے نہ ڈرو" مگر اس حکم کی نوبت تعمیل کرتے تھے کہ جان کے خوف سے سچی بات اپنے بیگانے کسی کو بھی نہیں بتاتے تھے۔

(۴) امام جعفر کے لغاف میں لکھا تھا کہ "اہل بیت کے علوم کی اشاعت کو اللہ کے بغیر کسی سے نہ ڈرو" مگر وہ جھوٹ کی اشاعت کرنے لگے اور اللہ کے بغیر سب سے ڈرنے لگے۔ زرارہ بھی معتبر شیعہ ہے اور صاحب اصول کافی بھی مستند محدث اور کتاب اصول کافی

کے متعلق امام نے فرمایا تھا خدا کا فی شیعہ مگر اس روایت سے ائمہ کی توہین ہوتی نظر آتی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے امام نے خدا کی مخالفت کرنا اپنا مقصد زندگی سمجھ رکھا تھا۔  
۲۔ مختصر بصائر الدرجات ص ۹۲

عن ابی عبد اللہ قال جاء رجل فلما نظر  
الیہ ابو عبد اللہ قال اما اللہ لا ضلنہ  
اما واللہ لا دھنہ فجلس الرجل فسأل  
مسئلہ فافتاه فلما خرج قال  
ابو عبد اللہ لقد اقیقته بالضلالة  
التي لا هداية فيها۔

امام جعفر فرماتے ہیں ایک آدمی ان کے پاس  
آیا اسے تا دیکھ کر فرمایا خدا میں ضرور  
گمراہ کروں گا وہم اور میرانی میں ڈالوں گا۔  
وہ بیٹھا مسئلہ پوچھا آپ نے فتویٰ دیا جب  
چلا گیا تو فرمایا میں تھے اسے گمراہ کن فتویٰ  
دیا ہے میرے فتوے میں مطلق کوئی ہدایت نہیں۔

یعنی امام جعفر عموماً لوگوں کو گمراہ کرتے تھے گمراہ کن فتوے دیتے تھے۔ حالانکہ ان کو اپنے  
لقاب میں یہ ہدایت ملی تھی کہ "اہل بیت کے علوم کی اشاعت کر" کیا اہل بیت کے علوم کی  
اشاعت کرتا اور لوگوں کو گمراہ کرتا چھوٹے فتوے دینا ایک ہی بات ہے؟

۳۔ ایضاً ص ۹۵

عن موسیٰ بن ایشم قال کنت عند ابی عبد اللہ  
علیہ السلام اذا اتاه رجل فسأل عن  
رجل طلق امرأته ثلاثاً فی مقعد فقال  
ابو عبد اللہ قد بانث منه ثلاث ثم  
اتاه اخر فسألہ عن تلك المسئلة  
بعینھا قال ہی واحد وهو املاک  
بھا ثم اتاه اخر فسألہ عن تلك  
المسئلة بعینھا فقال یس بطلاق  
فاظلم علی البیت لیس آیت  
منہ فالتمت الی فقال با ابن ایشم ان

موسیٰ بن ایشم کہتا ہے میں امام جعفر کے پاس  
بیٹھا تھا ایک آدمی آیا اس نے ایسے آدمی  
کے متعلق پوچھا جس نے ایک مجلس میں بیوی  
کو تین طلاق دی تھیں۔ فرمایا اس سے جدا  
ہو گئی تین طلاقیوں کی وجہ سے۔ دوسرا  
آدمی آیا بعینہ یہی مسئلہ پوچھا فرمایا ایک  
طلاق ہوئی تیسرا آیا اور یہی سوال کیا فرمایا  
کوئی طلاق نہیں موسیٰ کہتا ہے امام کے اس  
فعل سے میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا  
چھا گیا امام میری طرف متوجہ ہوئے اور

اللہ تعالیٰ فوض الملک  
الی سلیمان فقال هذا عطایا  
فامنن او امسک بغیر  
حساب وان اللہ تعالیٰ فوض الی  
عمدا مردینہ فقال ما انکر الرسول  
تخذہ وما فککم عند فاقتموا فاکات  
الی محمد فقد فوض الی بنا۔

فرمایا ابن ایشم اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان  
کو حکومت دی اور فرمایا یہ ہمارا انعام ہے جو چاہے  
کر کوئی پر سس نہیں نبی کریم کو اللہ نے دین  
کی نعمت عطا کی اور فرمایا رسول جو تمہیں دین  
لے لو اور جس سے منع کریں رک جاؤ۔ اسی  
طرح یہ دین ہمارے سپرد ہوا ہم جو چاہیں  
کریں۔

اسی صفحہ پر یونس کے بھی سی روایت بیان ہوئی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دین کے معاملے میں جو مقام اور اختیارات حضور کو حاصل تھے  
وہی امام کو بھی حاصل ہیں نبی اور امام میں کوئی فرق نہیں البتہ نبی سے جب قرآن بدل  
دینے کا مطالبہ ہوا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ ما یكون لی ان ابدله من تلقا نفسی  
ان اتبع الامایوی انی۔ گویا امام بھی وہی کہتے جو وحی کے ذریعے کہلوا یا جاتا۔ گویا ختم نبوت  
کا عقیدہ شیعہ کے ہاں مسلم نہیں۔

۵۔ رجال کشی ص ۸۷ عمر بن ربیع نے امام باقر کے تفسیر کرنے پر شیعہ مذہب سے  
توجہ کر لی۔

فاننا نزم انه سأل اباجعفر عن مسئلة فاجابه  
فیھا بجواب ثم عاد الیہ فی عام اخر وزعھر  
انه سألہ عن تلك المسئلة بعینھا فاجابه  
فیھا بخلاف الجواب الاول فقال لابی  
جعفر هذا بخلاف ما اجبتنی فی  
هذه المسئلة عافک الامامی  
فذا کرانا قال له ان جوابنا خرج  
علی وجه التقیة فشک فی امرک واما منہ۔

عمر بن ربیع کا خیال ہے اس نے امام باقر  
سے ایک مسئلہ پوچھا انہوں نے بتا دیا۔  
دوسرے سال آکر وہی مسئلہ پوچھا امام نے  
اس کے الٹ جواب دیا۔ اس نے کہا تیرے  
سال آپ نے اس کے الٹ بتایا تھا۔  
فرمایا ہمارا وہ جواب تفسیر کی وجہ سے  
تھا اسے امام کے مذہب اور ان کی امامت  
میں شک پڑ گیا۔

ظاہر ہے کہ جب دین کے مسائل بتانے میں تفسیر کا سکہ چلتا ہے تو کے خبر تخی کیا ہے ہاں  
کیا ہے بلکہ دلتوق سے یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ امام کا اپنا مذہب کیا ہے۔ تفسیر کا ہتھیار ممکن  
ہے کہیں کام آسکے مگر اس کا یہ اثر تو یقینی ہے کہ ائمہ کا مذہب ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

۶۔ بصائر الدرجات ص ۹۶

جس نے ہماری طرف منسوب حدیث سنی  
اور ہم سے روایت کی گئی حدیث سنی اس  
کے دل نے اس حدیث کا انکار کیا یا اس  
حدیث کے ماننے والوں کو اس نے کافر کہا  
اور وہ نہیں جانتا کہ شاید یہ حدیث ہم سے  
بیان کی گئی ہو۔ پس وہ حدیث کا منکر اور  
ہمارے دین سے خارج ہو گیا۔

الذی اذا سمع الحدیث یغیب البینا  
ویروی عننا فلو یحتملہ قلبہ  
واشہد منہ جحدہ واکفر  
من دان بہ ولا یدعی  
لحل الحدیث من عندنا  
خرج والینا اسند فیکون بذلك  
خارجا من دیننا۔

حدیث قبول کرنے کے لیے یہ شرط نہیں کہ امام سے ثابت ہو صرف امام سے منسوب  
ہونا کافی ہے ظاہر ہے کہ یہاں ثبوت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا سارا کام نسبت پر چلتا  
ہے۔ مشکل یہ ہے کہ ایک طرف بتایا جاتا ہے کہ امام سچی بات اپنوں کو بھی نہیں بتاتے دوسری  
طرف اتنی پابندی کہ امام کی بھوٹی بات کا انکار کرنے والا دین سے خارج۔ بچاؤ کی کوئی  
صورت نہیں۔

ان روایات کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ ائمہ نے اپنا صحیح مذہب کسی کو نہیں بتایا۔

۲۔ ائمہ عموماً بھوٹے فتوے دیتے تھے اور ارادۃ لوگوں کو گمراہ کرتے تھے۔

۳۔ ائمہ کو اختیار ہے کہ اللہ ورسول کے جس حلال کو چاہیں حرام قرار دے دیں اور اس  
کے برعکس۔

۴۔ ائمہ کو منزل من اللہ مخصوص لفاظوں میں یہ ہدایات دی گئی تھیں دین حق پھیلاؤں  
توف اور امن پر حالت میں اللہ سے ڈریں مخلوق سے نہ ڈریں مگر ائمہ نے ہمیشہ ٹھیک

ان ہدایات کے خلاف کام کیا۔ اور اس کے باوجود معصومین بھی ہیں اور صادقین بھی۔

بارہویں امام کے متعلق سید نعمت اللہ الجزائری محدث کا ذاتی واقعہ

الوارثینماہ ۱۳۸۱ھ سید صاحب بیان کرتے ہیں ہم ۲۳ھ میں تجارت کی غرض سے  
گھر سے نکلے۔

اتفاق ایسا ہوا کہ کتاب مال کی رغبت  
میں ہم سمندر میں چلے جا رہے تھے سنی کہ ہم  
ایک ایسی جگہ جا اترے جو عظیم جزیرے تھے  
درختوں کی کثرت تھی۔

وافقنا من رنا فی البحر ونعدینا الجہات  
التي کنا نفضل الیها ورغبنا فی المکاسب ولم  
یذل علی ذلک حتی وصلنا علی جزائر  
عظمت کثیرة الاشجار۔

ہم نے جزیرے کا نام پوچھا معلوم ہوا اس کا نام مبارک ہے بادشاہ کا نام ظاہر ہے  
دار الحکومت ظاہر ہے ہم دن بھر چلے رہے زاہر یہ پتھری ایسا خوبصورت شہر کہیں نہ دیکھا  
تھا تعجب ہوا کہ شیر چیتے سانپ وغیرہ باندھے ہوئے ہیں کسی کو گزند نہیں پہنچا سکتے ہمیں  
بادشاہ کے سامنے حاضر ہونے کا حکم ملا۔

مخضرنادارہ ودخلنا الی بتان فی وسطہ  
قبۃ من فضتہ والسلطان فی تلک  
القبتہ وعدنا جماعتہ..... ہولاء

ہم اس کے گھر میں داخل ہوئے ایک باغ  
کے درمیان ایک پناہ دی کے قبر میں بادشاہ  
بیٹھا گرد ایک جماعت تھی۔

قادمون؟ فلنا نعم وکانت تحتھو  
ای نجتہ الناس لہ ومخاطبتھو یا  
بن صاحب الامر فقال خیر مقدم  
..... فقال اننا ظاہر بن محمد  
بن الحسین بن علی بن محمد  
بن علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد  
بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب

پوچھا یہ نو وارد ہیں ہم نے کہا جی ہاں  
لوگ اسے یا ابن سائب الامر کے  
پکارتے تھے۔ پھر اس نے ہمیں خوش آمد کہا  
پھر اس نے کہا میں ظاہر بن محمد.....  
... بن علی بن ابی طالب ہوں پھر ہمیں  
مہمان کے طور پر بٹھرنے کا حکم ہوا ہم آٹھ دن  
مہمان رہے۔ شہر کا کوئی ایسا آدمی نہیں جو

ثم امرنا باقامة الضيافة فبقينا على ذلك ثمانية  
ايام ولم يبق في المدينة احد الا اجاعنا .....  
وبقينا في تلك المدينة سنة كاملة فخلنا و  
تخفتنا ان المدينة مسيرة شهرين وبعدها  
مدينة اسمها الرابطة سلطانها القاسم  
بن صاحب الامر مسيرة ملكها شهرين وهي  
تلك القاعدة وبعدها مدينة الصافية سلطانها  
ابراهيم بن صاحب الامر وبعدها مدينة اخرى  
اسمها ظلم سلطانها عبد الرحمن بن صاحب الامر  
مسيرة شهران وبعدها مدينة اخرى اسمها  
غناطيس سلطانها هاشم بن صاحب الامر  
وهي اعظم دخلا ومسيرة ملكها اربعة اشهر  
فيكون مسيرة هذه المدن الخمس المملكة  
مقدار سنة لا يوجد في اهل تلك  
الخطط والضياع غير المؤمنين  
الشيعة القائل بالبروة والولاية  
..... سلاطينهم اولاد امامهم  
يحكمون بالعدل ويدينون  
وليس على وجه الامراض قتلهم  
ولو جمع اهل الدنيا لكانوا اكثر  
عددا منهم على اختلاف الاديان والمذاهب  
ولقد اتقنا عندهم سنة كاملة متروك  
ورد صاحب الامر عليهم لانهم زعموا انهم

ہماری مابا تین کو نہ آیا جو ہم اس شہر میں پورا  
ایک سال رہے ہم نے تحقیق کی شہر کی وسعت  
۲ ماہ کی مسافت کے برابر ہے پھر دوسرے شہر  
میں گئے اس کا نام رابقر ہے اس کا بادشاہ  
صاحب الامر کا دوسرا بیٹا قاسم تھا۔ اس کی  
وسعت بھی اتنی تھی۔ پھر ہم شہر صافیہ میں گئے  
اس کا بادشاہ صاحب الامر کا تیسرا بیٹا ابراہیم  
تھا پھر ہم شہر ظلم میں گئے اس کا بادشاہ صاحب  
الامر کا چوتھا بیٹا عبد الرحمن تھا۔ پھر ہم غناطیس  
میں گئے اس کا بادشاہ صاحب الامر کا پانچواں  
بیٹا ہاشم تھا یہ سب سے زیادہ وسیع حکومت  
تھی اس کی وسعت ۴ ماہ کی مسافت کے برابر  
تھی ان پانچ حکومتوں کی وسعت ایک سال  
کی مسافت تھی ان ممالک میں شیعہ مؤمنین  
کے بغیر کوئی نہیں رہتا تھا جو سب ولایت اللہ  
کے قائل اور تہمیر باز تھے۔ ان کے بادشاہ  
امام مہدی کے لئے تھے ایسے عدل و انصاف  
سے حکومت کرتے تھے کہ ان کی نظیر دنیا میں  
نہیں ملتی۔ اگر تمام دنیا کے تمام مذاہب کے  
لوگ جمع کئے جائیں تو ان کے مقابلے میں شیعہ  
مؤمنین کی تعداد زیادہ تھی ہم وہاں سال  
بھر رہے۔ صاحب الامر کی آمد کے منتظر رہے  
لوگوں کا خیال تھا کہ اس سال امام آئے گا۔

وردده فلم يرافقنا الله انظر اليه .....  
مگر اللہ نے ہمیں زیارت کا موقع نہ دیا۔  
آخر میں محدث فرماتے ہیں کہ شیخ مفید کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ وادی  
یمن میں ہے۔

في اليمن واديقال له شمر ورجوشميريج  
ولعل هذا هو اسم المكان الذي يختص  
بمعدية السلام۔  
یمن میں ایک وادی ہے جس کا نام شمر ورج  
یا شمر جج ہے شاید یہ نام اس جگہ کا ہے جو  
امام مہدی کے لیے مختص ہے۔

محدث صاحب کا بیان بڑا دلچسپ اور ایمان افروز ہے مگر چند سوال ذہن میں  
اچھرتے ہیں

(۱) یہ واقعہ ۲۲ھ کا ہے۔ یہ پتھراوردھات کے زمانہ کی بات ہے نہ زمانہ قبل از تاریخ  
کی بلکہ غلطے عیار کے دور کی بات ہے اس عہد کی تاریخ مختلف قوموں نے مختلف  
زبانوں میں لکھی ہے۔

(۲) چھٹی صدی ہجری میں کرہ ارض پر کسی ایسی سلطنت کا وجود نہیں پایا جاتا جس کی آبادی  
خالص شیعہ مومنین کی ہو۔

(۳) اس حکومت کی وسعت سال بھر کی مسافت کے برابر ہے۔ مسافت کا پیمانہ یہ بدل  
سفر ہی سمجھا جاسکتا ہے اس طرح ۳۶۰ منزل بنتی ہے ایک منزل ۱۸ میل کی ہوتی  
تھی اس طرح ۶۴۸۰ میل بنتے ہیں اگر یہ فاصلہ سلطنت کے ایک سرے سے دوسرے  
سرے تک سمجھا جائے تو دنیا کوئی ایسا ملک بلکہ اعظم بھی نہیں ملتا جس میں خالص شیعہ  
آباد ہوں۔ لطف یہ کہ یہ وادی ملک یمن میں ہے۔ یمن کا رقبہ دیکھئے پھر اس  
وادی کی وسعت دیکھئے اور اس وادی کو یمن میں رکھ کے دیکھئے۔

(۴) امام مہدی کے بیٹے تو مزے سے حکومت کر رہے ہیں اور خود امام ابھی تک غائب  
ہے۔ کسی کے ڈر سے یا کسی حکمت کے تحت۔ ڈر تو ہونہیں سکتا کیونکہ امام کی برأت  
اور شجاعت پر حرف آتا ہے اور حکمت پہلے بیان ہو چکی ہے کہ

(۱) اگر ۱۳ھ خالص شیعہ ہوتے تو امام ظاہر ہو جاتا۔

(ب) اگر کم سے کم، اچھے شیعہ دنیا میں موجود ہوتے تو امام ظاہر ہو جاتا۔  
 تو معلوم ہوا کہ امام کے پانچوں بیٹوں کی وسیع سلطنت میں جو سارے کے سارے  
 خالص شیعہ مؤمنین بستے ہیں وہ کروڑوں سے کیا کم ہوں گے مگر ان میں، انفرقی  
 خالص سچے شیعہ نہیں ہیں۔ بلکہ سب منافق ہیں اور صاحب الامر کے بیٹوں کے  
 ساتھ کہیں وہی سلوک نہ کریں جو ان کے اجداد نے امام حسین کے ساتھ کیا تھا۔  
 (۵) اگر محدث الجزائر اس طویل سچی آپ بیتی کے بعد اتنا فرمادیتے کہ  
 ”پھر میری آنکھ کھل گئی“ تو مطلق کوئی تعجب نہ ہوتا۔ ویسے تو یہ معہ ہی معلوم ہوتا ہے۔

## مسئلہ امامت اور خاندان نبوت کی خانہ جنگیاں

امامت کے متعلق شیعہ کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ امامت کا منصب اللہ تعالیٰ  
 کی طرف سے ملتا ہے اور وہی امام مقرر کرتا ہے۔ مگر اس کے برعکس واقعات ایسے ملتے  
 ہیں کہ اس مسئلہ پر بڑے بڑے اختلافات اور جھگڑے ہوتے رہے۔ چند ایک واقعات  
 پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت علی کا اختلاف اصول کافی ص ۱۵۸

اسی طرح اللہ کا حکم اس رات میں نازل  
 ہوتا ہے رسول خدا سے یہ بات سننے کے  
 بعد بھی انکار کر دے تو اللہ تمہیں جہنم میں داخل  
 کرے گا جیسا اس نے تمہاری آنکھ پھوڑی  
 جب تم نے علی بن ابی طالب کے سامنے انکار  
 کیا تھا۔ ابن عباس نے کہا ہاں میری آنکھ  
 اسی وجہ سے پھوٹی پھر امام نے فرمایا تمہیں  
 کیا خبر بخدا ابن عباس کی آنکھ فرشتہ کے پتہ  
 مارنے سے پھوٹی۔ امام کہتے ہیں کہ پھر مجھے

ہكذا حکم اللہ لیلۃ ینزل فیہما  
 امرہ ان حجدتہا بعد ما سمعتہا  
 من رسول اللہ فادخلک النار کما  
 اعمی بصرک یوم حجدتہا علی  
 علی بن ابی طالب قال فذلک  
 عمی بصری وقال وما علمک  
 بذلک فواللہ ان عمی بصرہ  
 الا من صفقتہ جناح الملک قال  
 فاستضحکت ثم ترکته یوم ذلک

لسخافة عقله ثم لقیته فقلت  
 یا ابن عباس ما تکلمت  
 بصدق مثل الامس قال لک  
 علی ابن ابی طالب ان لیلۃ  
 القدر فی کل سنة وانہ ینزل  
 فی تلك اللیلۃ امر السنة  
 وان لذلک بولایۃ امر بعد  
 رسول اللہ فقلت له من  
 هو قال انا واحد عشر من  
 صلیب الائمة محدثون  
 فقلت لا اراها کانت الامم  
 رسول اللہ فتیدی لک  
 المسک الذی یحدثہ فقال  
 کذبت یا عبد اللہ سأت  
 عینک الذی حدثک  
 به علی ولم تر عینا  
 ولكن وعاء قلبه  
 ووقرت سمعه ثم  
 صفقت بحناحہ فعمیت قال  
 وقال یا ابن عباس  
 ما اختلفنا فی شیء فحکمنا الی  
 اللہ فذلک حکم اللہ فی حکم حکمنا  
 قال لافقت ههنا هکت واهکت۔

بہنسی آگئی۔ پھر میں نے ابن عباس سے کلام  
 کرنا ترک کر دیا۔ کیونکہ وہ ایک احمق شخص تھا  
 پھر اس سے میری ملاقات ہوئی میں نے کہا  
 ابن عباس! تم نے ایسی سچی بات کبھی نہیں  
 کی جیسے کل کی تم سے علی نے کہا تھا کہ ہر سال  
 لیلۃ القدر میں سال بھر کے احکام نازل ہوتے  
 ہیں یہ منصب حضور کے بعد اہل بیت کو حاصل  
 ہے تم نے پوچھا وہ کون لوگ ہیں علی نے فرمایا  
 وہ میں ہوں اور میری اولاد سے گیارہ ائمہ۔  
 تم نے کہا ایسا نہیں بلکہ میں تو یہ بات نبی کریم سے  
 محض سمجھتا ہوں پھر فوراً وہ فرشتہ ظاہر ہوا  
 جو علی سے باتیں کر رہا تھا اس نے کہا ابن  
 عباس تو بھوٹا ہے میری آنکھوں نے وہ  
 دیکھا جو علی نے کہا۔ اور فرشتہ کی آنکھ نے  
 نہیں دیکھا بلکہ اس کے دل نے یاد کر لیا جو  
 سنا۔ پھر اس نے اپنا پڑ مارا اور تم اندھے  
 ہو گئے۔ علی نے کہا جس بات میں ہمارا  
 اختلاف ہو جائے فیصلہ اللہ کی طرف سے  
 ہوتا ہے تم نے انکار کے رنگ میں کہا کیا ایک  
 امر میں اللہ کے فیصلے متضاد بھی ہوتے ہیں علی  
 نے کہا نہیں امام فرماتے ہیں اس وقت میں  
 نے کہا ابن عباس تو خود بھی ہلاک ہوا اور رسول  
 کو بھی ہلاک کیا۔

سنائی شرح کافی میں ہلکت و اہلکت کا ترجمہ "جہنمی شدی و جہنمی کردی" لکھا ہے۔  
خلاصہ کلام یہ ہوا کہ :-

- (۱) حضرت علی فرماتے ہیں کہ بارہ امام رسول کریم کی مانند ہیں۔
- (۲) اماموں پر شب قدر میں برسال اللہ کی طرف سے نئے احکام نازل ہوتے ہیں جیسے حضور پر نازل ہوتے تھے۔
- (۳) حضرت عبداللہ بن عباس کا ان دونوں امور میں اختلاف تھا۔ وہ اسے حضور سے مختص سمجھتے تھے۔ اور حضرت علی کے بیان کردہ عقیدہ سے یہ ماننا لازم آتا ہے کہ (۱) نبوت ختم نہیں ہوئی یعنی ختم نبوت کا عقیدہ غلط ہے۔
- (ب) اسلام دین کامل نہیں اور حضور اسے ادھورا چھوڑ گئے یہ کسی اماموں پر نزول احکام کے ذریعے پوری ہوتی رہتی ہے۔
- (ج) قرآن مکمل اور آخری کتاب نہیں بلکہ نزول وحی کا سلسلہ بارہ اماموں تک جاری رہے گا۔

(د) کتاب اللہ اور سنت رسول نجات اور ہدایت کیلئے کافی نہیں۔ اور ابن عباس یہ باتیں ماننے کے لیے تیار نہ تھے لہذا انقدر مزایہ ملی کہ فرشتے کے پر مارنے سے نابینا ہو گئے اور آخرت میں جہنم کی بشارت سنائی گئی۔

معلوم ہوا کہ امامت کے سلسلے میں پہلے امام سے ان کے چچا زاد بھائی نے اختلاف کیا وہ بھائی جس نے رسول کریم سے قرآن سنا سیکھا اور بھیا اور حضور سے ہی دین سیکھا اور اپنا یا جسے اسلامی دنیا ترجمان قرآن اور جبر الامہ کہتی ہے۔ امامت کے متعلق ان کا عقیدہ وہی تھا جو اسلام سکھاتا ہے البتہ دین شیعہ کے مطابق نہیں اس لیے بقول شیعہ امامت کے مسلمان اختلاف روز اول سے اور گھر سے ہی شروع ہو گیا۔

جب عباسیوں کا دور حکومت آیا تو اس دور سے کہ خلفائے عباسی اپنے اسلاف کی توہین برداشت نہ کرتے ہوئے کہیں شیعہ کے خلاف استقامی کارروائی شروع نہ کر دیں، شیعہ نے ابن عباس کی تعریف میں روایات گھڑنا شروع کر دیں۔ اور شیعہ مجتہد مولوی محمد نے

فیصلہ دیا کہ جن روایات میں ابن عباس کی توہین پائی جاتی ہے وہ شیعہ کے نزدیک صحیح نہیں ہیں (دیکھئے ان کی کتاب تائید المہاجر) اور اپنے فیصلے کو مضبوط بنانے کے لیے فرمایا کہ اگر یہ روایات صحیح ہوتیں تو علمائے شیعہ امام معصوم کے فرزند عبداللہ بن عباس کی طرح ابن عباس کو بھی برا سمجھتے مگر روایات کے صحیح یا موضوع ہونے کا فیصلہ لوہیں نہیں ہوتا بلکہ فن رجال سے ہوتا ہے اگر یہ روایات عند الشیعہ صحیح نہیں ہیں تو کتب رجال میں ان کے روایات پر جرح موجود ہوتی مگر ایسا نہیں پایا جاتا اس لیے یہ بات محض عباسیوں سے ڈر کر تفسیر کرنے کی ایک آسان صورت ہے۔

اگر عباسیوں کی طرح خلفائے ثلاثہ کے خاندانوں میں حکومت اور اقتدار آجاتا تو خلفائے ثلاثہ کی توہین کے متعلق روایات کو بھی شیعہ موضوع قرار دے دیتے اور ان کی مدح میں روایات گھڑ لی جاتیں۔ مگر وہ مدح جو موضوع روایات کے ذریعے کی جائے اور وہ مدح جو خود خدا اپنی کتاب میں کرے بجا ایک جیسی ہو سکتی ہے مدح و عین قرآن چھوٹے مداحوں سے بے نیاز ہیں۔

شیعہ کے نزدیک مدعی امامت بھی کافر ہے اور منکر امامت بھی اس لئے ابن عباس امامت کا انکار کر کے شیعہ کے نزدیک کافر ہو گئے اور جہنمی قرار پائے۔ چنانچہ رجال کشی ص ۱۶ پر ابن عباس کو بھیڑیا کہا گیا ہے۔

۲۔ امام حسین کی شہادت کے بعد امامت پر اختلاف کا دور واقعہ پیش آیا۔

محمد بن الحنفیہ نے امامت کا دعویٰ کیا۔ کہ حضرت علی کے بیٹے اور زین العابدین کے چچا تھے۔ انہوں نے زین العابدین کی امامت کا انکار کیا آخر یہ مقدمہ جبر اود کے سامنے پیش کیا گیا۔ احتجاج طبرسی ص ۱۲۱ اور اصول کافی۔

اگر تو حقیقت بانٹنا چاہتا ہے تو آجر اسود کے پاس چلیں اس کو حکم بناؤں امام باقر کہتے ہیں کہ ان میں یہ گفتگو مکہ میں ہوئی دونوں جبر اسود کے پاس آئے۔ امام زین العابدین

فاردت ان تعلم فالطلق بنالی الحجر الاسود  
حقن تحام الیہ و سألہ من ذلك قال  
الباقر دکان الکلام بینہما و ہما بکفۃ  
فانطلقا حتی ایتا الحجر الاسود فغالی علی



بن الحسين محمد بن الحنفية ابتداء و  
 ابتدل الى الله واسأله ان ينطق لك  
 ثم سئله فابتدل محمد في الدعاء وسئل  
 الله ثم دعا المحرق فوجبه فقال علي بن  
 الحسين اما انك يا عم لو كنت وصيا و  
 اما ما لاجابك فقال له محمد فادع انت  
 يا ابن اخي فدعا الله على بن الحسين بما  
 اراد ثم قال اسئلك بالذي جعل فيك  
 ميثاق الانبياء وميثاق الاوصياء و  
 ميثاق الناس اجمعين لما اخبرتنا  
 بلسان عربي مبين من الوصي  
 والامام بعد الحسين بن  
 علي ابن ابي طالب فتحرك  
 الحجر حتى كاد ان يزول عن  
 موضعه ثم انطقه الله بلسان  
 عربي مبين فقال اللهم ان الوحيه  
 والامامه بعد الحسين بن علي ابن ابي طالب  
 بنت رسول الله فاهرت محمد وهو  
 يتولى علي بن الحسين -

نے کہا چچا آپ ابتدا کریں گوا کر اللہ سے  
 دعا کریں۔ اس پتھر کو اللہ گویا بی عطا فرمائے  
 پھر اس سے پوچھو چچا نے ایسا ہی کیا مگر پتھر  
 نے کوئی جواب نہ دیا نتیجے نے کہا چچا! اگر  
 آپ امام اور وصی ہوتے تو مجھ کو سودا آپ  
 کو لازماً جواب دیتا۔ چچا نے کہا اب تم دعا  
 کرو زین العابدین نے دعا مانگی اور کہا  
 اے مجھ کو سودا میں تجھے اس ذات کا واسطہ  
 دے کر پوچھتا ہوں جس نے تیرے اندر انبیاء  
 اوصیاء اور تمام انسانوں کا عہد رکھا ہے  
 عربی زبان میں صاف بتا دے کہ امام حسین  
 کے بعد وصی اور امام کون ہے مجھ کو سودا میں  
 جنبش آئی قریب تھا کہ اپنی جگہ سے ہٹ  
 جائے۔ پھر اللہ نے اسے گویا بی دی اور  
 کہا اے اللہ حسین کے بعد امامت اور وصیت  
 علی بن حسین اور فاطمہ بنت رسول اللہ کے  
 بیٹے کے لیے ہے یہ سن کر محمد بن الحنفیہ والی  
 ہوئے اور وہ امام زین العابدین کے دوست  
 بن گئے۔

خلاصہ :- (۱) محمد بن الحنفیہ نے اپنے بیٹے امام زین العابدین کے مقابلہ میں امامت  
 کا دعویٰ کیا اور عدلی امامت شیعہ کے نزدیک کافر ہے۔

۲ - امام زین العابدین کے پاس کتاب اللہ اور سنت رسول سے کوئی دلیل نہیں تھی  
 اس لیے مجھ کو سودا کو حکم بنایا اگر امامت کے لیے کوئی نص ہوتی تو پیش کرتے معلوم ہوا کہ

امامت کے مفہوم ہی ہونے کی شکل بعد کی تیار کر دہ ہے۔  
 ۳ - امامت جیسے عظیم منصب کے لیے دلیل شرعی ہونا ضروری ہے جو کتاب اللہ یا  
 سنت رسول سے ہو پتھر خواہ کتنا مقدس کیوں نہ ہو اس کا فیصلہ دلیل شرعی نہیں بن سکتا۔  
 ۴ - بارہ لفاظوں والا معاملہ بھی گور بڑ نظر آتا ہے۔ ورنہ بچکے سے چچا کے کان میں کہہ دیتے  
 کہ دیکھو یہ اللہ کا فیصلہ ہے۔ اسے تسلیم نہ کرنے سے اللہ کا انکار لازم آتا ہے۔  
 ۵ - حضرت علی نے اپنے بیٹے کو لفاظوں کی بات نہ بتائی۔ ورنہ دعویٰ نہ کرتے اور بقول  
 مشیخہ کافر بھی نہ ہوتے چنانچہ جلاء العیون ص ۱۱۶ پر محمد بن الحنفیہ کو کافر غیر ناجی لکھا ہے۔  
 ۶ - محمد بن الحنفیہ، دوست تو بن گئے مگر یہ ذکر نہیں کہ ان کی امامت پر ایمان بھی لائے۔  
 (۳) امامت کے مسئلہ میں امام حسن کی اولاد اور امام حسین کی اولاد میں مستقل عداوت قائم ہو گئی چنانچہ شیعہ  
 کے ائمہ معصومین نے اس دشمنی کا اظہار بڑے زہریلے الفاظ میں کیا ہے۔

احتجاج طبری ص ۱۹۲

یس منا احد الاولہ عدد من  
 اهل بیتہ فقیل لہ بنوا الحسن  
 لا یعرفون الحق؟ قال بلی  
 ولکن یحملہم الحسد  
 یمتھم۔

احتجاج طبری ص ۱۹۵ امام جعفر فرماتے ہیں۔

ولو توفی حسن بن الحسن علی  
 الذنبا والدبوا وشرب الخمر  
 لکان خیرا منا توفی علیہ۔

اگر حسن بن الحسن زنا کار، سود خوار،  
 شرانخور ہو کر مرتا تو اس حالت سے بہتر تھا  
 جس پر مرا۔  
 معلوم ہوا کہ امامت کے مسئلہ نے اہل بیت کے درمیان مستقل عداوت کا بیج بویا۔  
 امام حسن کی اولاد مسئلہ امامت کے متعلق جو خیالات لے کر اس دنیا سے رخصت ہوئی اس  
 سے بہتر تھا کہ وہ زانی ہوتے، سود خوار ہوتے یا شرابی ہوتے۔ واقعی دوسری صورت میں صرف

گناہ ہوتا کفر تو لازم نہ آتا۔

اہل بیت کی دشمنی میں نہ لگانے رکاوٹ بن سکے نہ نص کام آئی۔

۳۔ امام باقر کے زمانہ میں زید بن علی کے بیٹے نے امامت کا دعویٰ کیا اور اپنے بھائی امام باقر اور اپنے بھتیجے کی امامت کا انکار کر دیا بلکہ اعلانِ بہاد کر دیا۔ اصول کافی کی ایک طویل روایت کا آخری حصہ لیا جاتا ہے۔ جو زید بن علی زین العابدین نے راوی احوال کو سنایا۔

احوال کرتا ہے پھر زید نے مجھ سے کہا اے احوال! میں اپنے والد زین العابدین کے پاس دسترخوان پر بیٹھا تھا وہ مرغن لوٹی کے لقمے میرے منہ میں ڈالتے اور گرم لقمہ ٹھنڈا کرتے یہ پھر شہادت تھی مگر انہوں نے مجھے دوزخ کی گرمی سے بچانے کی فکر نہ کی کہ دین (امامت) کی خبر تجھے دی اور مجھے نہ دی۔

قال فقال لي يا ابا جعفر كنت احبس مع ابي على الافوان فيلقتني البصحة السينة ويبرد لي اللقمة الحارة حتى تبرد شفقة علي ولم يشفق علي من حر النار اذا اخبرك بالدين ولم يخبرني۔

احوال نے جواب دیا مگر لا جواب

میں نے کہا قربان جاؤں صرف آپ کو دوزخ سے بچانے کے لیے اس امر کی اطلاع نہیں دی انہیں اندیشہ تھا کہ آپ نے انکار کیا تو جہنم ہے اور مجھے یہ مسئلہ بتا دیا اگر قبول کروں تو نجات پاؤں اگر انکار کروں تو میرے جہنم جانے سے ان کا کیا بگڑتا۔

فقلت جعلت فداك من شفقتك عليك من حر النار لم يخبرك خاف عليك لا تقبله تتدخل النار و اخبرني فان قبلت نجوت وان لو اقبل لم يبال ان يادخل النار۔

اس روایت سے ائمہ کا یہ دستور یا اصول معلوم ہوا کہ اپنے مجبولوں کو امامت کا راز نہیں بتاتے تھے البتہ دشمنوں کو جو ان کے نزدیک مبغوض ہوتے انہیں بتا دیتے تاکہ اپنے محبوب انکار کر کے دوزخ میں نہ بن جائیں دشمن ایسا کریں تو انہیں جہنم کی سزا مناسب ہے۔

۲۔ ائمہ نے جسے امامت کا راز نہیں بتایا وہ انکار کر دے تو کوئی حرج نہیں۔

۳۔ ائمہ نے شیعوں کو امامت کا راز نہیں بتایا معلوم ہوا کہ وہ ائمہ کے محبوب ہیں۔  
۴۔ ائمہ نے شیعوں کو امامت کا راز خفیہ طور پر بتا دیا کیونکہ وہ ائمہ کے دشمن ہیں۔  
(۵) امام جعفر کی وفات کے بعد پھر امامت کا جھگڑا پیدا ہو گیا۔

(۱) امام جعفر کے پانچ بیٹے تھے۔ اسماعیل، موسیٰ کاظم، عبداللہ، علی اور محمد باقر (ع) (۲) حسب قواعد امام جعفر کے بڑے بیٹے اسماعیل کی امامت کا خدا کی طرف سے اعلان ہو گیا لازماً ان کے نام کا لفظ بھی ہو گا۔ مگر وہ اپنے والد کی زندگی میں ہی فوت ہو گئے یعنی خدا نے قبول کر ان کی امامت کا اعلان کر دیا تھا۔ یعنی خدا کو بد ہوا ہو گیا تھا۔ (۳) امام جعفر نے اپنے دوسرے بیٹے موسیٰ کاظم کی امامت کا اعلان کر دیا۔ (۴) امام جعفر نے اپنی بیوی حمیدہ مادر موسیٰ کاظم کو بھی امام بنا دیا۔ یعنی امامت کیلئے عورت بھی موزوں ہو سکتی ہے۔ حالانکہ امامت مثل نبوت ہے اور نبوت کے لیے عورت کو کبھی منتخب نہیں کیا گیا۔ (۵) شیعوں کی ایک جماعت اسی وجہ سے اسماعیل کی امامت پر سلسلہ امامت کو ختم کر کے اٹھن عشریہ سے علیحدہ ہو گئی۔

(۶) چھٹا واقعہ :-

امام حسین کے نواسے اور امام حسن کے پوتے عبداللہ محض تھے۔ محض اس لیے کہ انکی والدہ حسینی تھی اور والد حسنی۔ انہوں نے اپنے بیٹے محمد نفس زکیہ کو امام بنانا چاہا یہ بڑے متقی اور عالم تھے انہوں نے کئی بار امام جعفر سے کہا کہ میرے بیٹے نفس زکیہ کی بیعت کر لو۔ مگر امام جعفر نے نہ مانا۔ انہوں نے غصہ میں آکر کہا کہ امام حسن نے اپنے چھوٹے بھائی امام حسین کو امامت دی تھی۔ امام حسین کو کیا حق تھا کہ امامت اپنی اولاد کو دے جاتے اس امر میں اولاد حسن بلکہ قریش عبداللہ محض کے ساتھ متفق تھے (اصول کافی ص ۲۲۷)

ان چھ واقعات سے معلوم ہوا کہ :-

۱۔ امام مقرر کرانے کے لیے مختلف اوقات میں اہل بیت کے مختلف افراد کی طرف سے کوششیں ہوتی رہیں۔

- ۲ - ان کوششوں میں معاملہ اختلاف رائے سے گزر کر جھگڑے تک پہنچتا رہا۔
- ۳ - آسمانی منزل من اللہ لغافوں والی بات اگر فرضی نہ ہوتی تو کسی ایک موقع پر سی افافوں کا حوالہ دے کر بات ختم کی جاسکتی تھی۔
- ۴ - لوگ اپنے اختیار سے اپنی پسند کے مطابق امام مقرر کرتے رہے اس لیے امام کا تقرر خدا کی طرف سے ہونا محض ڈراوا ہے۔
- ۵ - امامت کے مسئلہ پر انبیاء زوکیا اہل بیت میں بہت کم اتفاق رائے ہوا ہے۔ اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ نہ ضروریات دین سے ہے نہ منصوصی ہے۔
- ۶ - کسی اختلاف کے موقع پر فیصلہ کے لیے کوئی نص پیش نہیں کی گئی۔
- ۷ - باغ فدک کے سلسلے میں صدیق اکبر نے حضور کی حدیث پیش کی تو حضرت فاطمہ مطہرین ہو گئیں اور اس سلسلے میں پھر کبھی بات نہیں اٹھائی مگر شیعہ اب تک مطہرین نہیں کہتے ہیں کہ اگر حدیث ہوتی تو فاطمہ سے کیونکر پوشیدہ رہتی یعنی گیارہ درختوں والی حدیث اہل بیت سے پوشیدہ رہنا ممکن نہیں تو امامت کے بارے میں کوئی نص ہوتی تو ائمہ سے کیونکر پوشیدہ رہتی اور وہ کیوں نہ پیش کرتے معلوم ہوا لغافوں والی بات اور نص کا دعویٰ دونوں بے بنیاد ہیں۔

## امام مظلوم

حضرت امام حسین نے وطن سے دور جس بے نوائی کی حالت میں اپنے جان جان آفرین کے سپرد کی اور جس عظیم قربانی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے کنبہ کو شہید کر لیا اس کی مثال تاریخ انسانی میں ڈھونڈنے نہیں ملے گی۔ دیکھنا یہ ہے کہ اسلام کے اس عظیم فرزند پر یہ مصائب کس جانب سے آئے کون سے ہاتھ ان کے لیے آگے بڑھے اور کیوں۔

اس واقعہ کے عینی شاہد یا تو قاتل ہیں یا مقتولین کے گروہ میں سے جو بچ گئے۔ اس لیے سادہ طریق تحقیق تو یہ ہے کہ بچے چھ مظلومین سے پوچھا جائے کہ تمہارا قاتل کون ہے اور قاتل گروہ سے پوچھا جائے کہ تمہارا جواب دعویٰ کیا ہے۔ اگر مدعی کے

بیان کے بعد ملزم اپنے جرم کا اقرار کر لے تو کسی شہادت کی ضرورت باقی نہیں رہتی اور اقرار جرم کے بعد ملزم، ملزم نہیں رہتا بلکہ مجرم قرار پاتا ہے۔

موضوع ۲: ۱- قاتلین حسین کون تھے؟ شیعہ یا غیر شیعہ۔

جواب کے لیے مقدمات ۱-

(۱) مدعی کون ہے؟

(۲) مدعا علیہ کون ہے یعنی مدعی کا دعویٰ کس کے خلاف ہے۔

(۳) گواہ کون ہیں۔

(۴) کیا وہ عینی شاہد ہیں یا ان کی شہادت سماعی ہے۔

(۵) اگر یہ شہادت مدعی کے بیان کے موافق ہے تو دعویٰ ثابت اگر خلاف ہے تو مردود۔

ان امور کی روشنی میں واقعہ کا جائزہ لینا چاہیے۔

مقدمہ اول: مدعی امام حسین، آپ کے اہل بیت اور آپ کے ہمراہی میں ان پر ظلم ہوا۔

یہ خیال رہے کہ شیعہ کے نزدیک امام معصوم ہوتا ہے یعنی گناہ صغیرہ اور کبیرہ سے پاک ہوتا ہے اور مفرض الطاعت ہے۔

مقدمہ دوم: مدعا علیہ وہ تمام لوگ ہیں جنہوں نے امام کو بلایا اور ظلم سے قتل کیا۔

مقدمہ سوم: قاعدہ کی رو سے گواہ، مدعی اور مدعا علیہ سے جدا کوئی اور ہونا چاہیے۔

مقدمہ چہارم: کوئی عینی شاہد نہیں جو چشم دید واقعہ بیان کر سکے کیونکہ کربلا چشیل میدان تھا

اس کے گرد کوئی آبادی نہ تھی اس لیے جو گواہ پیش ہوگا اس کی شہادت سماعی ہوگی۔

مقدمہ پنجم: چونکہ شہادت سماعی ہے اس لیے یہ دیکھنا ہوگا کہ گواہ نے یہ واقعہ قاتلین کی

کی زبانی سنا یا مقتولین کی زبان سے جو صورت بھی ہو یہ دیکھنا ہوگا کہ شہادت مدعی کے

دعویٰ کے مطابق ہے تو قبول ورنہ مردود۔ اگر شہادت مدعی کے بیان کے خلاف ہے

تو لازم آئے کہ گواہ نے مدعی کو بھوٹا قرار دیا اور امام معصوم کو بھوٹا قرار دینے والے کی

شہادت کیونکر قبول ہو سکتی ہے لہذا کوئی ایسی روایت یا خبر خواہ کسی راوی کی اور

خواہ کسی کتاب سے لے گئی ہو تو لازماً مردود ہوگی۔

اس تحقیق کے بعد جو جرم ثابت ہو ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اسے مجرم سمجھے ورنہ وہ اس آیت کا مصداق ہوگا من یکب خطیئہ اذ انما یمیم بہ بریاً فقد اھمل بتاناً و اھما مینا

دعویٰ کی تفصیل :- ۱۔ بیانات مدعیان

۱۔ بیان مدعی ۱۔ حضرت امام حسین نے میدان کربلا میں دشمن کی فوج کو مخاطب کر کے فرمایا

ویدکم یا اھل الکوفۃ الیوم کتبکم  
وعہودکم الی اعطیتکم ہا  
واشہدتم اللہ علیہا  
ویدکم اذ عوتم ذریۃ اھل  
بیت نبیکم و نہ عمتم انکم  
تقتلون الفسک و نہم حتی  
اذا اتوکم سلمتموھم الی ابن  
زیاد و منحتموھم عن ماء  
الغلات بس ما خلفتم نبیکم فی ذریۃ  
عالمکم لا ستفاکم اللہ یوم القیامۃ۔

(ذبح عظیم بحوالہ تاریخ التوارخ ص ۲۳۵)

امام کے بیان سے دو باتیں ثابت ہوئیں

۱۔ اہل کوفہ نے امام کو خطوط لکھ کر کوفہ بلایا اور عہد دیا کہ امام کی مدد کے لیے مرنے پر تیار ہوں گے۔

۲۔ جنہوں نے خطوط لکھ کر کوفہ بلایا انہوں نے امام پر پانی بند کیا اور امام کو قتل کے لیے ابن زیاد کے حوالے کیا۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ بلانے والے شیعہ تھے یا کوفی اور گروہ تھا۔

قاضی نور اللہ شوسترسی نے مجالس المؤمنین ص ۲۵ مجلس اول میں تصریح کر دی۔

تشیخ اہل کوفہ حاجت باقامت دلیل ندارد و  
سنی بودن کوئی الامم غافل من متعدد دلیل است  
اگرچہ ابوحنیفہ کوئی است۔  
اہل کوفہ کے شیعہ ہونے کے لیے کسی دلیل کی  
حاجت نہیں کو فیوں کا تھی ہونا اختلاف اہل  
ہے جو محتاج دلیل ہے اگرچہ ابوحنیفہ کوئی تھے۔  
شیعہ عالم شوسترسی کی شہادت کے مطابق اہل کوفہ کا شیعہ ہونا اظہر من الشمس ہے۔

پھر بھی مزید دو شہادتیں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) جب مقام زیارہ پر امام حسین کو امام مسلم کی شہادت کی خبر ملی تو امام نے فرمایا  
قد اخذنا شیئحتنا یعنی ہمارے شیعہ نے ہمیں ذلیل کیا ہے (مخلاصۃ العصاب ص ۱۸)  
(ج) جملاء العیون اردو۔ امام نے معرکہ کربلا میں شیعہ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

”تم پر اور تمہارے ارادہ پر لعنت ہو۔ اے یوقایا بن جفاکار! تم نے ہنگامہ  
اضطراب و اضطراب میں ہمیں اپنی مدد کے لیے بلایا۔ جب میں نے تمہارا کہنا مانا  
اور تمہاری نصرت اور ہدایت کرنے کو آیا اس وقت تم نے شمشیر کینہ مجھ پر کھینچی۔  
اپنے دشمنوں کی تم نے یادری اور مددگاری کی اور اپنے دوستوں سے دست بردار ہوئے۔“  
ان بیانات سے ثابت ہو گیا کہ امام کو شیعوں نے بلایا۔ انہوں نے پانی بند کیا اور انہوں نے  
ہی قتل کے لیے ابن زیاد کے حوالے کیا۔

جملاء العیون میں امام کے بیان کے دوران ”شمشیر کینہ“ کا لفظ قابل توجہ ہے یعنی کوئی  
شیعہ کے دلوں میں کوئی پرانا بغض تھا اس لیے انتقام لینے کی غرض سے یہ نام لکھا گیا تاریخی  
اعتبار سے اس دیرینہ عداوت کی وجہ اس کے بغیر کیا ہو سکتی ہے کہ اسلام کے شیعہ اہلیوں  
اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پر والوں نے اہل کوفہ سے اپنا آبائی مذہب چھڑا کر اسلام کی دولت  
عطا کی اور صدیوں کی پرانی سلطنت عرب مسلمانوں کے زیر نگیں آگئی۔ آخر قومی اور مذہبی  
تصہب بروئے کار آئے رہا۔

نتیجہ یہ مدعی ۱ کے بیان کے مطابق امام غافل اہل کوفہ شیعہ تھے کوئی اور نہیں تھا۔

بیان مدعی ۱ امام زین العابدین

یا ایھا الناس تا شد کہ باللہ هل تعلمون انکم  
اے لوگو! میں تمہیں خدا کی قسم دلاتا ہوں

کتبتہم الی ابی وخذ عمرہ واعطیتمہ من  
انفسکم الحمد والمیشاق والبیعة وقالتنمرہ  
وخذلتموہ فنبأکم ما قد ماتم  
لا نفسکو وسؤة ۲ ایکو باینا عین  
تنظرون الی رسول اللہ اذ تقول  
لکم قتلتم عندرقی وانفکتم حرمتی  
فلستم من امتی قال فار تعفت  
الاصوات الناس بالبکاء ویدعوا بجنہم  
بعضنا ہمتکم وما تحملون -  
استحاج طبری طبع ایران ۱۵۹

اس بیان سے ثابت ہے کہ بلانے والوں سے مخاطب ہیں اور وہی قاتل ہیں۔ رد عمل میں ان کا اعتراف بھی موجود ہے۔  
بیان دیگر :-

لما اتی علی بن الحسین زین العابدین بالنسوة  
من کوبلا وکان مریضاً واذ انساء اهل  
الکوفة ینتدین مشققات الجیوب لدرجال  
معین یبکون فقال زین العابدین بصوت  
فئیل تھتھکتھم العلة ان هولاء یبکون و  
من قتلنا غیرہم -

(استحاج طبری ص ۱۵۹)

ملا باقر مجلسی نے جلاء العیون ص ۲۵ پر امام کا بیان انہی الفاظ میں نقل کیا ہے  
”امام زین العابدین نے باواز ضعیف فرمایا کہ تم ہم پر گریہ اور نوہ کرتے ہو  
لیکن یہ تو بتاؤ ہمیں قتل کس نے کیا ہے؟“

امام کے اس سوال اور اس لمحے کے اندر اس کا جواب پوشیدہ ہے۔  
مدعی عا کے بیان سے یہ نتیجہ نکلا کہ :-

(۱) اہل کوفہ نے خط لکھے (۲) اہل کوفہ نے امام کو دھوکا دیا (۳) اہل کوفہ نے امام کو قتل کیا۔  
(۴) اہل کوفہ شیعہ تھے (۵) قاتلین حسین کو فی شیعہ امت رسول سے خارج ہیں۔  
(۶) قاتلین حسین روئے اور ان کی عورتوں نے گریبان چاک کئے اور میں کئے بلکہ متقل  
سنت قائم کر گئے۔

یہ خیال رہے کہ دونوں مدعی معصوم ہیں اس لیے اپنے دعویٰ میں صادق ہیں۔

بیان مدعی عا زینب بنت علیؑ ہمیشہ امام حسین  
جب اسیران بنا کر بلال سے آئے کوفہ میں داخل ہوئے تو کوفہ کے مردوں اور عورتوں نے رونا  
پیشا شروع کر دیا تو حضرت زینب نے فرمایا

ثم قالت بعد حمد الله والصلوة على رسولہ  
اما بعد يا اهل الكوفة يا اهل الختل والعدا  
والخذل الی ان قالت الالبس ما قد  
لکم انفسکم ان سخط اللہ علیکم وفي الحدا  
انتم خالدون تبکون ای اجل  
واللہ فابکوا فانا کما احر  
بالبکاء فابکوا کثیرا وضحکو  
تدلیلا .....

حمد و صلوة کے بعد فرمایا اے اہل کوفہ!  
اے ظالمو! اے غدارو! اے رسوا کرنے  
والو..... بہت بُرا ہے جو تم نے اپنے لیے  
آگے بیجا ہے یہ کہ اللہ تم پر ناراض ہو اور تم  
ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہو۔ تم روتے ہو!  
ہاں روتے رہو کیونکہ تمہیں رونا ہی زیب  
دیتا ہے خوب روؤ اور کم ہنسو  
کل نبی کریم کو کیا جواب دو گے جب آپ  
پوچھیں گے تم آخری امت ہو تم نے میرے بعد  
میرے اہل بیت اور میری اولاد سے کیا سلوک  
کیا ان میں سے بعض کو قیدی بنایا بعض کو ناک و  
خون میں لوٹایا۔

اس خطبہ کا ترجمہ باقر مجلسی نے جلاء العیون ص ۲۵ پر یہ دیا ہے۔

”اما بعد اے اہل کوفہ! اے اہل مدور مکر و میل! تم ہم پر گریہ اور نالہ کرتے ہو اور خود تم نے ہمیں قتل کیا ہے! تمہارے ظلم سے ہمارا رونا بند نہیں ہوا اور تمہارے ستم سے ہماری فریاد و نالہ ساکن نہیں ہوا۔۔۔۔۔ تم نے اپنے لیے آخرت میں توشہ و ذخیرہ بہت خراب بھیجا ہے اور اپنے آپ کو ابدالآباد جہنم کا سزاوار بنایا ہے تم ہم پر گریہ و نالہ کرتے ہو حالانکہ تم خود ہی نے ہم کو قتل کیا ہے۔۔۔۔۔ تمہارے یہ ہاتھ قطع کئے جائیں اسے اہل کوفہ! تم پر واٹے ہو تم نے جگر گوشہ رسول کو قتل کیا اور پردہ دار اہل بیت کو بے پردہ کیا کس قدر فرزند ان رسول کی تم نے خونریزی کی اور حرمت کو ضائع کیا۔“

نتیجہ ۳- (۱) اہل کوفہ نے مکر و میل سے امام کو بلایا۔

(۲) امام سے غداری کی اور اہل بیت کو قتل کیا۔

(۳) یہ سب کچھ کر لینے کے بعد رونا پینٹنا شروع کر دیا۔

(۴) ان کو ابدی جہنم کی خوشخبری سنائی گئی۔

(۵) قاتل وہی تھے جو بلانے والے تھے۔ شیعہ تھے۔ تو اس جرم منکب اور

ابدی جہنم کے مستحق وہی شیعہ ٹھہرے۔

بیان مدعی عکس حضرت فاطمہ و فرزند امام حسین

استحاج طبری ص ۱۵۷

اما بعد يا اهل الكوفة يا اهل المکر والخذور  
والخيلاء ..... فکذا تبونا وکفرتمونا  
يا ايم قاتلانا حلالا واما لانا نهابا کانا  
اولادا لغرک ادکابل کما قتلتم جدنا  
بالاسد و سيوفکم يقطر من  
دمائنا هل البیت لحقہ متقدم  
قوت بذلک عینکم و فرحت قلوبکم

اما بعد اے اہل کوفہ! اے اہل مکر و فریب۔۔۔۔۔  
تم نے ہمیں جھٹلایا اور ہمیں کافر سمجھا ہمارے  
قتل کو حلال اور ہمارے مال کو غنیمت جانا  
جیسا کہ تم ترکوں کا بل کی نسل سے تھے۔ جیسا کہ تم  
نے گل ہمارے جد علی کو قتل کیا تھا تمہاری  
تلواروں سے ہمارا خون ٹپک رہا ہے سابقہ کہنے  
کی وجہ سے تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں دل

اجتراء منکر علی اللہ و مکد تمہ واللہ  
خیر الماکدین۔  
خوش ہوئے تم نے خدا کے مقابلے میں ہزرات کی  
اور مکر کیا اور اللہ اس مکر کی قرب سزا دینے والا ہے۔

دفعہ امام مظلوم کے بیان کا نتیجہ :-

(۱) کوفہ کے شیعوں نے اہل بیت کو کافر سمجھا اور ان کا خون حلال سمجھا۔

(۲) شیعوں کو اہل بیت سے کوئی پرانی دشمنی تھی۔

(۳) حضرت علیؑ کے قاتل شیعہ ہیں۔

(۴) اہل بیت کو قتل کر کے یہ لوگ خوش ہوئے۔

وہ رونا پینٹنا محض ایکٹنگ تھی۔

بیان مدعی عکس ام کلثوم ہمیشہ امام حسین

جب کوئی عورتوں نے اہل بیت کے بچوں کو صدقہ کی کھجوریں دینا شروع کیا تو مائیں صاحبہ

نے فرمایا صدقہ ہم پر حرام ہے یہ سن کر کوئی عورتیں رونے پینٹنے لگیں اس پر مائیں صاحبہ نے فرمایا

”اے اہل کوفہ ہم پر تصدق حرام ہے۔۔۔۔۔ اے زنان کوفہ تمہارے مردوں

نے ہمارے مردوں کو قتل کیا ہم اہل بیت کو اسیر کیا ہے پھر تم کیوں روتی ہو،“

(جلد العیون ص ۱۵۷)

نتیجہ ظاہر ہے۔

ان پانچ مدعیان کے بیازں میں قدر مشترک یہ ہے

(۱) اہل کوفہ نے امام حسین کو دعوت دی۔ خطوط لکھے۔

(۲) دعوت دینے والے شیعہ تھے۔

(۳) ان بلانے والے شیعہ نے امام کو قتل کیا۔ اہل بیت کو اسیر کیا ان کا مال لوٹا۔

(۴) قاتلین حسین کی عورتوں نے گریبان چاک کئے ہیں کئے۔

(۵) قاتلین حسین شیعہ امت رسول سے خارج ہیں۔

ایک اور سستی کا بیان ملاحظہ ہو جسے مدعی بھی کہہ سکتے ہیں اور گواہ بھی وہ ہے

امام باقر انہوں نے یہ واقعات لازماً اپنے والد امام زین العابدین سے سنے ہوں گے اور

وہ خود بھی بقول شیعہ امام معصوم ہیں۔

جلد العیون ص ۳۳۳

”جب امیر المؤمنین سے بیعت کی۔ پھر ان سے بیعت شکستہ کی اور ان پر شہینہ کھینچی اور امیر المؤمنین ہمیشہ ان سے بمقام مجاہد اور محارب تھے۔ اور ان سے آزار و مشقت پاتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کو شہید کیا اور ان کے فرزند امام حسن سے بیعت کی اور بعد بیعت کرنے کے ان سے عذرا ویر کر گیا۔ اور چاہا کہ ان کو دشمن کو دے دیں۔ اہل عراق سامنے آئے اور نجران کے پہلو پر لگایا اور خیمہ ان کا لوٹ لیا یہاں تک کہ ان کی کنیز کے پاؤں سے خلخال اتار لیے اور ان کو مضطرب اور پریشان کیا تاکہ انہوں نے معاویہ سے صلح کر لی اور اپنے اہل بیعت کے خون کی حفاظت کی اور ان کے اہل بیعت کم تھے۔ پس ہزار مرد عراقی نے امام حسین کی بیعت کی اور جنہوں نے بیعت کی تھی خود انہوں نے شہید امام حسین پر چلائی اور خود بیعت امام حسین ان کی گردنوں میں تھی کہ امام کو شہید کیا“

اس بیان سے بات بالکل واضح ہو گئی۔

سابقہ کینہ کے شواہد :-

فاطمہ دخترا امام حسین کے بیان میں سابقہ کینہ کے الفاظ ہیں ان کی تاریخی تعبیر یہ ہے  
۱۔ جلاء العیون ص ۲۳۲ پر بیان ہے کہ عبدالرحمن ابن ملجم نے حضرت علی کی بیعت کی تھی اور بیعت کر کے جناب امیر کو شہید کیا۔

کہا جاتا ہے کہ یہ خارجی تھا۔ مگر تاریخ سے اس بات کا نشان تک نہیں ملتا کہ خارجیوں نے کبھی حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت کی ہو۔ وہ تو حکم کھلا مخالفت تھے اور ترقیہ بھی نہیں کرتے تھے جب ابن ملجم نے جناب امیر کی بیعت کی تو شیعان علی میں شامل ہو گیا۔ یعنی حضرت علی کا قاتل بھی شیعہ تھا۔

۲۔ احتجاج طبری طبع ایران ص ۱۸۱ امام حسن کا بیان

فقال اری والله معاویۃ خیر لی  
من هؤلاء النہر یذعمون  
لی شیعة وابتغوا قتلی و  
انتبهوا ثقلی واخذوا مالی۔  
خدا کی قسم میں معاویہ کو ان اپنے شیعوں سے اچھا  
سمجھتا ہوں وہ میرے شیعہ ہونے کا دعویٰ کرتے  
ہیں اور انہوں نے مجھے قتل کرنا چاہا اور میرا مال  
لوٹ لیا۔

ان اقتباسات سے ظاہر ہے شیعوں نے حضرت علی کو قتل کیا امام حسن کو قتل کرنا چاہا اور  
ان کا مال لوٹا اور امام حسین کو قتل کر کے دم لیا۔ غالباً اسی بنا پر حضرت علی نے اپنے دس شیعہ  
دے کر امیر معاویہ سے ایک آدمی لے لینے کی آرزو کی تھی۔

فج البلاغہ جلد اول ص ۱۸۹ حضرت علی فرماتے ہیں

فاخذ منی عشرة واعطانی رجلاً منهم۔ گوا امیر معاویہ کے ساتھی ایمان اور وفاداری  
میں اتنے قابل اعتماد تھے کہ حضرت ان کا ایک آدمی لے کر اس کے بدلے دس شیخہ دینے  
کو تیار تھے۔ قرآن مجید میں ایک اور دس کی نسبت کا ذکر ہے۔

ان یکن منکم عشرون صابرون  
یغلبو ما تین۔  
اے مسلمانو! تمہارے میں صابر آدمی کفار کے  
۲۰۰ پر غالب آسکتے ہیں۔  
ممکن ہے حضرت علی نے بھی تقابل میں اسی کی رعایت ملحوظ رکھی ہو۔

امام حسن اور امام حسین کو امیر معاویہ پر استناد تھا اور انہوں نے ان دونوں کی حفاظت  
بھی کی۔ دونوں حضرات نے امیر معاویہ کی بیعت بھی کر لی اور ان سے وظیفہ بھی لیتے رہے  
اس کے برعکس شیعہ نے ایک بھائی کو قتل کرنا چاہا دوسرے کو قتل کر دیا۔  
اب مدعا علیہ کے جواب دعویٰ کو دیکھنا ہے اگر اس میں اقرار جرم موجود ہے تو  
شہادت کی ضرورت نہیں اگر انکار کرے تو گواہ ضروری ہیں۔

بیان مدعا علیہ :-

محاسن المؤمنین میں قاضی نور اللہ ثوسری بیان فرماتے ہیں

انہوں نے اعمال سیئہ فوریہ نام گشتہ | اب ہم اپنی بد اعمالیوں پر نادم ہیں چاہتے

خواہیم کہ دست در دامن توبہ و انابت  
زدیم شاید خداوند عزوجل و عطا توبہ  
مارا قبول کردہ بر ما رحمت کند و ہر کس  
از ان جماعت کہ بہر بکار رفتہ بودند عذر  
می گفتند سلیمان بن مرد گفت بیچ پاره  
نمیدانیم جز آنکہ خود را در عرصہ تیغ آوزم  
چنانچہ بسیار سے بنی اسرائیل تیغ در  
یکد گیر نہادند قال تعالی انکو ظلمتمو  
انفسکو الایہ و مجورہ شیعر زانوئے  
استغفار در آمدہ۔ ص ۲۳

میں توبہ کریں شاید اللہ تعالیٰ ہم پر رحمت فرما کر  
ہماری توبہ قبول کرے اور اس جماعت سے  
جتنے لوگ (ابن زیاد کی فوج میں امام کو قتل  
کرنے) کر بلا میں گئے تھے سب عذر کرنے لگے  
سلیمان بن مرد نے کہا اس کے سوا چارہ نہیں  
کہ ہم اپنے آپ کو تیغ بدست میدان میں لائیں  
جیسے بنی اسرائیل نے ایک دوسرے کو قتل کیا  
تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم نے اپنی  
جانوں پر ظلم کیا انچ یہ کہہ کر تمام شیعر استغفار  
کے لیے زانوئے کے بل گر پڑے۔

نوٹ۔ یہ سلیمان بن مرد وہی شخص ہے جس کے مکان میں صحیح ہو کر شیعر نے امام  
کو کوفہ آنے کا دعوت نامہ تیار کیا تھا۔

مدعا علیہ نے اقرار جرم کر لیا۔ اور توبہ بھی کر لی مگر فائدہ؟

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ ہائے اس زود پشیمان کا پشیمان ہونا  
مدعا علیہ نے اقرار جرم کر لیا۔ اور ثابت ہو گیا کہ امام حسین کے قاتل کوفہ شیعر ہیں جنہوں  
نے امام کو گھر بلا کر بے دردی سے قتل کیا۔ مگر احتیاطاً مزید چچان بین کر لینی چاہیے ممکن ہے  
کسی اور کا ہاتھ بھی ہو۔

خلاصہ المصائب ص ۲۰

لیس فیہم ستامی ولا حجازی بل  
جمیعہم من اهل الکوفہ۔

امام حسین کے قاتلوں میں کوئی ایک بھی ثانی  
یا حجازی نہیں تھا بلکہ سب کے سب کوئی تھے۔

ظاہر ہے وہ اہل کوفہ وہی تھے جو شیعر تھے اور امام کو کوفہ آنے کی دعوت دی تھی۔  
مگر حیرت ہے کہ اماموں کو قتل کرنے والوں کے متعلق شیعر کے ہاں ایک عجیب فتویٰ ہے

جلال العیون ص ۲۱۳

”احادیث کثیرہ میں ائمہ اطہار علیہم السلام سے منقول ہے کہ پیغمبروں اور ان  
کے اوصیاء کو اور ان کی ذریت کو قتل نہیں کرتا مگر ولد الذناہ اور ان کے قتل

کا ارادہ نہیں کرتا مگر فرزند ذنا فلغۃ اللہ علیہم اجمعین ان یوم الدین“

مدعیان نے ان کو فی شیعوں کو جنم کی بشارت تو دے دی تھی اب ائمہ اطہار کے اس  
فتویٰ سے ان کی دنیوی حیثیت بھی متعین ہو گئی۔ ممکن ہے کوفہ کے شیعوں کو یہ فتویٰ پہنچا  
ہو مگر علم نہ ہونے سے حکم تو نہیں بدل جاتا آخر یہ ائمہ اطہار کا فتویٰ ہے کسی عام آدمی کا نہیں۔  
ایک امر غور طلب باقی رہ گیا ہے کہ علیہ امام کے قاتلوں کو کوفہ شیعر ثابت ہو گئے مگر یزید  
کا حصہ اس میں فروز ہو گا کیونکہ وہ حاکم وقت تھا۔ مدعا علیہم سے ہی اس کے متعلق پوچھتے  
ہیں۔ شاید وہ اسے بھی اپنے ساتھ شامل کریں۔

۱۔ احتجاج طبری ص ۱۶۲ امام زین العابدین نے یزید سے سوال کیا میں نے سنا ہے تو  
میرے والد کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ یزید نے جواب دیا۔

یزید نے کہا اللہ ابن زیادہ پر لعنت کرے  
بخدا میں نے اسے تیرے والد کو قتل کرنے کا حکم  
نہیں دیا تھا اگر میں خود معرکہ کر بلا میں ہوتا  
تو انہیں ہرگز قتل نہ کرتا۔

قال یزید لعن اللہ ابن مرجانہ  
فواللہ ما امرتہ بقتل  
ایمک و لو کنت مقولیا لقتالہ  
ما قتلتہ۔

مدعا علیہ نے یزید کی صفائی پیش کر دی مگر صرف اس کا بیان کافی نہیں حالات کا جائزہ  
لیتا چاہیے۔

۲۔ خلاصہ المصائب ص ۱۱۱ جب شمر نے امام کا سر یزید کے سامنے پیش کیا اور انعام کا  
مطلب کیا تو

فخصب یزید و نظرا یدہ نظرا  
شدیدہ او قال ملاء اللہ  
رضاکک فانا و یدلک اذا  
علمت انہ خیر الخلق نعم قتلتہ

پس یزید نے غضبناک ہو کر شمر کی طرف دیکھا  
اور کہا اللہ تیری رکاب کو آگ سے بھروسے  
تیرے لیے ہلاکت ہو جب تجھے علم تھا کہ یہ ہلاکت  
مخلوق سے افضل میں تو تو نے انہیں کیوں



اخر جہ من بین یدی لاجائزۃ  
لک عندی۔

قتل کیا۔ دور ہوجامیری آنکھوں سے تیرے  
لیے کوئی انعام نہیں۔

۳۔ اور جلاء العیون ص ۵۲۹ پر ہے کہ انعام کے طالب کو قتل کر دیا۔  
اگر یزید نے قتل کا حکم دیا تھا تو شکر کہہ دیتا کہ آپ نے حکم دیا میں نے تعمیل کیا اور یہ بات  
روایت میں مذکور ہوتی۔ مگر ان میں سے کوئی صورت بھی موجود نہیں۔

۳۔ نہج الاحزان طبع ایران ص ۳۱۱

کے وار د شد غیر آور دوگفت دیدہ توروشن  
کہ ہر حسین وار د شد آن نظر غضبناک کر دو  
گفت دیدہ ات روشن مباد۔

ان روایات سے ظاہر ہے کہ مجرموں نے یزید کو بری قرار دیا ہے۔ غالباً اسی بنا  
پر امام زین العابدین کو تسلی ہو گئی اور یقین آ گیا امام حسین کے قتل میں یزید کا ہاتھ نہیں  
اس لیے انہوں نے یزید کی بیعت کر لی بلکہ جہاں تک کہہ دیا۔

انا بعد مکدرہ اشتت فامسک  
وان شئت فبح۔

دروضہ کافی، جلاء العیون)

یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ قاتلین حسین کوئی شیعہ تھے جیسا کہ مدعیان کا دعویٰ ہے  
اور مدعا علیم نے اقرار جرم کر لیا۔ البتہ ایک مسئلہ حل طلب ہے۔

اصول کافی طبع نوکلتشور ص ۱۵ پر ایک اصول بیان ہوا ہے۔

ان الاثمۃ یعدون متی یموتون و اثم  
لا یموتون الا باختیارہم۔

اس اصول کے پیش نظر چند سوالات پیدا ہوتے ہیں:-

۱۔ امام حسین کو علم تھا کہ اہل کوفہ غدار ہیں مجھے بلا کر قتل کریں گے کیونکہ امام کو ماکان  
و ما کیوں کا علم ہوتا ہے اور امام کے پاس ریشہ بھی ہوتا ہے پھر آپ کوفہ کیوں گئے؟

اگر یہ کہا جائے کہ ان کی اصلاح کے لیے گئے تھے تو خود جاتے اپنے اہل بیت کو کیوں  
ساتھ لے گئے اپنی شہادت اور اہل بیت کی رسوائی کا علم ہونے کے باوجود یہ اقدام  
کیوں کیا؟

۲۔ امام نے جب اپنے اختیار سے موت قبول کی اور اسے پسند کیا تو سالہا سال سے ان کی  
موت پر رونا پینٹنا کس وجہ سے ہے۔ اگر محبت سے ہے تو محبت کا تقاضہ ہے کہ اپنی  
پسند محبوب کی پسند کے تحت ہو۔ اگر امام کی پسند کے خلاف احتجاج ہے تو یہ بھی  
غیر معقول البتہ اپنے فعل پر ندامت ہے کہ امام کو قتل کیوں کیا تو یہ بات معقول نظر  
آتی ہے۔

۳۔ بقول شیعہ حضرت علی نے تقیہ کیا اصحاب ثلثہ کی بیعت کر کے تقیہ کرنے کا ثواب  
بھی حاصل کیا بلکہ نوحہ دین بچا لیا اور اپنی جان بھی بچالی۔ امام حسین نے تقیہ کیوں  
نہ کیا اپنے والد کی سنت کی پیروی بھی ہو جاتی۔ تقیہ کا ثواب بھی ملتا۔ جان بھی بچ جاتی  
اور اہل بیت بھی مصائب سے بچ جاتے۔

تقیہ کے فضائل کی بحث طویل ہے۔ البتہ چند ایک باتیں بیان کر دینا مناسب معلوم  
ہوتا ہے۔

۱۔ اصول کافی باب التقیہ ص ۴۸

یا ابا عبد ان لستہ اعشار السدین فی  
التقیۃ لا دین لمن لا تقیۃ لہ۔

۲۔ تفسیر امام حسن عسکری طبع ایران ص ۱۲۹

قال رسول اللہ مثل المؤمن لا تقیۃ  
لہ کمثل جسد لا ماس لہ۔

رسول خدا نے فرمایا تارک تقیہ مومن کی  
مثال ایسی ہے جیسے بدن بغیر سر کے۔

ظاہر ہے کہ جس طرح سر کے بغیر بدن بے کار ہے اسی طرح تقیہ کے بغیر ایمان کسی کام  
کا نہیں۔

۳۔ ایضاً

قال علي بن الحسين يخفر الله  
للمؤمنين من كل ذنب ويظفره  
في الدنيا ما خلا ذنبتين تركت التقية  
وتضيق حقوق الاخوان.

امام زین العابدین نے فرمایا اللہ تعالیٰ مؤمن  
کے تمام گناہ بخش دے گا اور دنیا سے پاک  
کر کے نکالے گا مگر دو گناہ نہیں بخشے گا اول  
تقیہ کا ترک کرنا دو بھائیوں کے حقوق ضائع کرنا۔

”من کل ذنب“ سے ظاہر ہے کہ شرک اور ائمہ کو قتل کرنا بھی قابل معافی گناہ ہیں یاں  
تارک تقیہ کے لیے نجات نہیں۔ گویا اہل کوفہ امام کو قتل کر کے بھی گناہوں سے پاک ہو کر دنیا  
سے رخصت ہوئے اور امام نے جان دے کر بھی کچھ نہ پایا کیونکہ ترک تقیہ کا ناقابل معافی گناہ  
ان کی گردن پر رہا۔ ہائے امام مظلوم کی دہری مظلومیت! لطف یہ کہ یہ بات امام مظلوم کے  
بیٹے کی زبان سے کھلائی گئی ہے۔

اسی وجہ سے بعد الجبار معتزلی نے اپنی کتاب مغنی میں شیعہ سے ایک سوال کیا کہ  
شیعہ کا عقیدہ ہے تقیہ ہر صورت کے وقت جائز ہے اور خوف جان ہو تو تقیہ فرض ہے  
ایسی حالت میں جو تقیہ نہ کرنے کی وجہ سے مارا گیا وہ ملعون موت مرا اس نے خدا کے حکم کے  
ضلاف ورنہ کی۔ مگر کربلا میں امام حسین نے اپنی جان ہی نہیں دی اہل بیت کو شہید  
کرایا ان پر مصائب آئے تو اس کی اصل وجہ امام حسین کا تقیہ نہ کرنا ہے اگر وہ تقیہ کر کے  
یزید کی بیعت کر لیتے تو خدا کی نافرمانی بھی نہ ہوتی اور جان بھی بچ جاتی حالانکہ امام حسن  
نے تقیہ کر کے امیر معاویہ کی بیعت کر لی۔ حضرت علی نے تقیہ کر کے خلفائے ثلاثہ کی بیعت کر  
لی۔ اس لیے آپ حضرات شیعہ کیا کہتے ہیں کہ امام حسین کی موت کس قسم کی تھی؟

ابو جعفر طوسی نے تلخیص ثانی ص ۱۱۱ پر اس سوال کو یوں نقل کیا ہے

ثو لم اعرض عليه ان زیاد الامان  
وان يبائع يزيدي كيف لو يستجب  
حقا لداه ودماء من معه من  
اهله وشيعته وحواليه ولو  
التي بيده الى التهلكة

جب ابن زیاد نے امام حسین کو اس شرط  
پر امان دی کہ یزید کی بیعت کر لیں تو امام نے  
اسے کیوں قبول نہ کیا۔ اپنی جان اور اپنے  
متعلقین کی جان بچا لیتے انہوں نے ترک  
تقیہ کر کے ان جانوں کو ہلاکت میں کیوں

و بدون هذا الخوف سوا  
اخوة الحسن الامرالى معاوية  
تكيف يجسد بين نضهما

شریعت مرتضیٰ اور ابو جعفر طوسی کی طرف سے جواب یہ دیا گیا

لہا رأی لا سبیل الی العود ولا الی  
دخول الکوفة سلك طريق الشام  
سانرا نحو یزید بن معاویہ لعلہ  
علیہ السلام بانہ علی ما بہ ارفع  
من ابن لیاذوا اصحابہ فصار علیہ  
السلام حتی قدم علیہ عمرو بن  
سعدا من العکرا العظیم وکان من  
امرہ ما قد ذکرہ سطر تکلیف یقال  
انہ السقی بیدہ الی التهلکة وقد  
ماوی انہ قال لعمر بن سعدا اختاروا  
من امبا الرجوع الی المکان الذی  
اقبلت منه وان اضع یدی علی یدی یزید  
فہو ابن عمی لیردی فی تریاہ واما  
ان یسیروا الی ثغر من ثغور  
المسدین فاکون رجلا من  
املہ لی مالہ وعلی  
ما علیہ۔

ڈالا حالانکہ ان کے بھائی امام حسن نے بلا  
خوف جان۔ حکومت امیر معاویہ کے سپرد کر دی  
تھی دونوں بھائیوں کے فعل کو کیسے علی کر کے تہ

جب امام نے دیکھا کہ مدینہ کو لوٹنے کا کوئی راستہ  
نہیں نہ کوفہ میں داخل ہونے کی کوئی صورت  
ہے تو شام کو روانہ ہوئے کہ یزید کے پاس بیٹھی  
شاید اس مصیبت سے نجات ملے جو ابن زیاد  
اور اس کے ساتھیوں سے ہو رہی تھی آپ  
روانہ ہوئے تو عمرو سعدا شکر عظیم کے راستے گیا۔  
جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے اس لیے یہ کیسے کہا جاسکتا  
ہے کہ امام نے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جان  
ہلاکت میں ڈالی۔ حالانکہ یہ روایت موجود ہے  
کہ امام نے ابن سعد سے فرمایا تم میں سے ایک  
صورت اختیار کر لو یا تو مجھے واپس مدینہ جانے  
دو یا یزید کے پاس جانے دو کہ میں اس کے ہاتھ  
میں ہاتھ دے دوں گا وہ میرے چچا کا بیٹا ہے۔  
وہ میرے حق میں جو ہائے قائم کرے ہو کرے۔ یا  
اسلامی سرحدوں کی طرف جانے دو میں مسلمانوں میں  
مل کر جہاد کروں گا ان کے ساتھ نفع نقصان میں  
شریک ہوں گا

اس بیان سے معلوم ہوا کہ امام حسین یزید سے بیعت کرنے پر راضی تھے۔ مگر فوج نے  
اس پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ معلوم ہوتا ہے ابن زیاد وغیرہ ذمہ دار لوگ امام کو گرفتار کر کے لے جانا

چاہتے تھے تاکہ انعام کے حقدار ہو سکیں۔

دوسری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ شیعان کو فوج کی بھی تقییر کر کے امام کے خلاف لڑ رہی تھی۔ گویا دو تقیوں میں تصادم ہو گیا فرق اتنا ہے کہ امام تقییر کرنے پر آمادہ ہو گئے اور فوج مملکت تقییر کر رہی تھی۔

تلخیص ثانی ص ۱۷۷ پر اس حقیقت کی نشاندہی کی گئی ہے۔

واجتمع کل من كان في قلبه  
لمرتة و ظاهره مع  
اعدائه۔

امام کے مقابل جو فوج جمع ہوئی انکے دلوں میں  
امام کی محبت اور اس کی نصرت کی آرزو تھی ظاہراً  
وہ دشمن کے ساتھ تھے۔

شریف مرتضیٰ اور طوسی نے عبد الجبار معتزلی کا جواب تو دے دیا مگر ایک اور بیچ پڑ گیا۔  
مختصر بصائر الدرجات ص ۱

قال ابو عبد الله اى الامام  
لا يعلم ما يصيبه ولا الى ما يصير  
امر فليس بحجة الله على خلقه۔

جو امام آئے والے مصیبت کا علم نہیں رکھتا اور  
یہ نہیں جانتا کہ اس کا انجام کیا ہو گا وہ امام ہی  
نہیں نہ مخلوق پر خدا کی حجت ہے۔

یعنی امام کو آنے والے مصائب کا علم تھا۔ انہوں نے اپنے اختیار اور پسند سے موت  
قبول کی جب اس کا علم تھا تو کہ بلا گئے کیوں؟ عبد الجبار کا اعتراض وہ کہ انہوں نے اپنے آپ  
کو ہلاکت میں کیوں ڈالا، بدستور قائم ہے۔ کیونکہ تقییر کا فائدہ تو جب ہوتا کہ ہلا کر بار واثہ ہونے سے  
پہلے کرتے اس موقع تقییر کے ارادہ کا اظہار بے موقع ہے اور بناوٹ معلوم ہوتی ہے۔

شیعہ حضرات کبھی یہ بھی جواب دیتے ہیں کہ یہ روایت مناظرہ کی کتابوں میں ہے حدیث  
کی کتابوں میں نہیں لفظاً محبت نہیں، یہ بات درست سی مگر ان کے بڑوں کو کیوں نہ ہو جو  
سید شریف مرتضیٰ نے ثانی میں اور ابو جعفر طوسی نے تلخیص میں اس روایت کو کیوں جگہ  
دی جب تحریف قرآن کا مسئلہ چلے تو طوسی کے دامن میں پناہ لیتے ہیں۔ یہاں طوسی  
کیوں ناقابل اعتماد قرار پایا۔ معلوم ہوا کہ امام حسین کے دامن سے ترک تقییر کا داغ دھویا  
نہیں جاسکتا اور سوال کا یہ حصہ بدستور قائم ہے کہ بتاؤ کہ تمہارے اصول کے مطابق امام حسین

کی موت کس قسم کی تھی؟

ائمہ کی موت اپنے اختیار میں ہونے کا اصول تقاضا کرتا ہے کہ

امام حسین نے یہ موت اپنے اختیار سے پسند کی ممان حسین بھی محبوب کی پسند کو محبوب  
رکھیں اور انکی یادیں اپنی جان دے دیں۔ رونایا بیٹنا جو امر دی نہیں۔

اس موقع پر ایک دو باتیں مزید مضمناً بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے

۱۔ شیعہ کہتے ہیں امام معمر رفقاء پیاسے مرے مگر حلاء العیون ص ۱۷۷

”جب پانی نہ ملا تو امام نے نیمہ کے نیچے پیلچہ مارا شیریں پانی کا چشمہ پھوٹ

پڑا امام نے خوب پیسا اور رفقاء کو بھی پلایا“

۲۔ شیعہ کہتے ہیں کہ امام کی نعش کو گھوڑوں کے نیچے روند گیا مگر اصول کافی اور حلاء العیون

ص ۱۷۷ پر لکھا ہے

”امام کی نعش پر ایک شیر آ کے بیٹھ گیا اور اس نے کسی کو امام کی نعش کے

قریب نہ آتے دیا“

ان متضاد باتوں میں سچائی کی تلاش کیجئے۔

۳۔ ملام باقر مجلسی کا بیان ہے امام کا جسم ان کی موت کے بعد آسمان پر اٹھا لیا گیا اور فرشتے

اسی کا طواف کرتے رہتے ہیں۔

”جسم تو آسمان پر گیا زمین پر کس کو روند گیا۔ کہ بلا میں روضہ کس کا بنا لیا گیا؟ روضہ

میں دفن کون ہے؟ کہ بلا میں جا کر زیارت کس کی ہوتی ہے۔ اگر میت کے بغیر

کہ بلا میں روضہ بنایا جاسکتا ہے تو ہر جگہ روضہ بنا لینے میں کیا قباحت ہے؟“

واقعہ شیعہ کے بیانات سے تضاد فرج کرنا انسان کے بس کی بات نہیں۔

اس سلسلہ میں ایک اور سوال مضمناً غور طلب ہے۔

شیعہ تسلیم کرتے ہیں امام کو ہم نے قتل کیا۔ نیز یہ کہ اس میں ہاتھ نہیں۔ پھر حیرت ہوتی

ہے کہ امام جب شیعہ تھے تو شیعہوں نے قتل کیوں کیا؟ معلوم ہوتا ہے معاملہ برعکس ہے امام

امام اہل سنت تھے ان کا مذہب وہی تھا جو باقی عرب کا تھا۔ اسی وجہ سے کوفہ کے شیعوں

(ج) امام زین العابدین کہ گئے ہیں فقہاً لکم ما تقدمت لافسکم..... فاستم من امتی

(ج) زینب بنت علی کہتی ہیں وفی العذاب انتم خالدون

(د) امام باقر کہ گئے ہیں کہ جنہوں نے بیعت کی تھی خود انہوں نے شہید امام حسین پر

کھینچی اور ہنوز بیعت امام حسین ان کی گردنوں میں تھی کہ امام کو شہید کیا۔

(و) نور اللہ شومتری شیعوں کی طرف سے کہ گئے ہیں چارہ غیلا نیم جزا نیکہ خود را در روضہ

تبع آوریم۔

اہل علم و دانش خود ہی فیصلہ کریں کہ جو امام کو دھوکا دے۔ جو حضور کی امت سے

خارج ہو۔ جس کے لیے ابدی جہنم ہو۔ جو واجب القتل سمجھا جائے اسے کامل الایمان

ہی کہیں گے؟

۴۔ صحابہ پر بہتان ہے کہ حضور کو کفار کے زہر میں چھوڑ کر بھاگ جایا کرتے تھے۔ مگر یہاں

توبات دور تک پہنچتی ہے۔ امام کو دھوکا دیا۔ گھر بلایا۔ امام کے ساتھ ہو کر زیندگی کے

خلاف لڑنے کا حلفیہ عہد دیا امام آئے تو آنکھیں بدل لیں۔ زیندگی فوج میں شامل

ہو گئے۔ پانی بند کیا۔ امام کو نہایت بے دردی سے شہید کیا۔ اہل بیت کو سوا کیا۔ ان

کا مال لوٹا۔ اس لیے کہاں وہ بہتان اور کہاں یہ تلخ حقائق۔ اور لطف یہ کہ اتنا کچھ کہ

چکنے کے بعد حجاب اہل بیت بن کر سینہ کو بی کرنا اور جلوس نکالنا۔ حالانکہ جلال العیون

۵۱۹ اور ۵۲۰ پر موجود ہے کہ رونا بیٹنا زیندگی اور اس کے گھر سے شروع ہوا۔ اس

لیے اگر زیندگی سنت سمجھ کر کیا جاتا ہے تو درست ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ جو غم مرنے والے

کے سپہندگان کو ہوتا ہے وہ کسی دوسرے کو نہیں پہنکتا۔ اور اس کا کوئی ثبوت نہیں

منا کہ اہل بیت ایسا ننگانہ نے تعزیر دلدل۔ علم پنچہ وغیرہ کے جلوس نکال کر اور اجتماعی

طور پر سینہ کو بی کر کے اظہار غم کیا ہو۔ اور اگر یہ عبادت ہے تو ظاہر ہے کہ ائمہ اور

اہل بیت سے بڑھ کر عبادت گزار یہ ماتی تو نہیں ہو سکتے ان سے یہ عبادت کیوں

چھوٹ گئی۔

ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ

نے دھوکا دے کہ امام کو بلایا اور قتل کیا۔ امام کو معلوم تھا کہ وہ شیعہ ہیں مگر ان کی اصلاح کی خاطر  
چلے گئے۔ ائمہ سے شیعوں کی پرانی دشمنی کا ذکر تحصیل سے ہو چکا ہے۔

ائمہ کے علم کی وسعت کا جو عقیدہ شیعہ کے ہاں مسلمہ ہے کہ ماکان وما یون کا علم امام کو  
ہوتا ہے اس کے پیش نظر یہ سوچنا پڑتا ہے کہ جب حضرت علی کو علم تھا کہ امام حسن نے معاویہ  
کے حق میں حکومت سے دست بردار ہونا۔ امیر معاویہ نے زیندگی کو حکومت دینی ہے اور زیندگی  
کی فوج نے امام حسین کو قتل کرنا سے تو اصل مجرم کون ہوا۔ حضرت علی یا امام حسن یا زیندگی؟  
اس نکتہ سوال کا جواب اصول کافی حصہ ۲ پر ملتا ہے امام تقی سے روایت ہے۔

فہو یحلون ما یشاؤن ویحرمون  
ہرام کر لیں۔

یعنی امام حسین نے اپنا اور اپنے ساتھیوں کا قتل حلال کر لیا، امام حسن نے اپنے بیٹائی  
کا قتل حلال کر لیا مگر جرا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس قتل کا مرتکب مجرم نہیں۔ کیونکہ نفع حلال کرنے  
والا ثواب کا مستحق ہے مجرم نہیں۔

اس سلسلے میں ایک اور بات کسی جاتی ہے کہ صحابہ نے کئی بار رسول کریم کو کفار کے  
کے ترنے میں چھوڑا اور بھاگ گئے پھر بھی اہل سنت انہیں کامل الایمان سمجھتے ہیں اگر شیعہ  
نے ایک بار امام سے یہ سلوک کیا تو کافر کیوں ہو گئے۔  
بات بڑی اونچی ہے مگر اس میں کئی قسم ہیں۔

۱۔ تاریخ سے کوئی ایک واقعہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ صحابہ نے حضور کو کفار کے ترنے  
میں چھوڑ کر بھاگ جانے کی غلطی ہو اس لیے یہ دعویٰ ہی جھوٹا ہے۔

۲۔ صحابہ کو کامل الایمان تو خود خدا کہتا ہے اور خدا کا رسول کہتا ہے۔ اس لیے جو... خدا  
اور رسول کو قابل اعتماد نہ سمجھے وہ آنادے جو چاہے کہتا پھرے۔

۳۔ اہل سنت کو کوئی حق نہیں کہ کسی کو کافر کہیں بلکہ وہ تو رٹھے والوں کو ماننے کے  
کوشش کرتے ہیں مگر اس کا کیا علاج کہ

(۱) امام حسین فرما گئے ہیں خدا خدا لانا شیعتنا

(۱) قتل امام حسین میں مدعی ائمہ معصومین اور اہل بیت ہیں ان کا دعویٰ ہے کہ ہمیں شیعوں نے قتل کیا۔

(۲) قائلین کوئی شیعہ اقرار جرم کرتے ہیں۔

(۳) گواہ امام باقر ہیں۔

اگر اس کے خلاف کوئی شخص دعویٰ کرے تو

ائمہ اور اہل بیت کا دعویٰ پیش کرے۔ مدعا علیہ کا اقرار جرم پیش کرے۔

امام جعفر یا امام باقر کی شہادت پیش کرے۔

اس کے بغیر بے سبکی بات کوئی وزن نہیں رکھتی۔

## عقیدہ خلافت

حضرت علی کی خلافت بلا فصل کا عقیدہ شیعہ کے ہاں ضروریات دین سے تعلق رکھتا ہے چنانچہ اقرار شہادتین کے ساتھ اس کا اعلان ہر اذان میں کیا جاتا ہے کہ اشہد ان علیا ولی اللہ وصی رسول اللہ وخلیفۃ بلا فصل گو شیعہ نمازیں مرت اقرار شہادتین پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔ ان کے ہاں یہ عقیدہ کتاب و سنت سے دلائل پر مبنی ہے۔ دلائل یہ ہیں۔

(۱) قرآن مجید میں ہے واجد لی ذریعاً من اہلی۔ حضرت موسیٰ نے حضرت ہارون کے متعلق اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کی تھی چنانچہ منظور ہو گئی۔ اور حدیث میں آتا ہے حضور نے فرمایا علی انت منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ الا انہ لابی بعدی۔ اس حدیث میں حضور اکرم نے حضرت علی کو حضرت ہارون سے تشبیہ دی اور تشبیہ سے نبوت کے بغیر تمام مراتب ثابت کئے ان میں خلافت بھی آتی ہے چنانچہ قرآن میں ہے

یا ہارون اخلفنی فی قومی اسی طرح حضور اکرم غزوة تبوک میں حضرت علی کو خلیفہ بنا کر گئے تھے۔

یہ دلیل آیت قرآنی کے اجمال حدیث نبوی کی تفصیل اور فعل نبوی کی مثال کی بنا پر ذہنی معلوم ہوتی ہے مگر اس میں کچھ اشکال بھی پائے جاتے ہیں۔

(۱) حضرت ہارون تو حضرت موسیٰ کے شریک فی النبوت تھے جب حضرت موسیٰ نے درخواست

کی داشت کہ فی امری تو جواب ملا قد اذیت سؤلک یوسفی جب ہارون کو

نبوت کا منصب مل گیا تو خلافت یونیا بیت کا حکم رکھتی ہے اس سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۲) حضرت ہارون تو حضرت موسیٰ کی زندگی میں ہی فوت ہو گئے۔ اگر یہ تشبیہ درست

ہے تو ظاہر ہے کہ جب مشبہ بہ بعد کو خلیفہ نہ بنا تو مشبہ کیسے خلیفہ بن سکتا ہے۔

(۳) اس اعتبار سے تشبیہ درست ہے کہ حضرت ہارون کو عارضی طور پر حضرت موسیٰ

کی غیر حاضری میں نیابت کا کام کرنا پڑا اسی طرح حضور اکرم کی غیر حاضری میں غزوة

تبوک کے موقع پر حضرت علی کو عارضی طور پر خلیفہ بنایا گیا حضور کی واپسی پر خلافت

ختم ہو گئی جیسے حضرت موسیٰ کی واپسی پر ہارون کی خلافت ختم ہو گئی۔

(۴) آیت میں واجد ذریعاً کی درخواست ہے وزیر اور خلیفہ کے الفاظ نہ تو مترادف

ہیں نہ یہ منصب ہی ایک ہے وزیر شئی دگر ہے خلیفہ چیزے دگر اس لیے یہ تشبیہ

بے محل نظر آتی ہے۔ ہاں اس دلیل سے حضرت علی کا قرب منزلت ثابت ہوتا ہے۔

خلافت بلا فصل بعد النبی کا نشان بھی نہیں ملتا۔ چنانچہ شیعہ نے اس کا اعتراف

کیا ہے۔

فصل الخطاب فی تحریف کتاب رب الارباب ص ۱۸ شیعہ کی معتبر کتاب

واعلم ان قولی لولانا علی ابن ابی طالب انت منی  
بمنزلۃ ہارون من موسیٰ الا انہ لابی بعدی  
یشتمل علی خصائص عظیمہ غیر الخلاقہ۔

نوب سمجھ لو کہ حضور اکرم کا فرمان انت منی  
حضرت علی کی عظیم خصوصیات پر مشتمل ہے  
مگر اس سے خلافت ثابت نہیں ہوتی۔

گو بظاہر دلیل قرآنی تھی مگر خود شیعہ مجتہد نے خلافت علی کے بارے میں اسے

روک دیا۔ دلیل علی یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک الخ  
اس آیت میں دراصل حضور کو خلافت علی کے عقیدہ کی تبلیغ کا حکم دیا گیا ہے مگر حضور  
نے کسی خوف کی وجہ سے اس کا اعلان کرنے سے گریز کیا۔

احتجاج طبری ص ۲۷

فخشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
من قومه واهل اتفاق والشقاق  
یتضرعوا۔

چنانچہ جبرئیل لوٹ کے دوبارہ آئے۔

فصل الخطاب ص ۲۵۸

عن علی بن موسی الرضا عن ابیہ عن  
جدہ قال یوم غدیر خم یوم عظیم  
شریف.... ثم انزل اللہ تعالیٰ وعبدا  
وقد یدایا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک  
من ربک فی علی۔

دوسری روایت

عن زار عن عبد اللہ قال کنا نقرأ  
علی عهد رسول اللہ یا ایہا  
الرسول بلغ ما انزل الیک من  
ربک ان علیا مولی المؤمنین۔

تیسری روایت

یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک  
من ربک فی علی فان لم تفعل عذبناک  
عذابا ایما۔

علی بن موسی رضا سے روایت ہے.....  
کہ فرمایا یوم غدیر خم بہت بڑا عظیم دن تھا....  
پھر اللہ تعالیٰ نے دمکی اور وعید نازل فرمائی  
کہ اے رسول! علی کے بارے میں جو تیرے رب  
کی طرف سے تجھ پر نازل کیا گیا ہے اسکی تبلیغ کر۔

.... کہا ہم رسول کریم کے عہد میں یوں پڑھا  
کرتے تھے اے نبی! جو تیرے رب کی طرف سے  
تجھ پر نازل کیا گیا ہے وہ پہنچا کہ علی مومنوں  
کے مولی ہیں۔

اسے نبی! علی کے بارے میں تیرے رب کی  
طرف سے جو تجھ پر نازل کیا گیا وہ پہنچا اگر ایسا  
نکلیا تو تجھے دردناک عذاب دوں گا۔

اور اسی کتاب کے اسی صفحہ پر ہے۔

عن محمد بن الحسن بن شیبانی فی  
نجر البیان فی عداد الذیات المحرفہ  
کتولہ تعالیٰ بلغ ما انزل الیک فی علی نحو اسمہ

محمد بن حسن شیبانی بیان کرتا ہے کہ جن آیات  
میں تحریف کی گئی ہے ان میں آیت تبلیغ بھی  
ہے فی علی کا لفظ محو کر دیا گیا ہے۔

فصل الخطاب کے علاوہ ذیل کی مستند کتب شیعہ میں اس تحریف کا ذکر موجود ہے

ا۔ تفسیر قمی۔ علی بن ابراہیم قمی نقل کرتے ہیں من ربک فی علی  
ب۔ تفسیر فرات بن ابراہیم میں ہے من ربک فی علی

ج۔ تاویل الروایات الباعرہ میں شیخ شرف الدین نجفی نے کہا من ربک فی علی

د۔ غایت المرام میں ہے من ربک فی علی

و۔ احتجاج طبری میں ہے من ربک فی علی

علامہ ابن العارض نے روضۃ الواعظین میں اور سید رضی الدین بن طاووس نے  
کشف الغم میں اور مظفر بن جعفر الرسالۃ الموضیحہ میں ابن شہر آشوب نے المناقب فی علی میں  
اور مجلسی نے بحار الانوار میں من ربک فی علی لکھا ہے اور اردبیلی نے کشف الغم میں فی علی  
کے علاوہ ان علیا مولی المؤمنین بھی نقل کیا ہے۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ خدا کے نازل کردہ قرآن سے فی علی اور ان علیا مولی  
المؤمنین کے الفاظ خارج کئے جا چکے ہیں پس شیعہ کے نزدیک یہ قرآن محرف ہے لہذا اس  
پر ان کے ایمان لانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

نیز ان روایات معلوم ہوا کہ موجودہ قرآن میں جب تک فی علی وغیرہ کے الفاظ بڑھائے  
نہ جائیں اس آیت سے خلافت علی بلا فصل ثابت نہیں ہوتی اسی بنا پر یہ تکلف کرنا پڑا کہ  
قرآن میں تحریف کی گئی ہے۔

ان روایات سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ کسی نے فی علی لکھا کسی نے ان علیا مولی المؤمنین  
اور کسی نے عذاب الیم کی دمکی بھی درج کر دی یعنی ان حضرات کا آپس میں اتفاق بھی نہیں پایا  
جاتا اور بات یہاں پہنچتی ہے کہ اصل آیت سے حضرت علی کی خلافت کا ثبوت نہیں ملتا۔

## آیت مذکورہ کے نزول اور خلافت علی بلا فصل کی تفصیل:

احتجاج طبری طبع ایران ص ۳ پر بیان ہوا کہ غدیر خم سے پہلے کسی انسان کو خلافت علی کا علم نہ تھا غدیر کے متعلق بیان ہوا۔

قد بقی عليك من ذلك فريضة ما يحتاج ان يبلغها مولك فريضة الحج وفريضة الولاية والخلافة من بعدك۔

اور فصل الخطاب ص ۲۵۵

انه حج رسول الله صلى الله عليه وسلم من المدينة وقد بلغ جميع الشرائع قومه غير الحج والولاية... فلابلغ غدیر خم قبل الحجفة ثلاثا اميال اتاه جبرئيل۔ اور احتجاج طبری ص ۳

حضور نے مدینہ سے روانہ ہو کر حج کیا اور قوم کو پوری شریعت پہنچادی جو انے حج اور ولایت کے مسائل کے... جب آپ غدیر خم پر پہنچے تو آپ کے پاس جبرئیل آئے۔

ابو جعفر فرماتے ہیں کہ حضور نے مدینہ سے جا کر حج کیا اور حج اور ولایت کے مسائل کے ساری شریعت قوم کو پہنچادی۔

پہنچا نیز ایک فریضہ یعنی حج کی ادائیگی کے لیے آپ تشریف لے گئے واپس بقیہ دین کی تبلیغ کا حکم نازل جس کی ترتیب یہ ہے۔ (۱) پہلی بار حکم آیا تو

ص ۳ فقال يا جبرئيل اني اخشى قومي ان يكذبوني ولو يقبلوا قولي في علي۔

دوسری مرتبہ جبرئیل امین اس انداز سے آئے۔

جبرئیل دوسری مرتبہ دن کے وقت زبر و کونج لیکر آئے۔

اتاه جبرئيل علي خمس ساعة مضت من النهار بالنزجر والانتهار۔

فصل الخطاب ص ۲۵۸ اس آمد کا نقشہ یوں کھینچا گیا ہے۔

ثم انزل الله تعالى وحيدا وقد يد اخانا لم تفعل عندك عذابا ابدا۔

تیسری مرتبہ جب عصمت یعنی حفاظت کی ضمانت کے ساتھ آئے تو حضور نے آخر اعلان کر ہی دیا مگر فصیح العرب والعجم نے ان الفاظ میں اعلان کیا من كنت مولا فاعلى مولا۔ شیعہ کے نزدیک یہ جمل مشترک اور کثیر المعنی لفظ حضرت علی کی خلافت بلا فصل کا اعلان ہے شیعہ کے نزدیک جس ترتیب اور جن کوششوں سے یہ آیت نازل ہوئی اس کا نتیجہ نکلتا ہے۔

۱۔ نبی کریم نے اللہ کے حکم کی تعمیل کا معاملہ دو مرتبہ مالا تیسری دفعہ مبہم الفاظ میں تعمیل کی جو عدم تعمیل ہی کی ایک شکل ہے کیا نبی اور خدا کا تعلق ایسا ہی ہوتا ہے۔

۲۔ رسول خدا صحابہ سے اتنا ڈرتے تھے کہ اللہ کی نافرمانی تک کے لیے تیار ہو گئے۔

۳۔ حضور کی حیات طیبہ کا ایک پہلو یہ ہے کہ تو نید رسالت اور معاد کی تبلیغ کیلئے پورے عرب کی مخالفت قبول کر لی مگر تبلیغ اور پوری وضاحت کے ساتھ تبلیغ سے باز نہ آئے۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ حضرت علی کی خلافت کے اعلان کے بارے میں غیروں سے نہیں

اپنوں سے ڈرتے رہے آخر دم تک کوئی واضح اعلان نہیں فرمایا۔

۴۔ حضور کو حضرت علی کے بارے میں قوم سے خطرہ کیوں تھا کہ قوم اس فیصلہ کو قبول نہ کرے

گی کیا حضرت علی اس کے اہل نہیں تھے؟ یا حضور پر کتبہ پروری کا الزام آتا تھا۔ اس

کی وجہ کیا تھی۔

۵۔ حضور کی ۲۳ سالہ نبوی زندگی میں کیا کوئی اور ایسا مقام بھی آیا کہ اللہ نے کوئی حکم

دیا ہو اور حضور اسے مالتے رہے ہوں۔

۶۔ ما نزل میں صیغہ مجہول کا ہے جو زمانہ گذشتہ کو چاہتا ہے یعنی اس آیت سے پہلے

خلافت علی کا حکم نازل ہو چکا تھا مگر حضور نے چھپائے رکھا۔ کیا رسول امین کے متعلق

یہ تصور کیا جا سکتا ہے؟ جو شخص بندوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں دشمنوں کی زبان سے

بھی امین کہلاتا ہو وہ خدا کے دین کے معاملے میں کبھی اللہ کی خیانت کرے۔ حضور کی سیرت طیبہ میں ایسا تضاد تو دشمن بھی نہیں پیش کر سکتے۔

۷۔ وحی کا ایک بات کے لیے بار بار آنا اور نبی کا بار بار ماننا اگر درست تسلیم کر لیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ معاذ اللہ حضور نے وحی کو مذاق سمجھ رکھا تھا۔ حضور کا وحی کے ساتھ یہ سلوک تو وحی کے ساتھ استہزاء تو بین اور تلعب بالوحی ہے کیا حضور کے متعلق کوئی باہوش آدمی یہ تصور کر سکتا ہے۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ اس حدیث سے خلافت بلا فصل کیسے ثابت ہوتی ہے۔

## لفظ مولیٰ کی تحقیق:

اخت کی مشہور کتاب المفرد میں لفظ مولیٰ کے ۲۷ معنی لکھے ہیں مگر اس کے معنی حاکم نہیں لکھے۔ یعنی لغت عرب میں مولیٰ کا لفظ حاکم کے معنوں میں استعمال نہیں ہوتا یا ان اللہ تعالیٰ کے لیے ان معنوں میں آتا ہے۔

سبع معلقات میں طرفہ کے معلقہ میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔

فلو كان مولای امرأه غیره	اگر میرا ابن عم کوئی دوسرا آدمی ہوتا تو ضرور
لفرج كزبی اولاً نظر فی	میری بھلیف دور کر تا یا دوسرے دن تک
عدی ولیکن امرأ هو	مہلت دیتا لیکن میرا ابن عم ایسا آدمی ہے
خافقی علی الشکر والسائل	جو میرا گلا گھونٹتا ہے شکر یہ پر یا سوال پر یا
ادانا مفردی۔	میں فدیہ دوں۔

پھر حضور اگر مٹے یہ لفظ حضرت زید بن حارثہ کے متعلق بھی فرمایا جیسا کہ

انت اخونا و مولانا (مشکوٰۃ ص ۲۹۳)

اور قرآن مجید میں آتا ہے۔

ان الله هو مولاه و جبریل و صالحا لحوالہ الثرمین۔

اور ان اولی الناس بابراہیم للذین اتبعوا و هذا النبی والذین امنوا۔

اگر مولیٰ کے معنی حاکم لیے جائیں تو پہلی آیت کا مطلب ہوگا کہ جبریل اور صالح ہونے رسول کریم کے حاکم ہیں۔ اور دوسری آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت ابراہیم کے متبع رسول خدا کے حاکم ہوں گے۔

ظاہر ہے کہ لغت کے اعتبار سے مولیٰ بمعنی حاکم استعمال ہونا ثابت نہیں ہے۔

## علم معانی کے لحاظ سے تحقیق:-

اگر یہ فرض لیا جائے کہ مولیٰ بمعنی اولیٰ آتا ہے (مالاً لکنه مفعول بمعنی افعول کسی جگہ کسی مادہ میں استعمال نہیں ہوتا) تو اولیٰ بالتصرف صلہ غیر اتنا کہاں کی لغت ہے؟ اولیٰ بالمحبت یا اولیٰ بالتعظیم کیوں نہ مانا جائے جس کا قرینہ خود حدیث میں موجود ہے کہ

اللہم وال من والاه و عاد من عاداه یعنی اے اللہ تو اے دوست رکھ جو علیؑ کو دوست رکھتا ہے اور اس سے دشمنی رکھ جو علیؑ سے دشمنی رکھتا ہے۔

یعنی حضور اگر تم نے خود لفظ مولیٰ کے معنی کی تعیین فرمادی۔ کہ عداوت کے مقابلے میں یہ لفظ استعمال فرمایا اور ظاہر ہے کہ عداوت کے مقابلے میں محبت کا لفظ استعمال ہوتا ہے حکومت کا لفظ استعمال نہیں ہوتا۔

## روح المعانی میں ایک قول فیصل دیا گیا

وذا انکر اهل العریبۃ قاطبۃ بل	تمام اہل عربیت نے مولیٰ بمعنی اولیٰ کا انکار
قالوا لہو یجئ مفعول بمعنی	کیا ہے بلکہ ان کا کہنا ہے کہ عربی زبان میں مفعول
افعل اصلا۔	معنی اصل قطعاً نہیں آتا۔

لفظ مولیٰ کے معانی کی وسعت کو دیکھ کر بھیجہ جتہ نے فیصلہ کن بات کہہ دی۔

الاندری کیف لم یصرح النبی صلی اللہ علیہ	کیا تو نہیں دیکھتا کہ حضور نے غدیر کے دن اپنے
وسلو بالخلافۃ بعدہ بلا فصل یوم غدیر	بعد خلافت بلا فصل کی ہرگز تصریح نہیں فرمائی
و اشارہ ایھا بکلام مجمل مشترک	بلکہ مجمل مشترک معانی کی تشریح میں جو کلام فرمائی وہ
بین معان یمتاج فی تعیین ما هو المقصود	قرآن حالیہ یا مقالیر کی محتاج ہے جن سے



جمہد صاحب کے فیصلے کا حاصل یہ ہے کہ جو کلام مقصود کی تصریح میں قرآن کی محتاج ہو اس سے اصولی مسائل ثابت نہیں کئے جاسکتے۔

ایک اور شیعہ جمہد نے ایک اصولی بات بیان فرمائی ہے کہ

قال تعالیٰ یا اھا الرسول بلغ ما انزل الیک الہ  
والنبیۃ لایکون الایا لتفسیر  
(الاستغاثۃ فی بدع الثلاث ص ۱۸۲)

پوری تفسیر کے بغیر تبلیغ اصولاً ہوتی ہی نہیں۔

اور ظاہر ہے کہ جب حضور نے لفظ مولیٰ کی تفسیر بتیجی فرمائی تو اس حکم کی وضاحت ہوئی اور نہ تبلیغ ہوئی جس لفظ کی وضاحت یا تفسیر خود متکلم نے نہیں فرمائی اس سے ایک اصولی مسئلہ "خلافت بلا فصل" ثابت کرنا تکلف ہے یا یا سب سے بڑی دلیل اور نص شیعہ علماء میں سے میر حامد حسین لکھنوی نے اپنی کتاب طبقات الانوار میں اور مولوی علی محمد نے فلک النجات میں حضرت علیؑ کی خلافت پر سب سے بڑی دلیل اور نص جلیبی حدیث سے من کنت مولاً فعلی مولاً پیش کی ہے اور اس حدیث کا تفصیلی جائزہ لینے سے واضح ہو گیا ہے کہ یہ دلیل محل مشترک اور معنی متعین کرنے میں دوسری دلیل کی محتاج ہے اس لیے خلافت جیسے اصولی عقیدہ کی بنیاد کیونکر بن سکتی ہے؟ چنانچہ شیعہ محدث نوری نے صفات اقرار کیا ہے کہ یہ حدیث محل مشترک ہے اپنے بیان میں دوسری دلیل کی محتاج ہے پھر خلافت بلا فصل کی دلیل کیسے بن سکتی ہے۔

محدث نوری نے شیخ صدوق پر جواب جرح کی ہے۔ شیخ مذکور نے تحریف قرآن کا انکار کیا ہے محدث نوری نے فصل الخطاب میں اس کو رد کیا ہے کہ اگر قرآن کی تحریف کا انکار کیا جائے تو حضرت علیؑ کی خلافت بلا فصل کا معاملہ گور بڑ ہو جاتا ہے اس لیے تحریف قرآن کا اقرار کرنا درست ہے کہ حضرت علیؑ کی خلافت بلا فصل کی آیت قرآن میں موجود تھی مگر صحابہ نے وہ آیت نکال دی۔

چنانچہ محدث نوری فصل الخطاب ص ۱۸۲ پر شیخ صدوق کے متعلق لکھتا ہے۔

قلت لشدة حرصه علی اثبات  
مذہبه ینتقل بكل ما یحتمل  
فیہ تأییداً لمذہبه ولا ینتفت  
الی لوانہ الفاسدة الی لایمکن  
الالتزام بہ فان ما ذکرہ  
من شبهة هی الشبهة الی  
ذکرها المخالفون بعینہا وادعوا  
علی اصحابنا المدعیین لثبوت  
النص الجلی علی امامتہ  
مولانا علی علیہ السلام  
واجابوہا بما لا یبقی  
معہ ریب وقد احیاها  
بعد طول المدۃ غفلة او  
تناسیا ما ہر مد کور  
فی کتب الامامیۃ۔

میں کتابوں کہ شیخ صدوق اپنے مذہب کے ثابت کرنے اتنا حرص ہے کہ جس بات میں ذرہ بھرا احتمال پاتا ہے اپنے مذہب کی تائید میں لے لیتا ہے اور اس کے نتائج فاسدہ کی طرف توجہ نہیں دیتا کہ ان نتائج کو تسلیم کرنا اس کے امکان میں نہیں جو اعتراض اس نے تحریف قرآن پر کئے ہیں بعینہ وہی اعتراض ہمارے مخالفین حضرت علیؑ کی امامت پر نص جلی کے وجود ہونے پر اصحاب شیعہ پر کرتے ہیں۔ اور ہمارے اصحاب نے ان کا جواب ایسے عمدہ طریقہ سے مدلل طور پر دیا ہے کہ شیعہ کی گنجائش نہیں رہی مگر شیخ صدوق نے ایک طویل زمانہ کے بعد پھر ان اعتراضات کو زندہ کیا ہے اور جو کچھ کتب امامیہ میں کہا ہے اس سے غفلت برتی ہے یا فراوش کر دیا ہے۔

خلافت بلا فصل ثابت کرنے کے لیے بلاشبہ بہت کوششیں ہوتی رہیں مگر شریف ترقی

علم الحدیث نے ان پر پانی پیر دیا چنانچہ شافی ص ۱۱۱ پر فرماتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت علیؑ نے کبھی دعویٰ امامت کا اظہار نہیں کیا سوائے اس زمانہ کے جب ان کی بیعت ہوئی۔

ولا شک فی انہ علیہ السلام  
لو یدعی الامامۃ ظاہراً الا عند  
البیعتہ۔

ظاہر ہے کہ جس بات کے حضرت علیؑ خود مدعی نہیں ہیں وہ بات ان کے متعلق ثابت کرنے کی کوشش واقعی ایک عجیب حرکت ہے۔

رہا حدیث جرح کا معاملہ تو اصول کے اعتبار سے یہ حدیث محل مشترک تسلیم

پائی۔ اس اصطلاح کی حقیقت فنی اعتبار سے واضح کر دینا مناسب ہے

والجمل۔ وهو ما خفي المراد منه بنفس اللفظ خفلا يدرک الا بالبيان من المجلد سواء كان ذلك لتزاحم المعاني المتساوية الاقدام كالمتشرك اولغرا ابتا المعاني۔

(نامی شرح معانی)

یہ تو جمل نص کی حقیقت ہوئی اس کا حکم یہ ہے :-

جواز متعد الاعتقاد اجمالا ثم الاعتقاد تفصيلا بعد البيان ثم العمل في دقة ولا تكليف قبل البيان فلا شاعة في اخلال الفعل (نامی شرح معانی)

یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ حدیث جمل مشترک ہے۔ اور یہ حضور اکرم نے فرمائی ہے اس لیے اس اجمال کی تفصیل جب تک حضور اکرم کی زبان مبارک سے نہ ہو اس کے تفصیلی معنی متعین نہ ہوں گے۔ یہ بات اصول کے خلاف ہے کہ اجمال تو حضور کر ہی اور تفصیل ہر کہ درہ کرنے لگے۔ لہذا اصولاً اس امر کی ضرورت ہے کہ اس اجمال کی تفصیل حضور کی ایسی حدیث سے کی جائے جو متواتر ہو اور اپنے مدلول مطابق خلافت بلا فصل پر نص مرتج غیر مؤول بھی ہو۔ اور حضور کا ارشاد ہو کہ مولانا کے معنی خلافت بلا فصل ہے۔

لفظ مولیٰ جمل کے علاوہ مشترک بھی ہے اس لیے مشترک کا حکم بھی اصول فقہ کے قاعدہ سے معلوم کر لینا ضروری ہے :-

مشترک کا حکم یہ ہے کہ اس میں نال کیا جائے

حکم المشترك التامل فيه حتى يفرج

احدا معينه - التامل في نفس الصيغة  
اوغيرها من الادلة والامارات  
لترجيح احد معنيه۔

اور یہ غور و فکر یا نفس لفظ میں ہوگا اور اشارات  
اور علامات میں جو ایک خاص معنی کی ترجیح کے  
لیے دلائل بن سکیں۔

یعنی ایک معنی پر دوسرے معنی کی ترجیح ثابت ہونے یا بیان کے بعد نص قابل عمل  
تو ہو سکتی ہے مگر اس نص سے اصول یا عقائد ثابت نہیں ہو سکتے۔

اب اس حدیث (من سنت مولانا) کو واقعاتی پس منظر میں رکھ کر دیکھنا چاہیے  
واقعی ہے کہ یہ الفاظ حضور اکرم نے غدیر خم پر فرمائے۔ اور بقول شیعہ ایک لاکھ چوبیس  
ہزار صحابہ نے حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت کی اور دستار بندی کرائی گئی۔ یہ تینوں امور  
وضاحت طلب ہیں۔

اول دستار بندی :- دستار بندی سے بالعموم یہی بات یعنی خلافت یا جانشینی بھی  
جاتی ہے مگر یہ بات اس سے پہلے حضرت عبدالرحمن بن عوف کے ساتھ پیش آچکی تھی۔ اس لیے  
وہ پہلے ہی تلیف بلا فصل بن گئے۔ جیسا کہ مشکوٰۃ باب الباس میں ہے۔

عن عبد الرحمن بن عوف عن رسول الله  
صلی الله علیه وسلم فسد لها بين يدي ومن خلفي  
دوم بیعت لینے کا معاملہ :- علامہ علی الحارثی مجتہد شیعہ نے اپنی کتاب موعظہ غدیر  
میں بیعت کی تفصیل دی ہے کہتے ہیں :-

”حضرت علیؑ کو ایک خمیر میں بٹھایا گیا ایک ایک صحابی اندر جاتا اور بیعت  
کرتا تھا حتیٰ کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ نے بیعت کی“

یہ دلیل اس لحاظ سے وزنی ہے کہ لفظ مولیٰ کی وضاحت حضور نے گو اپنی زبان مبارک  
سے نہیں فرمائی مگر اپنے فعل سے فرمادی۔ مگر عقلی اور عملی اعتبار سے یہ دلیل بناوٹی معلوم  
ہوتی ہے وہ یوں کہ

۱۔ تصور کیے ایک خمیر میں حضرت علیؑ بیٹھے ہیں۔ بارہ نفلت کا ہجوم ہے۔ اس ہجوم میں سے  
ایک ایک آدمی خمیر کے اندر باری باری جاتا ہے، حضرت علیؑ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے

اور بیعت تو بند ہے لازماً وہ ہر ایک سے عہد لیتے ہوں گے اگر اس سارے عمل میں کم از کم ۲ منٹ صرف ہوں تو ایک لاکھ چوبیس ہزار آدمیوں سے بیعت لینے میں ۶۲۰۰ گھنٹے یعنی ۸۰۰ دن اور ۸ گھنٹے خرچ ہوئے کتنی طویل نشست تھی صحابہ کے متعلق تو کہا جا سکتا ہے کہ تین منٹ میں فارغ ہو کر اپنے کاروبار میں لگ گئے مگر حضرت علیؑ اتنی طویل مدت مسلسل ایک جگہ بیٹھے رہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مجتہد لاہوری نے کمین ثواب کا واقعہ بیان نہ کیا ہو۔

۲۔ تاریخی حقیقت یہ ہے کہ حضور اکرمؐ غدیر کے واقعے کے بعد صرف ۸۰ دن اس دنیا میں رہے پھر آپ کا وصال ہو گیا۔

۳۔ ان دونوں حقائق کو جمع کرنے سے نتیجہ نکلا کہ حضور اکرمؐ کا وصال بھی ہو گیا۔ تجمیر و تکفین بھی ہو گئی اور ابھی حضرت علیؑ اسی جگہ میں بیٹھے بیعت لے رہے ہیں اور ۱۶ روز بعد تک بیعت لیتے رہے۔

۴۔ حضورؐ کا وصال ہو گیا ہے۔ صحابہ تھیفہ بنو ساعہ میں جمع ہیں خلافت کا معاملہ زیر بحث ہے مختلف رائیں پیش ہو تی ہیں۔ حضرت علیؑ تو ابھی غدیر پر ایک خیمہ میں بیٹھے بیعت لے رہے ہیں مگر جو صحابہ بیعت نے فارغ ہو کر واپس مدینہ طیبہ پہنچ گئے ہیں وہ تو تھیفہ میں موجود ہیں مگر ان میں سے کوئی ایک صحابی یہ نہیں کہتا کہ کس جھیلے میں پڑے جو بیعت خلافت کچھ تو ہو چکی ہے اور کچھ ہو رہی ہے اور ہوتی جا رہی ہے۔

۵۔ حضرت علیؑ حضور اکرمؐ کے وصال کے بعد ۱۶ دن گھنٹے بیعت میں مصروف رہنے کے بعد غدیر خم سے روانہ ہوتے ہیں اور مدینہ طیبہ پہنچتے ہیں تو خلافت صدیقی کے چھ ماہ گزر چکے ہیں اور حضرت علیؑ نے یہ نہ کہا کہ بیعت تو میں لیتا رہا ہوں تم کیے تھیفہ بن گئے ہو بلکہ صدیق اکبر کی بیعت کر لی۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؑ نے ۶ ماہ بعد صدیق اکبر کی بیعت کی تھی یہ عقده میں علامہ حائری نے حل کر دیا۔ کہ حضرت علیؑ ۵ ماہ ۲۸ دن بعد غدیر خم سے روانہ ہوئے ۲ روز سفر میں لگ گئے ہونگے۔ چھ ماہ بعد مدینہ منورہ پہنچے جس بلا جوں و چرا صدیق اکبر کی بیعت کر لی۔

۶۔ حضورؐ کے وصال کے وقت حضرت علیؑ مدینہ منورہ میں موجود ہی نہ تھے کیونکہ خیمہ میں بیٹھے بیعت لے رہے تھے اس لیے حضورؐ کی تیمارداری اور تجمیر و تکفین اور حضورؐ کے جنازہ میں بھی حضرت علیؑ شریک نہ ہو سکے۔

یہ تو علامہ حائری کے بیان کا تاریخی اور واقعاتی تجزیہ ہے۔ ایک اور شیعہ مجتہد صاحب فضل الخطابؒ مستحزاتے ہیں کہ اس حدیث سے خلافت علیؑ بلا فصل ثابت نہیں ہوتی۔

پھر ایک اور شیعہ مجتہد صاحب "احتجاج طبرسی" اس حدیث کو حضرت علیؑ کی خلافت بلا فصل کے بارے میں قابل قبول تسلیم نہیں کرتے۔

فبعثنا الله بالقرصين لابلانصيح واثبت  
حجة الله نصر ايضا لا نصر يصا بقوله من  
كنت مولاهم  
احتجاج صفحہ ۱۳

اللہ تعالیٰ آپ کو تصریح کے ساتھ نہیں بلکہ تصریح سے مبعوث فرمایا اور اللہ کی حجت تصریح سے ثابت کی تصریح سے نہیں جیسا کہ حضورؐ نے فرمایا جس کا میں مولیٰ ہوں علیؑ اس کے ذلی ہیں۔

اور صاحب استغاثہ نے یہ اصول بیان کر دیا کہ

والتبليغ لا يكون الا بالنصير۔  
تفسیر اور وضاحت کے بغیر تبلیغ ہو ہی نہیں سکتی۔  
خلاصہ بحث یہ ہوا کہ جس حدیث کو خلافت بلا فصل کے لیے نص کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے خود شیعہ مجتہد اور علماء اس حدیث کو خلافت بلا فصل کے لیے نہ بنیاد تسلیم کرتے ہیں نہ سند اور حجت مانتے ہیں۔

لفظ مولیٰ کی مزید تحقیق :-

لسان العرب باب ولی - ۱۵ : ۱۵

قال النجاشي والموالي واحد  
في كلام العرب۔  
زجاج کہتے ہیں کہ کلام عرب میں ولی اور مولاً مترادف ہیں منصور کہتے ہیں کہ حضورؐ کا تول ایک روایت کے مطابق یہ تکتا ہے کہ جس

وقال المنصور ومن هذا قول سيدنا محمد  
صلى الله عليه وسلم: "امرأة تحت بغراذن  
موتها ورواه بعضهم بغراذن ونحوها  
بمعنى واحد وفيه قول سيدنا رسول الله  
صلى الله عليه وسلم من كنت مولاه فعلي  
مولاه اى من كنت زليته نظي زليته قال  
ابو العباس في قوله من كنت مولاه فعلي  
مولاه اى من احبني وتولاني فمولاه  
والمولاة ضد المعادة -

عورت نے بغیر اجازت اپنے مولیٰ کے نکاح  
کیا اور دوسری میں ہے بغیر اذن ولی کے نکاح  
کیا کیونکہ دونوں نکتہ ایک ہی معنی کہتے ہیں  
اور اس سلسلے میں حضور کے اس فرمان کا مطلب  
یہی ہے کہ جس کا میں ولی ہوں علیٰ میں اس  
کا ولی ہے ....

ابوالعباس کہتے ہیں کہ حضور کے اس قول کا مطلب یہ ہے  
کہ جس نے مجھ سے محبت کی اور دوستی رکھی اس نے  
علیٰ سے دوستی رکھی اور دوستی کی ضد دشمنی ہے۔

اور تاج العروس باب الولیٰ میں ہے :-

و اگر ولی یعنی اسم فاعل ہو تو معنی مطیع و فرمانبردار ہوگا اور اگر بمعنی اسم  
مفعول ہو تو یعنی محسن و منعم ہوگا یعنی جس پر احسان یا انعام کیا گیا ہوگا

نعت عرب میں ولایت بکرہ واؤ یا بقرہ واؤ بمعنی حکومت اور سلطنت کے نہیں  
آتے اور ولایت بالفح تو ہمیشہ یعنی نفرت آتا ہے۔ نیز لفظ مولیٰ مطلق بغیر اصناف بمعنی حاکم  
نہیں آتا تاں کسی بزوی امر کی طرف اس کی اصناف ہو تو اس وقت اس کا معنی متولی ثابت  
ہوگا جیسے ولی المسجد مولیٰ المسجد یا ولی بیتہ ولیتہ مگر نعت عرب میں مولیٰ یعنی اولیٰ نہیں آتا  
چر جائے کہ اولیٰ بالتعرف کے معنی لیے جائیں۔

قال تعالى ما اولکم النار هی مولکم اى مصیبتکم  
و تحقیقہ ان الولی موضع الولی وهو انقرب  
ناحقى ان النار هی موضعکم الذی تقر بون  
منہ و تصلون الیہ۔ وقال النبی والذبح  
والضار والیوم عیدہ اللغوی اولیٰ کو  
وان هذا الذی قالہ معنی و لیس

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے  
وہ ان کے قریب ہے یعنی ان کے پہنچنے کی جگہ ہے  
اس کی حقیقت یہ ہے کہ اس سے مراد قرب  
ہے تو اس کے معنی یہ ہونے بہم وہ جگہ ہے  
جس کے قریب وہ جا رہے ہیں اور اس تک  
پہنچ رہے ہیں کبھی زبان فراد اور الہدیہ

بتفسیر اللفظ لانما لوکان  
مولیٰ و اولیٰ بمعنی واحد  
باللغة اصح استعمال  
کل واحد منهما فی  
مكان الآخر فکان يجب  
ان یصح ان یقال هذا مولیٰ من  
فلان كما یقال هذا اولیٰ من  
فلان و یصح ان یقال هذا  
اولیٰ فلان كما یقال هذا  
مولیٰ فلان ولما بطل ذلك  
علمنا ان الذی قالہ

معنی لیس بتفسیر۔ دتفسیر کبر ۱۹۳۱

نہی کہتے ہیں مسلم کے معنی انکم ہے اور یہ جو  
انہوں نے کہا ہے مفہوم کے اعتبار سے ہے لفظ  
مولیٰ کی تفسیر کے اعتبار سے نہیں۔ اگر نعت میں  
مولیٰ اور اولیٰ کے لفظ ایک ہی معنی رکھتے ہوں  
تو ہر جگہ دونوں لفظوں کا استعمال صحیح ہوگا۔  
اس لیے جب ہم کہتے ہیں کہ یہ اس سے اولیٰ  
ہے وہاں یہ بھی صحیح ہونا چاہیے کہ یہ اس سے  
مولیٰ ہے اسی طرح یہ نکلن کا مولیٰ ہے کی جگہ یہ  
نکلن کا اولیٰ ہے شرت ہونا چاہیے اور جب  
ایسا کرنا باطل ہے تو معلوم ہوا کہ انہوں نے مفہوم  
کے اعتبار سے کہا ہے لفظ کی تفسیر کے اعتبار  
سے نہیں کہا۔

حاصل کلام یہ ہوا کہ جن حضرات نے مولیٰ یعنی اولیٰ کہا ہے انہوں نے حاصل معنی کا  
بیان کیا ہے لفظ کی تفسیر بیان نہیں کی ورنہ ان کا قول جو عرب کے خلاف ہوگا معلوم  
ہوا کہ اولیٰ کا صلہ تعرف بیان کرنا بالکل غلط ہے۔ بقرض محال یہ معنی تسلیم کر لیے جائیں تو  
اس میں کئی تفسیر کرنے پڑیں گے اول مولیٰ یعنی اولیٰ۔ پھر اولیٰ کو مقید کرنا قید تعرف سے  
پھر تعرف کو کسی خاص قید سے مقید کرنا پڑے گا۔ کیونکہ مطلق تعرف تو محال ہے یعنی اولیٰ  
بالتعرف۔ بالمال یا بالجان، یا بالزوج یا بالبنات وغیرہ اگر تعرف مطلق ہو تو اس سے  
فرد کامل مراد ہوگا اور اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تعرف کرنے میں تمام انسانوں میں ان  
سے حضرت علیؑ ہی اولیٰ ہیں یعنی حضرت علیؑ کو انسانوں کی جان میں مال میں بیویوں میں  
بیٹیوں میں دوکانوں میں مکانوں میں ہر چیز میں تعرف کرنے کا حق ہے۔ اگر تعرف مطلق  
مردانہ لیں تو ظاہر ہے کہ نہیں لیا جاسکتا تو تعرف مقید بہ قید خلافت کے ہونا چاہیے یعنی  
اولکم الخ لافئہ بلا فصل من بعدی لگاس قید سے مقید تعرف کا میں وجود ملتا ہے نہ

جوت پایا جاتا ہے۔

اسول روایت کے تحت حدیث کی تحقیق :-

كان اعظم ما سمك الشيعة بها على  
هدم قواعد الاسلام بآداء خلافة  
على ملا فصل ان قصة الغدير كما  
هو المشهور موضوعة مكذوبة  
لانها لا يخلو طريقها من ضرتها  
س شيعة متهم بالكذب في نقل  
مسئل على او كذاب او متروك  
او مسكر الحديث و ضعيف الحديث  
جدا او مجهول لا بدري من هذاه  
نان قلت قد روى ان عليا  
انشد الناس في الرحمة هل  
سمع احدكم رسول الله يقول يوم غدیر  
من كنت مولاه الحور

اقول نعم قد روى ذلك من طرق  
مختلفة والظاهر من ذلك في  
بعضها ذكر الغدير في بعضها  
لا اثر فيها للغدير ولو كان لا  
يخلو طريق منها من شيعة متهم  
بالكذب في روايته فضل على او  
كذاب او ضعيف او مجهول و  
ان الحق مع المحذون الذين طعنوا في

شيعہ نے قواعد اسلام کو متزلزل کرنے اور  
ہین اسلام کو منہدم کرنے کے لیے خلافت  
بلا فصل کے سلسلے میں جس دلیل سے تمسک  
کیا ہے اس کی تحقیقت یہ ہے کہ غدیر کا قصہ  
جیسا کہ مشہور ہو گیا ہے موضوع اور جھوٹا  
ہے۔ کیونکہ اس کی سند کے طرق سے کوئی  
طریقہ ایسا نہیں ہو کسی ایسے شیعہ سے خالی  
ہو جو حضرت علی سے روایت کرنے میں متم  
بالکذب نہ ہو یا کذاب نہ ہو کہ منکر الحدیث  
ضعیف یا مجهول نہ ہو اگر تو کہے کہ مروی ہے  
کہ رجب میں حضرت علی نے لوگوں کو قسم دلائی  
تھی کہ کیا تم میں سے کسی نے سنا کہ حضور نے  
غدیر کے دن فرمایا تھا من كنت مولاه الخ

میں کتنا ہوں کہ ہاں یہ روایت کی گئی ہے  
اور مختلف طرق سے اور مختلف الفاظ سے  
بعض میں غدیر کا ذکر ہے بعض میں مطلق نہیں  
لیکن ان میں سے کوئی طریقہ سند ایسا نہیں  
ہو کسی ایسے شیعہ سے خالی ہو جو حضرت علی سے  
روایت کرنے میں متم بالکذب نہ ہو یا کذاب  
ضعیف اور مجهول نہ ہو۔ اس لیے وہ فضیل  
حق پر ہیں جنہوں نے قصہ غدیر پر طعن کیا

قصة الغدير كما بخبري رالي حاتم وابن  
ابن داود و ابراهيم الحرقى وابن حزم  
و غيرهم والدي اثبتوا قضاة احظا  
فيما زعموا والذين جعارة متواترا  
من المتأخرين الذين هو لبسوا  
من أئمة النقد - بخبرهم اظفر  
من ان يخفى فلا ينفذ باحوال هولاء و  
عولاء من علماء الرد افضة و علماء اهل السنة  
الذين لم يبلغوا مرتبة التفقد بعد الحكم الترمذي  
داضال من المتأهلين في الروايات والتعيين  
والتصحيح

(تصحیح اعلا حضرت تقالوی)

واقعہ یہ ہے کہ حدیث من كنت مولاه الخ کا مورد غدیر نہیں بلکہ اور ہے جس کی تفصیل  
یہ ہے۔

عن ابن عباس عن بريدة قال  
خرجت مع علي الى اليمن مرأيت  
منه جفوة فلما رجعت شكيت الى  
النبى صلى الله عليه وسلم فرفخ رأسه  
الى وقال يا بريدة من كنت مولاه  
فعلى مولاه ان كان  
قصة الغدير ثابتة  
فهو في قصة بريدة و  
معناه ما قلناه يعنى

ہے نکلا امام بخاری۔ ابی تم۔ ابن ابی داؤد  
ابراہیم الحرقی اور ابن حزم وغیرہ۔ جن محدثین  
نے اسے ثابت کیا ہے انہوں نے اس سلسلے میں  
فقور کھانی ہے جس میں انہوں نے زعم کیا ہے  
اور متأخرین میں سے جنہوں نے اسے متواتر  
کہا ہے وہ جرح و تعدیل کے امام نہیں ہیں  
اس لیے ان کے رائے کو عند ہونا ظاہر ہے۔  
ایسے علماء کی رائے نہ دعویٰ کہ کھانا پانے  
تو وہ علماء شیعہ ہوں یا اہل سنت کے ان  
علماء میں سے جو جو درجہ تفضیل تک نہیں پہنچے۔  
جیسا کہ حکیم ترمذی وغیرہ جو روایت حدیث اور  
اس کی تحسین و تصحیح میں متساہل ہیں۔

ابن عباس سے روایت ہے وہ بريدة سے  
بیان کرتے ہیں میں حضرت علی کے ساتھ یمن  
میں گیا۔ میں نے ان سے کچھ زیادتی دیکھی والپی  
پر میں نے حضور اکرم سے ان کی شکایت کی  
آپ نے میری طرف نظر اٹھائی اور فرمایا تو مجھے  
درست رکھنا ہے وہ علی کو بھی درست رکھنا  
ہے۔ اگر غدیر کا قصہ ثابت ہو تو یہ بات  
بریدہ کے واقعہ میں کمی گئی ہے اور اس کا  
مطلب وہی ہے جو ہم نے کہا ہے کہ جسے بچ

من كان يجلسني فيجب  
عليّ لاني احبّه فان  
تجني فاحبب عليّ  
ولا تبغضه

سے محبت ہے اے علیؑ سے بھی محبت کرنی  
چاہیے کیونکہ میں ان سے محبت کرتا ہوں  
جب تو مجھے محبت رکھتا ہے تو علیؑ سے  
بھی محبت رکھ اس سے بغض نہ رکھ۔

یعنی حضرت بریدؓ نے حضرت علیؑ کے رویہ کے خلاف حضورؐ سے شکایت کی تو  
حضورؐ نے یہ الفاظ فرمائے۔ ایک شخصی ریش دور کرنے کے لیے حضورؐ نے جو الفاظ فرمائے  
انہیں ایک بنیادی عقیدہ کی دلیل بنا لینا تکلف محض ہے۔  
اب ہم اس روایت کی سند پر تفصیلی بحث کرتے ہیں۔

علامہ ابن عقده نے یہ روایت سات سندوں سے نقل کی ہے۔ اور ان سات  
سندوں میں ایک راوی ابو اسحاق موجود ہے جو شیخ ہے پر سعید بن وہب اور  
عمید اللہ بن موسیٰ بھی ملتے ہیں یہ دونوں شیخ ہیں۔

فالجماع ان روایتہ سجدہ ابی اسحاق  
لا یجتمد علیہ من وجہ احدھا  
ان اباسحاق منہو بالتشیع و  
ثانیھا ان سعید بن وہب لا یجتمد علی  
روایتہ لاند شیخی و ثالثھا ان ابن عقده  
ساقۃ لاندہ رافضی کذاب و عبید اللہ بن  
موسیٰ فوقہما من الشیعۃ۔

مختصر یہ کہ سعید اور ابو اسحاق کی روایت پر  
بوجود اعتماد نہیں کیا جاسکتا اول یہ کہ ابو  
اسحاق پر شیخ کا اتنا نام ہے۔ دوم یہ سعید  
بن وہب شیخ ہے اس کی روایت قابل  
اعتبار نہیں۔ سوم۔ ابن عقده ساقہ رافضی  
کذاب ہے اور عبید اللہ بن موسیٰ اس  
سے بھی بڑھ کر ہے۔

اور امام طحاوی کی حدیث من کنت مولاهم الخ میں اخیر فی ابواسحاق موجود ہے اور  
محدث عبد الرزاق شیخ نے اس حدیث کو اخراج کیا ہے۔

واخرجه عبد الرزاق عن اسراہیل عن ابی اسحاق عن سعید بن وہب  
قد رد جملة الروایات علی ابی اسحاق وهو رافضی منہو۔

اب ان اسناد کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

پہلی سند؛ اس میں یہ حدیث زید بن ارقم سے چھ سندوں سے منقول ہے۔

۱ - مارواه عطیة العرفی ثم الکوفی قال سئلت زید بن ارقم من کنت مولاه الخ  
علیہ کے متعلق تفصیلی بیان تحقیق مذکور میں ہوگا۔

دوسری سند؛ مارواه البرعید عن مہون ابی عبد اللہ قال قال زید بن ارقم الخ۔

مہون ابو عبد اللہ؛ امام شیعہ اس سے حدیث بیان نہیں کرتے تھے۔

قال احمد احادیث منا کبر۔ وقال بھی بن حصین لاشیء۔ وقال النسائی لیس

بالقری۔ وقال الجاکم ابواحمد لیس بقوی سقط حدیثہ۔

تیسری سند؛ ماروی علی بن الحسین قال حدثنا ابراہیم بن اسمعيل عن ابيه  
عن سلمة ... قال سمعت زید بن ارقم الخ۔

اسمعيل بن یحییٰ سلمة مروکان و ابراہیم الراوی عندہ ضعیف بروی احادیث منا لہر سقط هذا الطريق

چوتھی سند؛ مارواه ابواسحاق السبعی عن زید بن ارقم اخبرنا احمد بن محمد العاصمی قال اخبرنی

الشیخ احمد بن محمد بن اسحاق ... قال اخبرنا علی بن الحسین بن علی العاصمی الراوی عن محمد بن ارقم

علی بن اسحاق قال شاجیب بن جبیا حوزہ الذیات عن ابی اسحاق بن زید بن ارقم۔

محمد بن کرام؛ فرقة کرامیہ کا پیشوا اور مقتدا ہے۔

پانچویں سند؛ مارواه سلیمان الاعمش عن حمید بن ابی الطفیل عن زید۔

ابو طفیل؛ شیخ رافضی تھا فلا یجتمد بروایتہ۔

چھٹی سند میں بھی ابو طفیل موجود ہے۔

روایت کا دوسرا طریقہ براء بن عازب سے ہے۔

روی عنہ علی بن یزید والوہارون الجدی عن عدی بن ثابت

جرح؛ قال یزید بن رابع رایتہ ولم اجد عندنا مکان رافضیا رہریدی حدیث

اذا رأیتہم محاربة علی الخیر فاقتلوه ولا تشک فی کونہم کذابا والوہارون الجدی

اصروحلا مند عدی بن ثابت ایضا کازمن کبار الشیعة فسقط حدیث براء بن عازب۔

روایت کا تیسرا طریقہ سعید بن ابی وقاص سے ہے تین سندوں سے منقول ہے۔

(۱) رواہ موسیٰ بن یعقوب الذمعی عن مہاجر بن سمار عن عائشہ بنت سعد عن ابیہا  
 حخرج موسیٰ۔ قال ابن المدینی ضعیف الحدیث منکر الحدیث وقال النسائی لیس بالقوی  
 سعد۔ ضعیف الحدیث منکر الحدیث۔

۲۰۔ اخرجہ الحاکم عن ابی زکریا یحییٰ بن محمد الحنبلی عن براہیم بن ابی طالب عن علی بن المنذر  
 بن فضال عن مسد ملانی عن خیمہ بن عبد الرحمن عن سعد بن ابی وقاص  
 حخرج۔ ما حیثہ بن عبد الرحمن فکذبہ ابین۔

مسلم اعوی۔ متروک الحدیث و منکر الحدیث  
 علی بن المنذر۔ شعی محض و کذا ابن فضیل شعی۔

۳۔ رواہ احمد بن محمد العاصی بسندہ ابی ابن عقدة عن اسہد بن ولید بن حماد قال اخبرنا  
 ابی عن یحییٰ بن یعلیٰ عن یحییٰ بن صبیح عن اخت حمید العوری عن بن جدعان عن سیدہ  
 بن مسیب عن سعد بن ابی وقاص۔

حججہ ابن عقدة۔ شعی بہ و سناح ہے کذاب ہے۔

یحییٰ بن یعلیٰ۔ و ہوشعی فسقط قصۃ غدیری سعد بن ابی وقاص۔

چوتھا طریقہ حدیث بن اسید ہے۔

رواہ عنہ ابو طفیل۔ اس پر حجج گذر چکی ہے۔

پانچواں طریقہ

اخرج ابن عقدة عن عامر بن یحییٰ بن حمزة رواية طويلة من طريق عبد الله بن سنان

عن ابی الطفیل۔ و اخرج ابن عساکر عن معروف بن خربوذ عن ابی الطفیل

چھٹا طریقہ؛ روی بکر بن احمد العصری عن فاطمہ بنت علی بن موسیٰ الرضا عن فاطمہ

وزینب و ام کلثوم بنات جعفر بن کاظم

حججہ؛ بکر بن احمد العصری شعی ہے۔

سأوال طریقہ؛ عن ابی ہریرۃ۔ بن سند بن مطر انور ان عن شہر بن حوشب عن ابی

ہریرۃ۔ یہ دونوں راہنسی ہیں۔

معلوم ہوگا کہ اصول روایت کے اعتبار سے یہ حدیث من گھڑی اور سافط  
 الاعتبار ہے۔ اصول روایت کے لحاظ سے عقلی معیار پر پوری نہیں اترتی اور واقعات  
 کے لحاظ سے جو تفصیل علامہ حائری نے دی ہے وہ حقیقت سے زیادہ خواب کی بات  
 معلوم ہوتی ہے۔ لہذا ایسی حدیث سے خلافت باافضل کا بنیادی اور اعتقادی مسئلہ  
 ثابت کرنا کسی طرح معقول نظر نہیں آتا۔

علماء شیعہ کی طرف سے خلافت علیؑ کے ثبوت میں چار اور احادیث بیان کی جاتی  
 ہیں جو فتح الباری ۸: ۱۰۶ پر یکجا بیان کی گئی ہیں۔

جو بات شیعہ نے راجح کر رکھی کہ نبی کریمؐ  
 نے اپنے بعد خلافت کی وصیت کی تھی  
 اور یہ کہ حضرت علیؑ حضورؐ کا فرض بھی ادا  
 کریں گے اس حدیث کو عقلی وغیرہ محدثین  
 نے ترجمہ حکیم بن جریر میں درج کر کے ضعیف  
 قرار دیا ہے۔

مسلمان بیان کرتا ہے کہ میں نے عرض کیا  
 یا رسول اللہ آپ کے بعد آپ کا وصی کون  
 ہوگا فرمایا۔ علیؑ۔ وصی ہوگا جو میرے اراد  
 کی جگہ ہے میرا خلیفہ ہوگا اور بہت اچھا خلیفہ  
 ہوگا۔

ابن بربہ اپنے والد سے مرفوع حدیث بیان  
 کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا ہر نبی کا وصی ہوتا  
 ہے اور میرا وصی علیؑ ہے۔

ابودر۔ رسول کریمؐ سے بیان کرتے ہیں کہ  
 حضورؐ نے فرمایا کہ میں خاتم الانبیاء ہوں

(۱) ما اشاعتہ الا فضیلة از النبی صلی اللہ علیہ وسلم

روضی لی علیؑ بالخلافة وان یوتی دیونہ ودد اخرج  
 العقیلی وغیرہ فی الضعفاء فی ترجمہ حکیم بن جریر من  
 طریق عبد العزیز بن مروان عن ابی ہریرۃ عن۔ ان

انہ قال قلت یا رسول اللہ ان اللہ تعالیٰ لم یبعث نبیا  
 الا ینزل من علی بعدہ فہل یمن لک قال نعم وان ابی طالب

(۲) عن سلمان قلت یا رسول اللہ من

وصیک قال وصیی و موضع سری

و خلیفتی علیؑ اہلی و خیر من

اخلفہ بعد علیؑ ان ابی

طالب۔

(۳) عن ابن بربہ عن اسیہ

رفعت کلکلی بنتی وصی وان علیا وصیی

و ولدی۔

(۴) عن ابی ذرؑ رفعتہ اننا

خاتم النبیین و علیؑ خاتم الواصلیاء

اور دعا وغیرہا ان الجوزی فی  
الموضوعات۔

اور علی غاتم الاوصیاء ہیں یہ تمام حدیثیں  
موضوع ہیں۔

مختصر یہ کہ یہ چاروں حدیثیں وضعی ہیں جھوٹی ہیں۔ اور اصولی مسئلہ کی بنیاد صرف دلیل  
قطعی بن سکتی ہے جو فرض مزاج غیر مؤدل اور اپنے مدلول پر واضح ہو۔ اس لیے خلافت بلا فصل  
کے لیے یا تو قرآن کی آیت ہو جیسے **يَا اٰدَمُ اجلسناك خلیفة فی الارض ایسے ہی**

یا علی انا جعلناک خلیفة صید محمد یا حضور اکرم کی متواتر حدیث ہو اور یہ دونوں چیزیں  
آج تک قول نہیں سکیں ممکن ہے آئندہ کوئی ڈھونڈ نکالے۔

(۳) ان چار احادیث کے علاوہ تیسرے نمبر پر ایک اور حدیث بطور دلیل پیش کی جاتی ہے  
اللألی المحنوعه ۱: ۳۲۵ حدیث لیلۃ الجن عبد اللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں۔

كنت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم بیلہ ذذ الجن فلما  
انصرف فتنفس قلت ما شانک یا رسول اللہ  
قال لیت الی نفسی قلت فاستخلف ذال من قلت  
ابا بکر فسکت ثم مضی ساعة ثم تنفس قلت  
ما شانک قال لیت الی نفسی قلت  
فاستخلف تا من قلت عمرا فسکت  
ثم مضی ساعة ثم تنفس قلت  
ما شانک قال لیت الی نفسی قلت  
فاستخلف ذال من قلت  
علی ابن ابی طالب قال اما  
والذی نفسی بیده لئن اطاعہ  
لید خلق الجنة اجمعین۔

موضوع الحمد  
فیہ علی مینا مولیٰ عبد الرحمن

بن عوف غال فی التشیع  
لیس بثقة۔

مولیٰ عبد الرحمن بن عوف ماویٰ ہے جو غالی  
شیعہ تھا قابل اعتبار نہیں ہے۔

میزان الاعتدال میں ہے کہ وہ ساقط الاعتبار ہے۔ تترہبہ الشریعۃ میں کذاب  
لکھا ہے۔

ذیہ احادیث میں صحابہ کا ایک امام رویہ جابہ جاملتا ہے کہ حضور کوئی بات پوچھتے  
تو صحابہ کہہ دیتے کہ اللہ ورسولہ اعلم۔ تو اہ صحابہ کو اس سوال کا جواب معلوم نہیں ہوتا وہ  
اپنے فہم پر اعتماد کرنے کی بجگہ اللہ ورسول کے پرہیز کرتے تھے۔ اس حدیث میں ابن مسعود  
جیسے مزاج شقیس رسول حضور کو پ درپے تین مرتبہ ایک اہم مشورہ دیتے ہیں اور  
حضور کے خاموش ہو جانے سے بھی یہ اشارہ نہیں پاتے کہ مجھے خاموش رہنا چاہیے۔  
حدیث کے موضوع ہونے کی ایک عقلی دلیل تو یہ بھی معلوم ہوتی ہے۔

ابن مسعود کی دوسری روایت اسی مضمون کی ہے جس میں ہے حد شایع بن ابی  
۱۴۱ سلسلی اور بی عبد اللہ الحدلی عن ابن مسعود ہے۔ اول الذکر کے متعلق تہذیب  
۱۱: ۳۰۴ پر ہے کہ کوئی شیعہ تھا۔ اور ثانی الذکر کے متعلق ۱۲: ۱۲۷ پر ہے کہ صحابہ  
سے بغض رکھنے والا شیعہ تھا۔

اسی کتاب کے ۱: ۳۲۶ پر ابن مسعود کی روایت یوں بیان ہوئی ہے

قال لی رسول اللہ سالت اللہ تعالیٰ  
ان یفقدک ثلاثا فابی علی  
الاتتدیر الخ  
بکر۔

اس روایت سے تو خلافت صدیقی کے منصوص ہونے اور ماتور من اللہ ہونے میں کوئی  
شعبہ نہیں رہ جاتا۔

(۴) ایک اور حدیث خلافت بلا فصل کی دلیل کے طور پر پیش کی جاتی ہے۔

اذا مدینۃ العلم وعلیٰ باھا۔



قال يحيى بن معين لا اصل له وقال  
بخاری انه منكر وليس وجه  
صحيح وقال الترمذی انه منكر  
عريب وذكره ابن الجوزی في  
الموضوعات وقال الشيخ نفي الدين  
ابن حنبل العيد هذا الحديث  
لعنه بنتوه وقال الذهبي في  
الميزان انه موضوع وقال شمس  
الدين الجزري انه موضوع  
وقال الذهبي في الميزان  
داود بن سليمان الغازي له  
سختة موضوعة عن علي بن موسى  
الرياء وقال ابن عساكر منكر جدا  
استاذ ومناذركا ابو سعد اسمعيل بن  
الغمر الاسر آبادي بخطه مشفق فقام اليه  
رسد فقال ايها الشيخ ما تقول في قول النبي  
صلى الله عليه وسلم انا مدينة العلم وعلي  
يا بھما قال فاطرف لخطبة ثور فزع راسه  
وقال لعل لا تعرف هذا الحديث علي  
التمام قال الجوزماني هذا حديث منكر  
مضطرب قال المؤلف والسوء موضوع اضطرب  
الرواية وفي نسخة فضيل صحفه يحيى بن معين  
ميزان الاعتدال ۱۴۳۰: ۱

یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ اس حدیث کی کوئی  
اصل نہیں امام بخاری کہتے ہیں یہ منکر ہے اس  
کے صحیح ہونے کی کوئی وجہ نہیں امام ترمذی نے  
فرمایا منکر ہے غریب ہے شیخ تقی الدین نے  
فرمایا یہ حدیث نبی کریم سے ثابت نہیں ابن  
جوزی نے اسے موضوعات میں لکھا ہے امام ذہبی  
نے میزان میں فرمایا یہ موضوع ہے۔ اب اسے  
جزری کہتے ہیں یہ موضوع ہے امام ذہبی نے  
فرمایا کہ داؤد بن سلیمان غازی کا ایک نسخہ  
موضوع تھا جو اس نے علی بن موسیٰ الرضا  
سے لیا تھا ابن عساکر کہتے ہیں کہ سند اور متن  
کے اعتبار سے نہایت منکر ہے۔ ابو اسعد  
اسماعیل الاسر آبادی دمشق میں وعظ کہہ رہے  
تھے کہ ایک آدمی اٹھا سوال کیا کہ شیخ اس  
حدیث کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں۔  
..... آپ تھوڑی دیر سر جھکائے خاموش  
رہے پھر کہا ہمیں یہ حدیث معلوم نہیں۔  
ابوزمانی نے کہا ہے یہ حدیث منکر مضطرب  
ہے سیوطی کہتے ہیں کہ موضوع ہے اس کی  
سند میں فضیل ہے جو موضوع حدیثیں بیان  
کرتا تھا۔ ابن حبان کہتے ہیں وہ موضوع  
روایات بیان کرتا تھا۔  
بڑا موضوع

اس موضوع حدیث سے زیادہ نکتہ میں کی نسبت کا اظہار ہونا ہے نہایت  
بلا فصل کا تو اشارہ تک نہیں ملتا۔

(۵۱) ایک اور حدیث بیان کی جاتی ہے۔

من بربعاہ قال قال رسول اللہ ان سیدنا  
صی وانا من عذو وھودی کل مؤمن من  
بحدی۔

حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ حضور نے  
فرمایا علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں  
اور وہ میرے بعد بھی ہر مؤمن کا دوست ہے۔  
میزان الاعتدال ۱: ۳۷ پر اس حدیث کے راوی فلج کے متعلق درج ہے۔

قال ابن عدی شیخی۔ قال الجوزماني مفتر۔ قال الترمذی ہذا حدیث غریب  
لا تعرفہ الا من سیدان جعفر۔ قال ابو حاتم یس بالقوی وقال ضعیف  
کتاب شیعہ محمد بن علی الدرر دہلی ۱: ۱۵۲ پر لکھا ہے کہ شیعہ تھا۔  
شیعہ راوی کی اس ضعیف حدیث سے بھی حضرت علیؑ کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے  
خلافت بلا فصل کی دلیل بنانا تو تکلف محض ہے۔

ان تمام احادیث کی تفصیلی تخریح و تعدیل مطلوب ہو تو ذیل کی کتب رجحان دیکھیں:-

میزان الاعتدال ذہبی  
لسان المیزان ابن حجر  
تندیب التندیب ابن حجر

تتمیز بہ الشریعہ عن اخبار الموضوعہ۔ علامہ ابن عراق۔

### حدیث قرطاس

حضرت علیؑ کی خلافت بلا فصل کی دلیل کے طور پر ایک اور حدیث پیش کی جاتی  
ہے جو حدیث قرطاس کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا تفصیلی جائزہ لینا ضروری ہے۔ حدیث  
کا متن یہ ہے:-

عن ابن عباس قال لما حضر رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم فی البیت رجال فیہم  
ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ جب حضورؐ  
کا مرض بڑھ گیا تو گھر میں کئی آدمی تھے ان

بعض اوقات کسی کلام میں کوئی خاص لفظ اس طرح مرکب تو جبر بن جایا کرتا ہے کہ سارے مضمون کلام کو اس ایک لفظ کے گرد گھمایا جاتا ہے۔ اس طویل حدیث میں بھی ایک لفظ ”ہجرت“ ماہ النزاع بن گیا ہے۔ مجتہدین شیعہ نے اس کا قائل حضرت عمر کو قرار دیا ہے۔ اور اس لفظ کی نسبت حضور کی طرف کرنا تو بن رسول ہے۔ گویا حضرت عمر کو بدنام کرنے کے لیے اس ایک لفظ سے خوب کام لیا گیا ہے لہذا اس لفظ پر تفصیلی بحث کرنا ضروری ہے۔

(۱) لفظ ہجرت کی تحقیق :-

ہجرت ہجرت باب نصر یعنی پر متعدی اور لازم دونوں صورتوں میں استعمال ہوتا ہے۔ متعدی ہو تو ہجران سے مشتق ہے جس کے معنی کسی کو چھوڑنا آتا ہے۔ قرآن مجید کی متعدد آیات اس پر دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً واخرجکم مخرجیلادیاہجرنی ملیا انی ہاجرا لى رجب کسی سے کلام ترک کرنا یا وطن چھوڑنا کے معنوں میں آتا ہے حدیث بالا میں یہی معنی موزوں ہیں۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مرض موت میں تھے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں چھوڑ کر جا رہے ہیں دنیا فانی کو ترک کرنا چاہتے ہیں ہمیں داغ مفارقت دینا چاہتے ہیں اس لیے فغاناً اہجرت کے ساتھ استغمدہ بھی ہے یعنی پوچھ لو کیا ہمیں چھوڑ کر جا رہے ہیں یہ پوچھنا اس وجہ سے ہو سکتا تھا کہ قرینہ کتابت کا موجود تھا۔

اگر ہجرت لازمی معنوں میں استعمال ہو تو رنی کے ساتھ ہوتا ہے جیسے اہجرتی نومہ اذنی مرضہ المنجد میں یہی دو مثالیں دی گئی ہیں ہجرتی نومہ اذنی مرضہ۔ مگر حدیث بالا میں یہ لفظ رنی کے بغیر استعمال ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حدیث میں یہ لفظ پہلے معنوں میں یعنی ہجران یا ترک کرنے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ تفسیر کشاف میں ہے اور فتح الباری ۸ : ۹۳ پر ہے۔

اہجرتی راجح بات صحیحہ استفہام ثابت کرنا ہے ساتھ فتحات کے اس لیے کہ یہ ماضی ہے۔

ہجرت بضم یعنی ہجرت ہے اس سے مراد

ان قوله اہجرت الراجح فیہ اثبات ہجرت الاستفہام وبفتحات علی انہ فصل ماضی ان قال ہجرت۔

والہجرت بالضم ثم السنون۔ الہدیان

میں عمر فاروق بھی تھے۔ حضور نے فرمایا لاؤ میں تمہیں تحریر لکھ دوں کہ اس کے بعد ہجرت گمراہ نہ ہو گے حضرت عمر نے کہا آپ پروردگار علیہ اور تمہارے پاس قرآن موجود ہے کتاب اللہ تمہیں کافی ہے۔ . . . .

سلیمان کی روایت میں ہے کہ ابن عباس نے فرمایا کہ آہ! تمہیں کا دن! پھر آپ اتنا روئے کہ آنسوؤں سے زمین کے ٹکڑے تر ہو گئے۔ میں نے کہا اے ابن عباس تمہیں کے روز کیا ہوا تھا۔ کہا کہ حضور کی تکلیف شدت اختیار کر گئی تو آپ نے فرمایا کوئی ٹکڑا لاؤ میں تمہیں ایسی بات لکھ دوں کہ اس کے بعد گمراہ نہیں ہو گے اس پر لوگ جھگڑنے لگے اور بتی کے پاس جھگڑنا مناسب نہیں پھر حاضرین نے کہا آپ کا کیا حال ہے پیام سے جدا ہو رہے ہیں پوچھو تو سب بڑے حضور سے پوچھنے لگے۔ آپ نے فرمایا مجھے چھوڑ رہنے دو میں جس حالت میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم بلا تے ہو پھر آپ نے تین باتوں کا حکم دیا فرمایا مشرکین کو عرب سے نکال دینا۔ وفدوں کے ساتھ وہی سلوک کرنا جو میں کیا کرتا تھا۔ تیسری بات سے خاموشی اختیار کر لی یا راوی کہتا ہے کہ میں بھول گیا۔

عمر بن الخطاب قال انى هذوا كتب لى كتابا لى نضلوا الجده فقال عمر قد غلب عليه الوجع وعندى القرآن حسبكم كتاب الله . . . . .

روى روايته سليمان بن ابى مسلم الاحول قال ابن عباس يوم الخبيس وما يوم الخبيس ثم بنى حتى بل ومعه الحصى قلت يا ابن عباس وما يوم الخبيس قال اشتد برسول الله صلى الله عليه وسلم وجعه وقال ايتونى بكتف كتف لى كتابا لى نضلوا الجده ابدا فتنازعوا ولا يدفق عند بنى نازع فقالوا ما سانا ما هجرنا استفهمه فذهبوا يردون عليه فقال دعونى ذرونى فالدى انا نيه خير مما تدعوننى اليه فامرهم بشئ فقال احزبوا المشركين من جزيرة العرب واجيزوا الوفد بنحو ما كنت احيزهم وسكت عن الثالثة او قالها فنيهما (متفق عليه)

والمرابہ ما یقہ ہنا من کلام  
المریض الذی لا ینتظر کلامہ  
ولا یعتقد بہ لعدم فائدۃ و  
وقوع ذلک من النبی متخیل  
لانہ معصوم فی صحنہ ومرضہ الی  
ان قال ویحتمل ان بعضہم قال ذلک  
عن شک عرض لہ وکن یبعده  
ان لا ینکسرہ الباقون علیہ مع کونہم  
من کبار الصحابہ ولما انکروہ لفقہ۔

ہے مریض کے کلام میں جو واقع ہوتا ہے اس میں  
نظم نہیں رہتا لہذا اسکی کلام غیر معتد بہ ہوتی ہے  
اور حضور سے اس کا وقوع محال ہے کیونکہ آپ  
صحت و مرض دونوں حالتوں میں معصوم ہیں۔  
اور اس بات کا احتمال جو بعض نے کہا ہے وہ  
شک سے ہے جو اسے پیش ہوا لیکن یہ امر حضور  
سے بعید ہے اور باقی لوگوں نے اس کا انکار  
نہیں کیا حالانکہ وہ کبار صحابہ تھے اگر ایسا ہوتا تو  
وہ نقل ہو کر ہم تک پہنچتا۔

اسی طرح امام نووی شارح مسلم نے ۲: ۴۲ پر لفظ صحیح کی تردید فرمائی ہے کہ اس کی  
نسبت رسول کریم کی طرف کرنا محال ہے کیونکہ آپ معصوم ہیں۔

اسی طرح ایک شیعہ عالم صاحب نکت الخبائات نے ۳۱۸: ۱ تسلیم کیا ہے۔

یحتمل ان ینکون قولہ آخجر فعلا  
ما ضیا من الہجر بفتح الہاء وسکون  
الجیم والمفعول محذوف ای الحیاة۔  
وذكرہ بلفظ الماضي مبالغة لما رای  
علامات الموت۔

اور احتمال ہے کہ قائل کا قول صحیح فعل ماضی ہو  
صحیح سے اور مفعول محذوف ہو یعنی حیات کو  
چھوڑ رہے ہیں اور ماضی سے اس کا ذکر بطور  
مبالغہ ہو جبکہ اس نے موت کی علامات  
دیکھی ہوں۔

ثابت ہوا کہ صحیح صیغہ ماضی کا ہے جس کے معنی چھوڑنا ہے یہاں مراد حیات کا چھوڑنا ہے  
فقالوا انہم میں جس شخص نے اس لفظ کی نسبت حضور سے کی ہے اس نے صحیح صیغہ ماضی کا بولا ہے۔  
صحیح یعنی ہڈیاں کے نہیں۔ یہ احتمال بھی بعد والوں کو پیش آئے ورنہ صحابہ میں سے کوئی فرد بھی نہیں  
ملتا جس نے کہا ہو کہ صحیح یعنی استعمال ہوا ہے۔ یہ بھی واضح ہو چکا ہے کہ صحیح صحیح باب نفع بصر سے  
متعدی اور لازم دونوں طرح آتا ہے اور ظاہر ہے کہ فعل متعدی سے وقوع فعل مقصود ہوتا ہے کسی  
چیز پر اور فعل لازم سے صرف فاعل ہے صدور فعل مقصود ہوتا ہے۔ متعدی کے معنی ہوں گے

چھوڑ جانا حیات کا، صحابہ کا، یا دنیا کا اور لازمی کی صورت میں معنی ہوں گے کہ مریض کلام کر رہا ہے اور  
اس کے منہ سے صدور ہو رہا ہے اور ظاہر ہے کہ پہلے معنی وقوع اور فعل کے مناسب میں معنی ثانی  
کے لیے فی کے ساتھ استعمال ہونا ضروری ہے اور وہ یہاں موجود نہیں اس لیے دوسرے معنی مراد  
نہیں لیے جاسکتے۔

ایک سوال۔ اس موقع پر حاضرین کون تھے؟

حدیث مذکورہ بالا میں صرف اتنا ملتا ہے کہ وفیہ رجال۔ ایک جگہ اس کی تفصیل ملتی ہے شیعہ  
کی بنیادی کتاب۔ کتاب سلیم بن قیس صلابی ص ۱۸۶ پر بیان ہوا ہے کہ ابن عباس نے حضور کی  
موت کا ذکر کیا اور روئے پھر فرمایا

قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم  
يوم الاثنين وهو اليوم الذي قبض  
فيه دحول۔ اهل بيته وثلاثون  
رجلا من اصحابه ايترو بكلف  
التي لحوكتا بالنفس بعد۔

حضور پر یہ کے دن فرمایا یہ وہ دن ہے جس میں  
آپ دنیا سے رخصت ہو گئے اور اس وقت  
آپ کے گھر داخل بیت تھے اور تیس صحابہ تھے کہ  
ایک ٹکڑا لاؤ میں تمہیں کچھ لکھ دوں کہ میرے بعد  
گمراہ نہ ہو گے۔

شعیر راوی نے بیان کیا ہے کہ اس موقع پر اہل بیت کے علاوہ ۳۰ صحابی موجود تھے۔ اصل  
روایت میں ہے فقالوا انہم۔ اگر قائل بقول شیعہ حضرت عمر تھے تو موقع کے گواہ ابن عباس یا ان ۳۰  
صحابہ میں سے کسی ایک شخص کی زبانی صحیح روایت موجود ہونی چاہیے کہ اس کے قائل حضرت عمر ہیں۔  
مگر ایسی کوئی روایت نہیں ملتی لہذا بعد والوں کی باتیں انہام سے زیادہ کچھ نہیں۔

دوسرا سوال۔ اس لفظ کا قائل کون ہے؟

یہ تو معلوم ہو چکا کہ اس دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں کہ اس قول کے قائل حضرت عمر ہیں مگر اس کا  
قائل تلاش کرنا بھی کوئی غیر ضروری چیز نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اس موقع پر اہل بیت اور صحابہ کی جو جماعت موجود تھی اس کے دو گروہ  
ہو گئے ایک جماعت لکھانے کے حق میں تھی دوسری مانع۔ مانعین میں صرف حضرت عمر کا نام  
آتا ہے۔ اور یہ لفظ ان لوگوں کی زبان سے نکلا جو لکھانے کے حق میں تھی۔ لہذا حضرت عمر تو تحقیق

کے پہلے مرحلے پر ہی بری الذمہ ثابت ہوتے ہیں۔

چنانچہ فتح الباری ۸ : ۹۴

منہم من بقول قریبوا بکتب لکوم  
ما سبہ بان بعضہم کان معہما  
علی الاقتبال والرد علی من امتنع  
منہم۔

اور ص ۹۳ پر ہے

واذا عرف ذلك فاما قاله (لفظ هجر) من  
قاله سدا علی من توقف فی امتثال امره  
باحصار الكلف والذواة فكانه قال  
کیف تتوقف انظن انه صلی الله علیہ  
وسلم کغیره یقول الربذیان فی  
مرضه۔ امثله امره واحضره ما طلب فانه لا  
یقول الا الحق۔

اور اشعة المعالک میں ہے

یعنی چرا منع کنید از نوشتن۔ خیال میکنید کہ

مختلط شدہ است کلام۔ اس اعتقاد حضرت

اور نتواں کرد۔ (۳ : ۶۱۰)

اور امام نووی نے شرح مسلم میں فرمایا

انما جاء هذا عن قائله استفهاما  
لا انكار على من قال لا تكتبوا  
امی لا تتركوا امر رسول الله صلی  
الله علیہ وسلم ولا تجحدوه

ان میں سے بعض نے کہا قریب کرو کہ تمہارے لیے  
لکھیں بعض اس حکم کے بحال لانے پر مصر تھے اور منع  
کرنے والوں کی تردید کرتے تھے (یعنی فاروق وغیرہ  
کی تردید کرتے تھے کہ تم کیوں روکتے ہو)

یہ ظاہر ہو گیا کہ ہجرت کا قائل ان لوگوں میں سے تھا جو  
توقف کرنے والوں کی مخالفت کر رہا تھا۔ گویا اس  
نے کہا کیسے توقف کرتے ہو کیا تمہارا خیال ہے کہ  
حضرت بھی دوسرے لوگوں کی طرح ہیں اپنے مرض  
میں ہذیان کہہ رہے ہیں۔ لہذا حکم بحال۔ اور  
جو کچھ انہوں نے طلب فرمایا ہے حاضر کر کیونکہ  
حضرت تو حق کے بغیر کچھ نہیں کہتے۔

کا مرمن ہجر فی کلامنا صلی اللہ

علیہ وسلم لا یجرح (۲۳:۲)

جس کے کلام میں اختلاط ہوتا ہے کیونکہ حضور  
کے کلام میں اختلاط نہیں ہو سکتا۔

محمد میں نے واضح کر دیا کہ لفظ ہجر لوٹنے والی جماعت وہ تھی جو فاروق اعظم کی رائے کی  
مخالف تھی کیونکہ حضرت عمر لکھنے میں مالتھ تھے اس لیے کہ حضور کو تکلیف ہوگی انہیں حضور کا آرام  
مطلوب تھا۔ مگر لکھانے والی جماعت کلام رسول کی اہمیت کے پیش نظر مصر تھی کہ حضور کی کلام  
ترک نہ کی جائے۔ اور حضور کی کلام کو عام بیماریوں کی کلام پر تیا س نہ کیا جائے اور یہ بھی واضح  
ہو گیا کہ لفظ ہجر ہمزہ استفہام انکاری کے ساتھ استعمال ہوا ہے اگر کسی روایت میں ہمزہ  
مذکور نہ ہو تو اسے مقدر مانا جائے گا جیسا کہ صاحب لمعات فرماتے ہیں۔

وکلام محمول برا استفہام انکاری است واگر در بعض

روایات حرف استفہام مذکور نہ باشد مقدر است

فافہم (۴ : ۶۱۰)

اور فتح الباری میں ہے

فقالوا ما شأننا اھجر استفہامه فذھبوا

یردون علیہ ہمزہ لجمیع رواة البخاری

..... وحاصله ان قوله هجر الدراجہ ذہبوا

ایشات ہمزہ الاستفہام (۸ : ۹۳)

معلوم ہوا کہ روایت میں لفظ ہجر ہمزہ استفہام انکاری کے ساتھ مذکور ہے اور یہ  
لفظ لازماً اس جماعت کی زبان سے نکلا جو لکھانے کے حق میں تھی اور ذکر ہو چکا ہے کہ یہ متعدی  
آیا ہے اور اس کا معنی چھوڑنا ہے اور اس کا قرینہ خود جملہ استفہامہ ہے یعنی ذرا پوچھو تو سہی  
کیا میں داغ مفارقت تو نہیں دیتا چاہتے اگر صحابہ نے کلام بے ارادہ بھی ہوتی تو صاف کہہ دیتے  
چھوڑو مریضوں سے ایسی باتیں حالت غشی میں ہوتی رہتی ہیں استفہامہ نہ کہتے۔

روایت میں جسم کتاب اللہ کا جملہ حضرت عمر کی زبان سے بیان ہوا ہے۔ اگر یہ لفظ یعنی

اھجر بھی حضرت عمر کی زبان سے نکلتا تو کوئی وجہ نہیں کہ راوی اسے بیان نہ کرتا۔ اور وہ نقل ہو

کہ ہم تک نہ پہنچتا۔ لہذا حضرت عمر کی زبان سے یہ لفظ ثابت کرنا اتنا ہی محال ہے جتنا کسی ذریعہ کے بغیر آسمان پر چڑھنا محال ہے۔ اس نم کو سر کرنے کے لیے قریباً ۷۰ سال سے کوشش پوری ہے عراق، ایران، نجد، حجاز و رستان بالخصوص لکھنؤ تک دنیا بھر کے چوٹی کے شیعہ علماء کوشش کرتے رہے کسی طرح اس بات کا ٹھوس ثبوت مل جاتا کہ لفظ اہجر حضرت عمر کی زبان سے نکلائے۔ نہ ایک سہارا ملتا کہ سر اللعالمین میں امام غزالی نے یہ کہا ہے۔ مگر یہ بھی کوہ کندن و کاہ بر آوردن سے زیادہ کچھ نہیں۔ شیعہ محدث الجزائر اصرار کرتے ہیں کہ یہ امام غزالی کی تصنیف نہیں۔

نسب الكتاب الذي يسمى بسر اللعالمين وذكر بعضه في كوكب الكتاب له (انوار نعمانية ۱۲۴: ۱)

جب یہ امام غزالی کی تصنیف ہی نہیں تو سنہ کیونکر بنی۔ اور اگر محدث الجزائر کی اعتراف کے باوجود یہ فرض کر لیا جائے کہ یہ امام غزالی کی تصنیف ہے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ اتنے بڑے مسئلہ میں چھٹی صدی کے صرف ایک عالم کی رائے جس کا تعلق عقلی تحقیق سے نہیں بلکہ تاریخی واقعہ سے ہو کر قویٰ فیصلہ تسلیم کر لیا جائے اس کے ثبوت میں صحیح حدیث پیش کرنی چاہیے۔ اقوال علماء کو حدیث رسول کے مقابلے میں پیش کرنا یا تو نرمی جمالت ہے یا جزات زندان بہر حال اس بات کا امکان تو ہے کہ یہ کوشش مزید جاری رہے مگر یہ ممکن نہیں کہ اس بات کا کوئی حتمی ثبوت مل جائے کہ اہجر کا لفظ حضرت عمر کی زبان سے نکلا۔

حضرت عمر کا یہ کہنا کہ حکیم کتاب اللہ ان کے مناقب میں شمار ہونے کے لائق ہے مگر نا سبھ لوگ اسے ان کے معائب میں شمار کرتے ہیں۔ جیسا کہ فتح الباری میں مذکور ہے۔

وقد عده هذا من موافقات عمر (۱۵۰: ۱)

اور اتفق العلماء على ان قول عمر حسينا كتاب الله من قوة فقهه ودقيق نظره (۱۶۳: ۸) تیسرا سوال۔ حضور کیا لکھا جاتے تھے۔ اس مسئلے میں شیعہ رائے بیان ہوئی ہیں مثلاً

قال الدؤدی وصیبت بالقرآن . داؤدی کہتے ہیں کہ قرآن کے متعلق وصیت لکھوانا وہب حزم ان التین۔ چاہتے تھے ابن التین کا خیال بھی یہی ہے۔ اس وجہ سے حضرت عمر کا قول موافقات عمر میں شامل ہونے کے لائق ہے۔

انذ منى الله عليه وسلم اراد ان يكتب استخلاف ابى بكر ثم ترك ذلك اعتمادا على ما علمه من تعدد بينه تعالى ذلك كما هو في الكتاب في اول مرضه حين قال و اساهه ثم ترك الكتاب و قال يا بنى الله و يدفع المؤمنون الا اب بكر ثم نبه امته على استخلاف اب بكر بتقديمه اياه في الصلوة۔

حضور نے حضرت ابو بکر کی خلافت کی تحریر کا ارادہ فرمایا پھر اس امر پر اکتفا کرتے ہوئے جو آپ تقدیر الہی سے معلوم کر چکے تھے ارادہ ترک کر دیا جیسا کہ آپ نے اول مرض میں لکھانے کا قصد کیا تھا جب فرمایا تھا دار اسماہ پھر ارادہ ترک کر دیا اور فرمایا اللہ انکار کر دے گا اور مومن بھی۔ ابو بکر کے بغیر کسی کی خلافت قبول نہ کریں گے پھر ابو بکر کو نماز میں امام بنا کر حضور نے ابو بکر کی خلافت کی عملاً تبلیغ فرمادی۔

یعنی دوسری رائے یہ ہے کہ حضور اکرم چاہتے تھے کہ ابو بکر کی خلافت کا فرمان لکھا دیں یہ رائے معقول اور ذہنی معلوم ہوتی ہے۔

(۱) حضور جو تحریر میں لانا چاہتے تھے وہ عمل میں لاکے دکھا دیا کہ حضرت ابو بکر کو مسجد نبوی میں اپنا قائم مقام بنا دیا۔ نماز اسلام کا پہلا رکن ہے اور اسلام اور غیر اسلام میں ماہ الامتیاز ہے اس لیے اس رکن کی ادائیگی میں حضرت ابو بکر کو قیادت کے فرائض سونپنا دراصل ان کی خلافت کا فرمان تھا۔

(ب) اگر اس کے بغیر کوئی اور چیز ہوتی تو حضور بعد میں لکھوادیتے کیونکہ حضور اس واقعہ کے بعد دو روز اس دنیا میں موجود رہے جیسا کہ درت النبیہ میں لکھا ہے۔

والصیغہ عندی وهو الاكثر والاكثر اعم التمكن | میرے نزدیک صحیح بات وہی ہے جو اکثر مشہور

آخر الصلاة في حياته صلى الله عليه  
وسلم بالناس جماعة وان ابا بكر صلي  
بالناس بعد ذلك يومين ثم مات (ص ۲۲۳)  
(۳) مسند احمد طبع مصر ۱: ۹۰

عن علي بن ابي طالب قال امرني النبي صلى  
الله عليه وسلم ان اتيه بطبق يكتب  
منه ما لا تضل امته من بعده  
قال فغيشمت ان تغوتني  
ففسر قال قلت اني احفظ واجتجى قال  
ادعي بالصلاة والزكاة وما  
ملكك ايما نحو -

اس روایت سے کئی امور کی وضاحت ہوتی ہے۔

(۱) حضور اکرم نے حضرت علی کو قلم دوات لانے کا حکم دیا۔

(۲) حضرت علی نہ اٹھا اور نہ لائے۔ اس خیال سے کہ انہیں حضور کے پاس سے اٹھ جانا  
گوارا نہ تھا۔

(۳) حضرت علی نے عرض کیا آپ فرمائیں میں یاد رکھوں گا۔ یعنی وہ جانتے تھے کہ حضور کا ارادہ  
حکم الہی سے ہے لہذا سے عمل میں آکر رہتا ہے صورت خواہ کوئی ہو۔

(۴) حضرت علی کا خیال ٹھیک ثابت ہوا کہ حضور جو کچھ لکھانا چاہتے تھے وہ آپ نے فرما دیا  
اور حضرت علی نے یاد بھی رکھا اور امت کو پہنچا بھی دیا۔

(۵) اصل حدیث میں جو تیسری چیز لکھی تھی کہ نسکت عن التالفة وہ بھی معلوم ہو گئی۔

(۶) حضور نے اس وصیت میں سرفہرست نماز کو رکھا اور نماز کی قیادت حضرت ابو بکر کو  
سونپی اس روایت سے رائے علا کو بھی تقویت پہنچتی ہے۔

(۷) اگر حضرت عمر کے متعلق یہ کہا جائے کہ قلم دوات لانے میں ممانع ہوے اور جس کو کتاب اللہ

کہہ دیا تو حضرت علی کے متعلق بھی یہ کہنا درست ہے کہ قلم دوات لانے کو نہ اٹھے اور نہ فرما کر دیا  
آپ فرمائیں میں یاد رکھوں گا۔ ان دونوں حضرات کے اس عمل کا محرک ایک ہی جذبہ تھا۔  
محبت رسول ایک نے اپنے محبوب کو تکلیف دینا گوارا نہ کیا دوسرے نے اپنے محبوب کے  
پاس سے چند لمحوں کے لیے غیر حاضر رہنا گوارا نہ کیا۔ مجرم دونوں تھے مگر جرم محبت کے مجرم  
اور میں۔

ان کے علاوہ ایک رائے وہ ہے جو شیعہ علماء کی طرف سے پیش کی جاتی ہے کہ حضرت علی  
خلافت کا حکم لکھوانا چاہتے تھے۔

اس رائے پر کئی ایک عقلی اور تاریخی اعتراض وارد ہوتے ہیں۔ خلافت

(۱) جب حضرت علی کو حضور نے حکم دیا تو قلم دوات کیوں نہ لائے۔ اگر وہاں موجود نہ ہوتے تو  
غیر کوئی بات نفی مگر جب اہل بیت موجود ہیں آپ کو حکم دیا جاتا ہے آپ تعمیل نہیں کرتے۔

(۲) حضور نے حضرت علی سے جو باتیں فرمائیں انہوں نے بیان کر دیں ان میں خلافت کا ذکر نہیں۔  
(۳) اس واقعہ کے بعد جب حضور دو روز تک صحابہ میں موجود رہے تو حضور نے حضرت علی کو کیوں  
نہ وہ تحریر دے دی یا حضرت علی نے کیوں نہ لکھوا لیا۔

(۴) ابھی درمیان پہلے کی بات ہے کہ غدیر کے موقع پر بقول شیعہ حضرت علی کی خلافت کا

اعلان ہو گیا اور بقول علامہ عائری ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ فرداً فرداً حضرت علی کے  
شہ میں جا کر بیعت کرتے رہے اور اس میں کئی عیسے مروت ہونے کا امکان ہے جس کا تفصیلی  
بیان گذر چکا ہے تو اس علی مظاہرہ خلافت کے بعد خلافت کا فرمان لکھوانے کا مطلب کیا ہے

کیا دنیا میں کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ عمل پہلے ہو اور اس کا حکم بعد میں دیا جائے۔ ہوتا یوں ہے  
کہ حکم پہلے ملتا ہے اس پر عمل بعد میں ہوتا ہے۔ مگر یہاں معاملہ برعکس ہے۔ اگر اس لکھوانے  
کا مقصد یہ تھا کہ یہ عملی بیعت ناکافی ہے۔ اس لیے مزید استحکام کے لیے تحریر بھی ہونی چاہیے۔

تو یہ بات صحابہ کرام کا مقام نہ سمجھنی وجہ سے ہے جو نبی کریم کی زبان سے نکلے ہوئے ایک  
لفظ پر جان دینے کو تیار ہو جاتے تھے۔

(۵) شیعہ کے نزدیک امام معصوم ماکان وما یکن کا عالم ہوتا ہے اور حضرت علی امام اول ہیں۔

اسیر عم قتالہ سعوز کے بعد انہیں خلافت نہ ملنا مقدر ہو چکا ہے پھر لکھا یا کیوں چاہتے تھے۔ اس پر بتنا غور کیا جائے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ ذاتی طور پر اپنے علم کی بنا پر خلافت نہ ملنے کے خدائی فیصلہ سے مطمئن تھے مگر انہیں یہ بھی علم تھا کہ انہیں ایسے مہمان ذی شان بھولیں گے جو انہیں خدائی فیصلہ کے خلاف عمل کرنے پر اکائیں گے اس لیے حضورؐ سے یہ لکھوانا چاہتے تھے کہ خدائی فیصلہ یہ ہے کہ تخلیق ابو بکرؓ ہوں گے تاکہ مہمان کو دکھا سکیں کہ دیکھو حضورؐ نے لکھ دیا ہے اس لیے میں خلافت کی آرزو کرتا ہوں۔ نہ اس کیلئے کوئی کوشش کروں گا۔

کتاب سلیم بن قیس ہلالی میں حضورؐ کی وفات کا منظر یوں بیان ہوا ہے۔

ابان روایت کرتا ہے سلیمان سے وہ کہتا ہے میں نے حضرت علیؑ سے سنا کہ حضورؐ نے میرے ساتھ عہد کیا جس روز آپ نے وفات پائی اور حضورؐ نے میرے سینے سے مکئی لگا رکھا تھا اور اچکا ہر میرے کانوں سے لگا ہوا تھا۔

ابان عن سلیمان قال سمعت علیا یقول عہد الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیرمزونی وقد استندتہ الی صدری وراسہ عند اذنی۔

ص ۲۰۲

اس روایت سے معلوم ہوا کہ بقول شیعہ حضورؐ کی وفات حضرت علیؑ کی گود میں ہونی گویہ باہر واقعہ کے اعتبار سے غلط ہے مگر اس میں اس امر کا اعتراف موجود ہے کہ حضرت علیؑ وہاں موجود تھے۔

۶۔ شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے جو کچھ لکھانا تھا لکھا لیا تھا۔ جیسا کہ مولوی حامد حسین نے استقصاء الامام ۱: ۵۵۳ پر کتاب سلیم بن قیس ہلالی سے نقل کر کے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اسی طرح فلک النجاة ۱: ۳۲۲ بحوالہ کتاب سلیم بن قیس لکھا ہے اور احتجاج طبری ص ۱ پر اسی کتاب کے حوالہ سے لکھا ہے۔ مگر کتاب سلیم بن قیس ہلالی اس وقت میرے سامنے ہے اس میں واقعہ قرطاس تین جگہ مذکور ہوا ہے۔

(۱) ابان راوی سلیم سے بیان کرتا ہے کہ رسولؐ خدانے قلم ودوات طلب کی تو اہل بیت اور صحابہ میں اختلاف ہو گیا تو آپ نے فرمایا

وقال انی لاراکم تختلغون وان اسی تکلف بعد موتی فترک الکف۔

ص ۱۸۶

صاف ظاہر ہے کہ حضورؐ نے اختلاف دیکھ کر کھٹے کا ارادہ ترک فرمادیا۔

(۲) قال ابان قال سلیم سمعت ابن عباس یقول سمعت من علی حدیثا لم ادری ما وجہ صحیحہ یقول ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استرا الی فی مرضہ وعلتی مقار الف باب من العدر یفتخ کل باب الفباب

ص ۱۸۶

(۳) قال علیؑ قد شهدت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین دعا بالکف لیکتب فیہا ما لا تضل الامۃ... فانکم لما خرجتم اخرجونی بالذی اراد ان ینکب فیہا ویشہد علیہا العامۃ فاخبرہ ساری ان اللہ عزوجل قد علو من الامۃ الاختلاف والفرقتہ ثم دعا بصحیفۃ فاملی علی ما اراد ینکب فی الکف۔

حضورؐ نے فرمایا میری زندگی میں میرے سامنے اختلاف کرتے ہو تو میرے بعد کیا ہوگا۔ پھر آپ نے لکھوانے کا خیال چھوڑ دیا۔

سلیم نے کہا میں نے ابن عباس سے سنا وہ فرماتے تھے میں نے حضرت علیؑ سے ایک حدیث سنی اس کی وجہ میں نہیں جانتا انہوں نے فرمایا حضورؐ نے اپنے مرض میں کچھ امور پوشیدہ طور پر مجھے بتائے تھے ایک کتبھی علم کے ہزار دروازے کھولنے کی فرمائی جس سے آگے کئی ہزار دروازے کھلے ہیں۔

حضرت علیؑ نے فرمایا کہ جب حضورؐ نے قلم ودوات طلب کی تو میں حاضر تھا۔۔۔۔۔ پس تم (اہل بیت اور صحابہ) جب وہاں سے نکل نکل گئے تو حضورؐ نے مجھے وہ چیز بتائی جس کے لکھنے کا ارادہ رکھتے تھے اور عوام کو گواہ بنانا چاہتے تھے پھر جبرئیل نے آپ کو خبر دی کہ اللہ تعالیٰ امت کے اختلاف کو جان چکا ہے پھر حضورؐ نے ایک صحیفہ منگوا اور میرے سامنے پڑھا جسے لکھانے کا ارادہ تھا۔

کتاب سلیم کی ان تین روایات میں یہ کہیں نہیں ملتا کہ حضرت علیؑ جو کچھ لکھانا چاہتے تھے لکھنا یا اختلاف کا فرمان لے لیا۔ زیادہ سے زیادہ جو روایت روایت میں ملتی ہے یہ ہے کہ حضورؐ نے ایک صحیفہ منگوا اور اس سے پڑھ کر سنایا جو لکھانے کا ارادہ تھا۔ اتنے اثناسیوس سے یہی بتا رہا ہوتا

## کتاب سلیم بن قیس بلالی کی تاریخ اور دینی حیثیت

شیعہ کے ہاں یہ کتاب کئی اعتبار سے نہایت اہم سمجھی جاتی ہے۔

اول :- اس کا راوی حضرت علی کی شاگردی کا دعویٰ کرتا ہے۔

دوم :- شیعہ لٹریچر میں یہ پہلی کتاب ہے۔

سوم :- تمام شیعہ محدثین اور فقہاء اصول دین میں اسی کو حجت قرار دیتے ہیں اس لیے

اس کتاب کے متعلق تفصیلی واقفیت ہونا ضروری ہے۔

تاریخی حیثیت :- سلیم بن قیس سے متعلق فرست ابن الندیم میں لکھا ہے

”حجاج بن یوسف کے خوف سے بھاگے اس شخص نے ابان بن ابی عیاش کے

ہاں پناہ لی اور عمر بھر چھپا رہا۔ ابان کے پاس ہی اس کی وفات ہوئی مرتے

وقت یہ کتاب اس نے ابان کو دی۔ اس کتاب کا واحد راوی ابان ہے۔ سارے

دین شیعہ کا مدار ابان کی روایت پر ہے“ (ص ۳۲)

اور کتاب سلیم کے مقدم میں لکھا ہے۔

سلیم بن قیس حضرت علی کے اصحاب میں سے

تھا حجاج بن یوسف اس کے قتل کے درپے

تھا اس لیے وہ بھاگ گیا اور ابان بن ابی

عیاش کے ہاں پناہ لی جب اس کی موت کا

وقت آیا تو ابان سے کہا میرے بھتیجے موت

قریب ہے مجھ پر ایک حق ہے کہ حضورؐ کے یہ

احکام ہیں۔ پھر ابان کو ایک کتاب دی وہ کتاب

سلیم بن قیس بلالی کے نام سے مشہور ہے اس

کتاب کو صرف ابان نے روایت کیا ہے اس

کے بغیر اس کا کوئی راوی نہیں سب سے پہلی

کتاب بوشعیوں کے لیے ظاہر ہوئی وہ یہی کتاب ہے۔

من اصحاب میر المؤمنین علی بن عبد السلام سلیم بن

قیس الہلالی۔ وكان هاربا من الحجاج لانما

طلبه ليقتله فلجأ الى ابان بن ابی عیاش فاواه

فلا حضرتما الوفاة قال لابان ان ذلك علي

حقا و حضرتي الوفاة يا ابن اخي انما كان

من امر رسول الله كيت وكيت واعطاك

کتابا وهو کتاب سلیم بن قیس الہلالی

المشهور رواه عنه ابان ابن

عیاش له يرويه احد عنه

غيره ..... وادل کتاب ظہر

للسبعة کتاب سلیم۔

ہونا ہے کہ کوئی ایسی پرائیویٹ بات تھی جس کا تعلق حضرت علی کی ذات سے تھا اور جسے حضرت علی نے ظاہر نہیں کیا اور خلافت کا معاملہ تو پرائیویٹ نہیں بلکہ امت کا معاملہ ہے اس لیے ضروری تھا کہ

حضرت علی بیان کرتے کہ حضورؐ نے ان الفاظ میں میری خلافت کا معاملہ کا فرمان لکھوایا ہے۔

تاکہ وہ سند کے طور پر پیش کیا جاسکتا۔ جسے حضرت علی نے ظاہر نہیں کیا وہ ان کی کوئی ذاتی اور

تخصیصی بات تھی ہو سکتی ہے۔ خلافت کا فرمان تو مشترک کرنے کی چیز سے پھیلنے کی نہیں۔

ان میں تین روایات پیش کرنے کا ایک اور مقصد یہ ہے کہ صاحب فلک النجاة نے کتاب

سلیم کے حوالہ سے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ حضورؐ نے امیر کی تفریح بھی کر دی تھی اور یہاں اس کا

کوئی نشان نہیں۔ لہذا معلوم ہوتا ہے کہ صاحب فلک النجاة نے کتاب سلیم دیکھی ہی نہیں یا اپنی

بات کو وزنی بنانے کے لیے کتاب کا حوالہ تفسیر کے طور پر دے دیا۔

مذکورہ بالا روایت ۲۱ میں ایک پہلے سے لکھے ہوئے صحیفہ کا ذکر ہے غالباً یہ وہی صحیفہ ہوگا

جس میں ولایت کا ذکر ہے جو اصول کافی باب الکتمان میں درج ہوئی ہے۔

ولایت ایک راز ہے جو اللہ نے جبرئیل کو بتایا

جبرئیل نے محمد کو بتایا اور محمد نے علی کو بتایا

اور علی نے وہ راز جسے چاہا بتایا مگر تم لوگ

اسے پھیلاتے پھرتے ہو۔

ولایت الله اسرھا الی جبرئیل واسرھا

جبرئیل الی محمد واسرھا محمد

الی علی واسرھا علی الی من شاء ثم

انتم تذلیحون۔

یا وہ صحیفہ جو جس میں بارہ اماموں کے نام لکھے ہوئے تھے۔ بہر حال ان دونوں میں سے

جو بھی ہو اس کا تعلق خلافت سے نہیں یہ کوئی ایسا راز ہے جو پوشیدہ رکھا گیا اور پوشیدہ

رکھنے کی ہدایت کی گئی اس لیے ان نادانوں سے گلہ ہے جنہوں نے اسے راز نہیں رہنے دیا۔

اور وہ راز کی بات ولایت ہے خلافت تہیں۔

نیز اس روایت میں مرتبہ اطلاق کا ذکر ہے لکھنے یا نہ لکھنے کا ذکر نہیں البتہ روایت علی

میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ کچھ نہیں لکھا گیا فردا الکتف۔ بات صاف ہو گئی کہ لکھنے

لکھانے کی کویت ہی نہیں آئی لہذا یہ رائے کہ حضرت علی نے جو لکھانا تھا لکھا یا محض دعوائے

بے دلیل ہے۔



سلیم کا حضرت علی سے براہ راست فیض حاصل کرنا اس کتاب کی تاریخ حثیت کو واضح کر دیتا ہے۔ جہاں تک اس کے دینی مقام کا تعلق ہے پہلی بات قابل توجہ یہ ہے کہ اس کتاب کا راوی صرف ابان ہے جیسا کہ ابن الندیم نے وضاحت کر دی ہے۔

اس طرف سید علی بن احمد حقیقی اور دیگر علماء شیعہ نے بھی تائید کی ہے کہ کتاب سلیم صرف ابان ہی روایت کرتا ہے۔

اسی مقدمہ کے صفحہ ۷۱ پر درج ہے۔

کتاب سلیم با سائید متعددہ ینتھی اکثرہ  
الی ابان بن ابی عیاش فیروز الذی نادہ  
سلیم کتاب و اوصارہ جہا تقرب  
موتہ۔

اسی مقدمہ کے صفحہ ۷۲ پر ہے۔

وکان سلیم من شعراء الحجاز ایام امارتہ  
امام بدرالدین سبکی نے اپنی کتاب محاسن الوسائل فی معرفت الاولیاء میں لکھا ہے۔

ان اول کتاب صنف الشیعۃ ہر کتاب  
سلیم بن قیس الہلالی قال واذہمت  
حین مرضت ان احر قیما فتأملت  
من ذلک و قدعت بہ فانی  
جعلت لی عمہ۔ اللہ دیتا کہ  
ان لا تخبروا احد امانت  
حیا ولا تحدث بہ شیء  
بعد موتی۔

اس بیان کے چند امور کی وضاحت ہوتی ہے۔

(۱) شیعہ مذہب میں سب سے پہلی تصنیف یہ کتاب ہے۔

(۲) مصنف کے بغیر کوئی شخص اس کتاب سے واقف نہیں تھا۔

(۳) مصنف نے موت کے قریب اسے جلا دینے کا ارادہ کیا۔ ظاہر ہے کہ جو چیز فضول ہے کار اور بے فائدہ ہو اسے آگ کے سپرد ہی کیا جاتا ہے۔

(۴) پھر اسے خیال آیا کہ ایسا کرنے سے گناہ گار ہوں گا۔ یعنی اس کتاب کی حثیت اور افادیت کے معاملے میں وہ ذہنی کشمکش میں مبتلا تھا۔

(۵) مصنف نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ جیتے جی اس کتاب کی اطلاع کسی کو نہیں دوں گا اس کی ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ کہیں حجاج تک بات نہ پہنچ جائے اور اسے تلاش کر کے قتل نہ کر دیا جائے۔ دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ کتاب سامنے آئی تو ظاہر ہے کہ تنقید کی کسوٹی پر رکھی جائے گی اور حضرت علی سے ملنے والے لوگ زندہ تھے کہیں یہ راز نہ کھل جائے کہ بات اپنی ہے اور زمام لے رہا ہے حضرت علی کا۔

(۶) نیز اللہ سے عہد کیا تھا کہ میری موت کے بعد کوئی شخص اس کتاب کی کوئی بات منظر عام پر نہیں لائے گا۔ پھر اس کتاب کو جلا دینے میں حرج کیا تھا۔ جو کتاب مصنف کی زندگی میں اور اس کی موت کے بعد کسی کے کام آنے کے قابل نہیں اور اللہ سے یہ عہد ہو چکا ہے تو اس کا باقی رہنا جو معنی دار یعنی مصنف کے نزدیک اس کتاب کی دینی حثیت یہ ہے کہ منظر عام پر آنے کے لائق نہیں اور اصول کے اعتبار سے اس کا مقام یہ ہے کہ مصنف نے پوشیدہ طور پر تیار کی مرتے وقت ابان کو دی۔ اور تاکید کی کہ اسے پوشیدہ رکھے کیونکہ اللہ سے عہد ہو چکا تھا۔ ابان نے نقص عہد کیا اور کتاب کی روایت کر دی۔ اس کتاب کا راوی حد راوی ابان ہے۔ گویا پورا دین شیعہ خرد اہل پر استوار ہوا۔ اس لیے ایسے عظیم راوی کے متعلق واقفیت حاصل کرنا ضروری ٹھہرا جس کے منہ سے نکلی ہوئی بات پر دین کی عمارت کھڑی ہوئی اس کی بات کا نہ کوئی گواہ ہے اور نہ شہادت کی ضرورت ہے۔

میرزاں الامتدال ذہبی نے ترجمہ ابان بن ابی عیاش فیروز میں لکھا ہے کہ بدترین کذاب تھا

اور

بشکل شہید لان اشرب بول حمار | شعر کہتے ہیں کہ میں گدھے کا پیشاب بناؤں گا

احب الی ان اقول حدثنا ابان ابن ابي عمیر مگر یہ گوارا نہیں کریں کہوں کہ روایت کی ہم سے ابان بن ابی عمیر سے۔

یعنی محدثین کے نزدیک ابان کی سیرت کا ٹکھرا ہوا پہلو یہ ہے کہ بدترین کتاب ہے۔ اور اس کا قول گدسے کے پیشاب سے بھی بدتر ہے۔ اس تنقید سے فنی اعتبار سے کتاب سلیم کی حقیقت کھل کے سامنے آجاتی ہے۔

سلیم اور کتاب سلیم کا ذکر ضمناً آگیا اب ہم لیٹ کر اصل سوال کی طرف جاتے ہیں کہ حدیث قرطاس سے حضرت علی کی خلافت بلافصل کا ثبوت کیسے ملتا ہے گذشتہ بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ:

- (۱) حدیث میں لفظ صبر بالفتح متعدی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔
- (۲) یہ لفظ اس گروہ کی زبان سے نکلا جو حضرت عمر کی رائے کے خلاف لکھوانے پر مصرتا۔
- (۳) اس وقت اہل بیت اور صحابہ موجود تھے اور حضرت علی بھی حاضر تھے
- (۴) حضرت عمر نے حضور کی تکلیف کے پیش نظر نہ لکھوانا بہتر سمجھا۔

(۵) حضرت علی کو حضور نے قلم درات لانے کا حکم دیا مگر انہوں نے حضور کی صحبت سے چرند لمحوں کے لیے بھی محروم رہنا گوارا نہ کیا اس لیے عرض کیا آپ فرمائیں میں یاد رکھوں گا۔

(۶) لکھنا کیا چاہتے تھے ۱۹ اس کے متعلق تین رائیں ہیں (ا) قرآن کے متعلق وصیت۔

(ب) حضرت ابو بکر کی خلافت کا فرمان۔ (ج) حضرت علی کی خلافت کا فرمان۔

پہلی رائے کے حقیق میں دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عمر نے حسب کتاب اللہ کہا تو حضور کو یقین ہو گیا کہ امت کو قرآن حکیم کی اہمیت کا احساس ہے اس لیے لکھانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ دوسری رائے کے متعلق دلیل یہ ہے کہ حضور نے عملی طور پر حضرت ابو بکر کو اپنے سامنے نماز کے قیادت پر مامور فرما کے واضح کر دیا کہ تحریر سے زیادہ عملی ثبوت وزنی ہے اب لکھانے کی ضرورت نہیں۔

تیسری رائے کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر حضرت علی کی خلافت کی تحریر لکھانا

من جانب اللہ حضور کے ذمہ تھا تو اس واقعہ کے دور واز بعد تک حضور اس دنیا میں موجود ہے آپ نے اللہ کے حکم کی تعمیل کر کے فرمان لکھ دیا ہوتا۔ جب حضور نے ایسا نہیں کیا تو یہ رائے کچھ وزن نہیں رکھتی۔

(۷) حضرت علی کی روایت کے مطابق حضور نے تین باتوں کی وصیت فرمادی جو آپ لکھوانا چاہتے تھے یعنی نماز، زکوٰۃ اور غلاموں سے حسن سلوک۔

اس حدیث میں ایک اور جملہ کے مفہوم میں کچھ اشکال پیدا ہوتا ہے یا پیدا کیا جاتا ہے اس کی وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے۔

تو مواعنی کا مفہوم ہے۔ اس مفہوم کے لیے مختلف روایات میں مختلف الفاظ آئے ہیں ذرونی، دعونی اور تو مواعنی موقع اور محل کے مطابق اس کے معنی ترک کرنے اور چھوڑنے کے ہیں شارحین حدیث نے قیام یعنی ترک بتایا ہے جیسے قام عن الامرا اذا تدرک اور صاحب مجمع البحار نے بخاری کی حدیث پیش کی ہے۔

حضور نے فرمایا قرآن پڑھو جب تک تمہارے دلوں میں اس کے لیے الفت موجود ہو جب تو جھٹکنے لگے تو پڑھنا بند کر دو۔ قرآن خوش دل سے پڑھو جب طبیعت ملول ہونے لگے اور دل حاضر ہو تو پڑھنا چھوڑ دو کیونکہ حضور قلب کے بغیر قرآن پڑھنا قرآن کی توہین ہے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اقرأ القرآن واستغلت علیہ فلو بکم فاذا اختلفتم فقوموا عنہ اقدارہ علی نشاط منکم وفرادکم بجموعہ فاذا حصلت ملالہ وتفروق القلوب فان تدرکوا فاعراضظم من ان یقرأ من غیر حضور۔

(مجمع البحار ۱: ۴۰۱)

یعنی قوموا معنی کے معنی یہ نہ ہوں گے کہ یہاں سے نکل جاؤ بلکہ یہ مطلب ہو گا کہ کہنے لکھانے کا خیال چھوڑ دو۔

حضور کے اس ارادہ اور ترک ارادہ کے متعلق دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ اول یہ حضور نے پہلے اپنے اجتہاد سے لکھنے میں مصلحت دیکھی پھر اپنے اجتہاد ہی سے نہ لکھنے

میں مصلحت دیکھیں۔

دوم :- پہلے بذریعہ وحی مصلحت ظاہر ہونے پر بذریعہ وحی عدم مصلحت ظاہر ہوئی۔

چنانچہ امام نووی نے شرح مسلم میں فرمایا۔

دکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم باکتب  
حين ظهر له مصلحة اذ وحى اليه  
بذلك ثم ظهر ان المصلحة تدل على اذ وحى اليه بذلك  
ونسخ ذلك الامر الاول  
(۲: ۳۳)

اور عینی شرح بخاری میں ہے۔

ثم ظهر للنبي صلي الله عليه وسلم ان المصلحة  
تدرك اذ وحى اليه - (۱۶۱: ۲)  
اور فتح الباری میں ہے

وعند صلي الله عليه وسلم كان اما بالوحى واما  
بالاجتهاد وكذلك تدركه ان كان بالوحى  
فبالوحى والاف اجتهاد (۹۴: ۱۸)  
اور شیعہ عالم صاحب تلک النجاة لکھتے ہیں۔

واما سكوتہ عليه السلام بعد ان تنازع ما  
كان من عنده بل كان بالوحى كما بين في  
مقامہ - (۳۲۶: ۱)

جب حضور پر مصلحت ظاہر ہوئی یا وحی کی گئی تو  
حضور نے لکھانے کا قصد فرمایا جب ترک کر  
میں مصلحت ظاہر ہوئی یا وحی کی گئی تو آپ نے  
ارادہ ترک کر دیا اور اس سے امر اولے  
منسوخ ہو گیا۔

پھر حضور کو ترک میں مصلحت نظر آئی یا آپ  
پر وحی کی گئی۔

حضور کا ارادہ یا تو وحی سے تقاضا یا اجتہاد  
سے اسی طرح ترک کا معاملہ یا تو وحی سے  
یا اجتہاد سے۔

جھگڑے کے بعد سکوت کر جانا حضور کا اپنی  
طرف سے نہیں تھا بلکہ وحی سے تھا جیسا کہ بیان  
ہو چکا ہے۔

شیعہ عالم کی تحریر سے حضور کے ارادہ اور ترک ارادہ کا مسئلہ صاف ہو گیا ایک  
اور عقیدہ بھی کھل گیا کہ حضور کا سکوت وحی کے مطابق تھا۔ یعنی نہ لکھوانا اللہ تعالیٰ کے  
حکم کے تحت تھا۔ جب یہ تسلیم ہے تو اس بات کا شکوہ کرنا کہ نالوں نے روکا یہ ظلم ہوا وغیرہ  
بالکل بے معنی ہو جاتا ہے۔ جب اللہ نے منع کیا تو کیا یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ اللہ کا

رسول اپنی مرضی سے یا کسی کے کہنے پر اللہ کے حکم کے خلاف کر سکتا ہے؟ کیا کوئی مومن اللہ کی وحی اور  
اللہ کے فیصلہ کو ظلم زیادتی یا کسی کی حق تلفی قرار دے سکتا ہے؟ اس لیے اگر تیسری راۓ سے  
انفاق کرتے ہوئے یہ مان لیا جائے کہ حضور حضرت علی کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے۔  
تو حضور کا سکوت جب وحی کی ہدایت کے تحت ہوا تو ظاہر ہے کہ اللہ کو حضرت علی کی خلافت  
کا فرمان لکھوانا منظور نہیں تھا۔ اور اللہ کے فیصلہ کے تحت حضور نے سکوت اختیار کر لیا۔  
شیعہ کی طرف سے ایک بات یہ بھی کہی گئی ہے کہ جب سب لوگ چلے گئے تو حضرت علی نے  
اپنی خلافت کا فرمان لکھوا لیا تھا۔ یہ بات ذرا غور طلب ہے۔

(۱) حضور خود تو نہ لکھتے تھے۔ پھر آپ نے یہ فرمان کس سے لکھوا لیا۔

(۲) قلم دو ات کون لایا تھا؟

(۳) کیا یہ فرمان خلافت جلی اور بلا فصل کا فرمان تھا۔ اگر یہی بات ہے تو۔

(۴) حضور کے بعد جب خلافت کا مسئلہ پیش آیا تو حضرت علی نے یہ فرمان کسی کو دکھایا کہ  
اس کی بنا پر خلافت کا حقدار میں ہوں۔

(۵) اگر پیش نہیں کیا تو کیوں؟ کیا وہ فرمان چھپا کے رکھ دینے کے لیے لکھوا لیا تھا۔

(۶) اگر اس فرمان سے کام نہیں لیا تو اس کے لکھانے کیلئے اتنے جتن کرنا کس مقصد  
کے لیے تھا۔

اس بنا پر معلوم ہوا کہ ننہائی میں فرمان لکھوا لینے کی بات بار لوگوں کی ایجاد بندہ سے  
زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔

حدیث قرطاس کا ہر پہلو زیر بحث آچکا اور حقیقت نکھر کر سامنے آگئی الیٰہ ایک امر تو یہ  
طلب ہے۔

حضور نے فرمایا اکتبکم کتابا لن تصنوا بعدی ابدا۔ تو جو بات آپ لکھانا  
چاہتے تھے کیا وہ بات جزو دین تھی یا دین سے الگ کوئی زائد چیز تھی۔ اگر پہلی بات ہے  
تو ماننا پڑے گا کہ دین نامکمل رہ گیا حالانکہ اللہ تعالیٰ اعلان کر چکے ہیں کہ الیوم اکملت  
لکم دینکم انما اخرجکم کوئی چیز تھی تو اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ لہذا

## حضرت علی اور خلفائے ثلاثہ کے تعلقات

خلافت علی بلا فصل کے موضوع پر پہلی اور تاریخی دلائل تو ناپید ہیں۔ ایک اور پہلو سے

اس مسئلہ پر غور کرتے ہیں۔

انسان کی زندگی میں نظریات اور عقائد بیچ کی حیثیت رکھتے ہیں اسی بیچ سے اس کی عملی زندگی کا درخت پھوٹتا، پھلتا، پھولتا اور برگ و بار لاتا ہے۔ اگر حضرت علی کا عقیدہ یہ ہو کہ خلافت بلا فصل ان کا حق تھا اور خلفائے ثلاثہ نے انکی حق تلفی کی یا حقوق غصب کیے تو یہ اقدام جرم بھی اور گناہ بھی لہذا حضرت علی کا بزنا و ان حضرات کے ساتھ وہی ہونا چاہیے جو ایک ذاتی دشمن کے ساتھ یا قتل کے باغی کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ اس اصول کی روشنی میں ہم تاریخی حقائق پیش کرتے ہیں۔

(۱) حضرت علی نے حضرت صدیق کے ہاتھ پر بیعت کی یعنی حلف و فاداری اٹھایا۔ احتجاج طبری

میں حضرت اسامہ کا ایک مکالمہ لکھا ہے۔

فلما رأی اجتماع الخلق علی ابی بکر انطلق  
الی علی بن ابی طالب فقال ما هذا  
قال به علی هذا ما  
تری قال اسامہ هل  
بایعته قال نعم۔

ص ۵۹

جب راوی نے حضرت ابو بکر صدیق کے حق میں مخلوق کا ہجوم دیکھا تو کتنا ہے میں حضرت علی کے پاس گیا میں نے کہا یہ کیا معاملہ ہے۔ انہوں نے فرمایا وہی کچھ ہے قوم دیکھ رہے ہوا مار نے کہا کیا آپ نے بیعت کر لی، حضرت علی نے کہا ہاں کر لی۔

روایت کے متن سے ظاہر ہے کہ یہ کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد کی بات نہیں بلکہ عین اس وقت کے تعلق رکھتی ہے جب ابو بکر صدیق کی بیعت عام ہو رہی تھی اور اسی وقت حضرت علی نے بیعت کر لی۔ اور یہ سوال و جواب بتاتے ہیں کہ لوگ ابھی بیعت کر رہے تھے کہ حضرت علی نے بالکل ابتداء میں بیعت کی اور حضرت اسامہ کو بتایا کہ ہاں میں نے بیعت کر لی ہے۔

پھر احتجاج طبری ص ۵۹

ثم تسادد ید ابی بکر فبايعه، پھر حضرت علی نے حضرت ابو بکر کا ہاتھ پکڑا اور ان کی بیعت کر لی۔

معلوم ہوتا ہے کہ بات تو دینی تھی اور کسی ایسے جزوی حکم کے متعلق آپ تاکید فرمانا چاہتے تھے جو پہلے کتاب و سنت میں بیان ہو چکا ہے۔ حدیث کے آخر میں تین باتوں کا ذکر ہے کہ جزیرۃ العرب سے مشرکین کو نکال دینا اور وفود کے ساتھ یہی سلوک کرنا جو میں کیا کرتا تھا اور دوسری روایت جو حضرت علی سے بیان ہوئی تیسری بات خلفاء کے بارے میں تاکید ہے ان باتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور جس چیز کے متعلق وصیت لکھوانا چاہتے تھے وہ ہے التنظيم لامر اللہ والشفق علی خلق اللہ اگر ان دو امور کو پلے بانہ لیا جائے تو گمراہی کی طرف قدم بڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر اللہ تعالیٰ کے احکام سے بے توجہی ایفاوت یا استہزاء ہونے لگے اور مخلوق کی حق تلفی شروع کر دی جائے تو کوئی چیز گمراہی سے بچا نہیں سکتی۔ یہی سارے دین کا خلاصہ ہے اور قرآن و سنت میں اس کی تاکید مختلف صورتوں میں بیان ہو چکی ہے۔ اس لیے دین کی تکمیل کے اعلان کے بعد دین کی کسی اہم بات کی تاکید لکھنا مطلوب ہو تو یہ نہ ہیرت کی بات ہے نہ اعتراض کی گنجائش ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حدیث قرطاس کو حضرت علی کی خلافت بلا فصل کے حق میں بطور دلیل پیش کرنا اور حدیث میں موجودہ آراء شامل کر کے اسے مستنداناہ علمی اعتبار سے لائق توجہ ہے نہ حق و انصاف کی بات ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی ہے۔ صحابہ کے متعلق بدگمانی نہ جانے کیا کیا قباحتیں پیدا ہوتی ہیں

اور اس کے علاوہ جو احادیث گذشتہ صفحات میں درج کی گئی ہیں اور جنہیں حضرت علی کی خلافت بلا فصل کے لیے بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے محدثین کے نزدیک موضوع ضعیف اور ماقط الامتبار ہیں۔ پھر ان احادیث کے معنوں سے حضرت کے فضائل کا اظہار ہوتا ہے جس سے کسی کو انکار نہیں۔ مسئلہ امامت تو شیعہ کے نزدیک اصول دین سے ہے جیسا کہ نبوت کا مسئلہ اصول دین میں شمار ہوتا ہے اس لیے اس مسئلہ کی بنیاد صرف دلائل قطعیہ اور نصوص بیانات غیر مؤلفات واضح الدلیل علی اللہ علی ہی بن سکتی ہیں جو قرآن و سنت دونوں مآخذوں میں کہیں نہیں ملتیں۔

پہلی روایت میں حضرت علی کا قول بیان ہوا اس میں ان کا فعل بیان ہوا ہے۔ ان دو روایات کے علاوہ کتب شیعہ میں متعدد روایات موجود ہیں جن میں حضرت علی کے اس قول اور اس فعل کا بیان ہوا ہے۔

اس باب میں جو اٹھانے کئے گئے ہیں ان کا بیان بھی فروری ہے۔

۱۱) ما من الامت احدا بابع مکرھا  
خبر علی واربعنا۔  
امت میں کوئی ایک شخص ہی ایسا نہ تھا جس نے جبراً بیعت کی ہو موائے حضرت علی اور ہمارے چار اصحاب کے۔  
احتجاج طبری ص ۱۱۶

اس روایت میں بیعت کا اقرار ہے جو امر واقع ہے مکرھا کا لفظ غالباً ضرورت شعری کے لیے بڑھا دیا گیا۔ بہر حال یہ امر واضح ہے کہ پوری امت ایک طرف ہے صرف پانچ آدمی دوسری طرف ہیں اور وہ بھی بظاہر امت کے ساتھ ہیں۔ آج کل کی زبان میں یوں سمجھئے کہ پوری امت نے حضرت ابوبکر کو ووٹ دئے۔ پانچ آدمی مخالف کیمپ میں تھے مگر انہوں نے بھی ووٹ حضرت ابوبکر کو دئے۔ دنیا میں ایسی مثال مشکل سے ہی ملے گی کہ پوری قوم ایک شخص کی قیادت پر متفق ہو نیز اس امر کا اعتراف بھی ہے کہ پانچ افراد کے بغیر پوری امت نے حضرت ابوبکر کو خوشی ووٹ دئے۔ (۲) احتجاج طبری میں صرف مکرھا کی آمیزش پر اکتفا کیا گیا ہے۔ درۃ النجفیہ میں آمیزش میں کچھ اضافہ ہوا ہے۔

۱۲) ملند جماعتہ الی ابی بکر فبا بعدہ فبا بعدہ معہ علی مدرھا (درۃ النجفیہ ۱: ۸۸)  
(۳) روایات کے بعد شاعری کا نمبر آتا ہے اب اس منظر کی نقلی تصویر ملاحظہ ہو۔

بدست عمر بود یک تیر ریسکان

دوم در کف خالد پسلوان

نگزند در گردنش از عناد

ولی خدا نیز گردن نما

حملہ چہدری ۲۶۳:۲

درۃ النجفیہ میں بتایا کہ ایک جماعت اٹھالے گئی۔ جس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ چلو حضرت علی

خیر خدا ہی مگر فرد و اعداد اور جماعت کا کیا مقابلہ مگر علامہ باذل نے تو معاملہ اور کمزور کر دیا کہ جماعت نہیں صرف دو آدمی تھے عمر اور خالد انہوں نے حضرت علی کے گلے میں رکی ڈالی اور گھسیٹ کر لے گئے۔ یعنی شیر خدا کو اور فاتح تیر کو دو ایسے شخص باندھ کر لے گئے جو شیر خدا کو کیا تیریں ستاں بھی نہیں ہیں۔ اس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ شیر خدا جو باطل کے سامنے دب جانا جانتا ہی نہیں اور باطل کو حق کہنے پر کوئی طاقت اسے مجبور نہیں کر سکتی وہ دو آدمیوں کے ہاتھ میں ایسا بے بس ہو جاتا ہے کہ تسلیم فرم کر دیتا ہے اور وہ بات کہتا ہے جسے وہ حق نہیں سمجھتا۔ اس تقابل سے ہی نتیجہ نکل سکتا ہے کہ یا تو شیر خدا کتنا محض تیر کا ہے یا یہ واقعہ غلط ہے۔ پہلی بات اس لیے نہیں کہی جاسکتی کہ حضرت علی کی زندگی میں بیسیوں واقعات ایسے ملتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ واقعی شیر خدا ہیں لہذا اس کے بغیر کیا کہا جاسکتا ہے کہ یہ واقعہ غلط ہے۔ احتجاج طبری نے خاکہ تیار کیا درۃ النجفیہ نے کچھ رنگ بھرا اور حملہ تیر کی تسمیل تک پہنچایا اور منظر نگاری کے فن میں اپنا کمال ظاہر کرنے کے لیے یہ انسان تیار کیا۔

اب ایک قدم آگے بڑھئے۔

احتجاج طبری ص ۱۱۶

۱۳) انی لکنت اقاد کما بقاد الجمل المحشوش  
حتی ابایع۔  
مجھے یوں کھینچا گیا جیسے اونٹ کو نکیل ڈال کر لے جایا جاتا ہے۔ حتی کہ میں نے بیعت کر لی۔

یہ الفاظ حضرت علی زبان سے کہلوائے گئے ہیں۔ اس تشبیہ میں ایک خاص قسم کا تاثر ملتا ہے۔ جب اونٹ کو نکیل ڈال دی جائے تو ایک معمولی دھاگے سے باندھ کر ایک بچہ بھی اسے جمان چاہے لے جاسکتا ہے اس سے شیر خدا کی استہانی بے بسی ظاہر کرنا مقصود ہے۔ پھر اس میں فنکاری کا پہلو یہ ہے کہ خود حضرت علی کی زبان سے یہ الفاظ کہلوائے گئے کیونکہ کوئی دوسرا یہ کہے تو لانا حضرت علی کی توہین ہے لہذا بہتر یہی ہے کہ شیر خدا اپنی زبان سے اپنی مجبوری بے بسی۔ بزدلی۔ کمزوری اور ابن الوقتی کا اقرار خود کرے۔ حضرت علی کے اس اقدام سے ہر سوچنے والے آدمی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے ایسا اقدام کیوں کیا جو آپ کی مسئلہ شجاعت اور حق پرستی کے منافی تھا تو اس سوال کا جواب بھی دے دیا گیا۔ سید فرین مرقی

علم الہدیٰ فرماتے ہیں۔

وانما دعاہ الی الصفیۃ واطہار المسلمین  
التقیۃ والحوق للنفوس والاہل والاسلام

(شافی ۲۱۲: ۲۵)

حضرت علی نے صرف تفسیر کر کے اپنی جان پکانے  
اور اہل بیت اور اسلام کو بچانے کے لیے  
بیعت کی۔

دیکھئے وجہ معقول ہے آپ نے ایک طرف تو تفسیر کرنے کا ثواب حاصل کیا دوسری طرف اطاعت  
و وفاداری کا جھوٹا اقرار کر کے اپنی جان کو اہل بیت کو اور اسلام کو خطرے سے بچالیا۔ یعنی  
اپنی جان کے خوف سے وہ کام کیا جو شرعاً جائز نہیں تھا یہ تصویر کا ایک رخ ہے۔ دوسرا رخ یہ ہے  
کہ حضور کی مکی زندگی میں صحابہ پر کونسا ستم نہیں ڈھایا گیا مطالبہ صرف یہ تھا کہ لا الہ الا اللہ  
نہ کہو۔ مگر صحابہ کرام نے مال و دولت اہل و عیال بلکہ جان تک کی پروا نہ کی مگر زبان سے وہ  
کلمہ نہ نکالا جو حق کے خلاف ہو۔ حالانکہ ان میں سے کسی کو بھی شیر خدا لکھے والا کوئی نہیں تھا تعجب کی  
بات ہے کہ شیر خدا محض اپنی جان کے جوہر موقوف کی وجہ سے ان صحابہ جیسی عزیمت بھی نہ دکھا  
سکے۔ اگر حضرت علی کو اپنی جان ایسی ہی پیاری ہوتی تو ہجرت کی رات لازماً کہیں کھسک  
جاتے صحابہ کی جان نشاری کی مثال تو دنیا میں ملتا ممکن ہی نہیں اسلام کا ایک سچا فدائی ایک  
سچی بات کہتا ہے القرآن کتاب التذخیر مخلوق اس سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ بس غیر مخلوق  
نہ کہو مگر وہ اس مطالبہ کو منقطع سمجھتا ہے جسے حق سمجھتا ہے اس پر حمار ہوتا ہے۔ اسے سزا دی  
جاتی ہے کتنی؟ مسلسل چار حکمران اپنے اپنے دور حکومت میں اپنی سمجھ کے مطابق شدید ترین سزائیں  
دیتے ہیں مگر وہ شخص گوشت کے اس ٹکڑے کو جسے زبان کہتے ہیں ذرا سی حرکت دے کر یہ کہنے  
کے لیے تیار نہیں ہوتا کہ قرآن مخلوق ہے کیونکہ وہ اسے حق نہیں سمجھتا وہ شخص نہ صحابی ہے نہ  
شیر خدا ہے۔ تو کیا شیر خدا ایسے لگے گزر رہے تھے (معاذ اللہ) کہ صرف اپنی جان بچانے کے لیے باطل  
کو حق کہہ دیا قبول کر لیا اور اس پر عمل کرتے رہے۔ حضرت علی پر اس سے بڑا بہتان اور کیا  
ہو سکتا ہے۔

نہج الابداع مع شرح درۃ التجمیع ص ۳۶ پر حضرت علی کا ایک فرمان درج ہے۔

لا طاعة الا لحدوق فی معصیۃ الخالق کیا یہ اصول دوسروں کیلئے ہے ان کی اپنی ذات

مستثنیٰ تھی۔ نہیں بلکہ انہوں نے وہی کیا جو کما اور وہی کہا جسے حق سمجھا۔ جیسا کہ احتجاج طبرسی  
کی حضرت اسامہ دانی روایت سے ظاہر ہے باقی باتیں بس باتیں بنانے کے لیے کی گئی ہیں۔  
خلفائے ثلاثہ کے بعد حضرت علی کو مستقل طور پر حکومت کرنے کا موقع ملا۔ اس لیے ان کے  
فرائض میں یہ بات بھی داخل تھی کہ ان کے پیشرو لڑنے مگر کوئی آئین۔ دستور یا قانون اسلام کے  
منافی بنایا نا فذ کیا تھا تو اس کو بدل دیتے اور خالص اسلامی قانون نافذ کرتے۔ اس اصول  
کی روشنی ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت علی نے اپنے عہد میں خلفائے ثلاثہ کے نظام کو عملی طور پر رکھ دیا  
کسی پالیسی کو نہیں بدلا حضرت علی کا یہ رویہ اس امر کا بین ثبوت ہے کہ وہ اپنے پیش رو تینوں  
خلفاء کو برسر حق سمجھتے تھے اور ان کے فیصلوں کو بھی مبنی علی الحق سمجھتے تھے مگر کتب شیعہ  
میں حضرت علی کے اس پہلو کو بھی دوسرے رنگ میں پیش کیا ہے۔

کتاب سلیم بن قیس ہلالی طبع ایران ص ۱۱۱ اور روضہ کافی ص ۱۱۱ حضرت علی کی زبانی  
بیان کیا ہے۔

مجھ سے پہلے حکمرانوں نے حضور کی مخالفت کے  
کام کے عہد کیے۔ حضور سے بیوفائی کرنے ہوئے  
کے حضور کی سنت کو بدلتے ہوئے کئے اگر میں  
اب لوگوں کو ان کاموں کے ترک کرنے کے لیے  
کوں اور حضور کے زمانے کے مطابق حکم دوں تو  
میری فوج مجھے چھوڑ کر باغی ہو جائے گی۔

قد عملت الولاة تلبی اعمالا خالفا  
فیہما رسول اللہ متعدد الخلفاء  
ناقضین لعہدہ مغیرین لسنة  
ولو حمدت الناس علی تذکار و حولتھا الی  
مواضعہا والی ما کانت فی عہد رسول اللہ صلی  
علیہ وسلم تفرق عنی جندی۔

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ حضرت علی نے اپنے پیش روؤں کے متعلق فرمایا ہے۔

- (۱) انہوں نے اپنے دور میں ایسے کام کئے جو اصول کو توڑنے کے احکام کے خلاف تھے۔
- (۲) انہوں نے یہ کام حضور کی مخالفت کے ارادے سے کئے۔
- (۳) انہوں نے حضور سے نقض عہد کیا۔
- (۴) انہوں نے حضور کی سنت کو تبدیل کیا۔

پھر اپنے متعلق فرمایا کہ اگر میں ان فیصلوں کو بدل دوں اور لوگوں کو اتباع سنت رسول

کالم دوں تو میرا لشکر میرا ساتھ چھوڑ دے گا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ  
(۱) حضرت علی جانتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پہلے ہی ہوتی رہی اور  
اب بھی ہو رہی ہے۔

(۲) حضرت علی نے اس احساس کے باوجود اس حالت کو عہد انہیں بدلا۔

(۳) انہی اپنی فوج کے باغی ہو جانے کا فہم تھا۔

(۴) انہیں اپنے اقتدار کے چھین جانے کا ڈر تھا۔

(۵) ان کی فوج ان لوگوں پر مشتمل تھی جو اسلام شہار اسلام اور سنت نبوی کے مخالف تھے۔

ہر دو بیانیوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو غلط باتیں خلفائے ثلاثہ نے عہد جاری کیں وہ

حضرت علی نے عہد ابرقرار رکھیں۔ خلفائے ثلاثہ کے متعلق یہ بھی امکان ہے کہ انہوں نے یہ

کام صحیح سمجھ کے کئے ہوں کیونکہ ان کی نیت کے متعلق فراحت نہیں محض قیاس ہے مگر حضرت

علی کے متعلق تو صاف ظاہر ہے کہ انہوں نے غلط جانتے ہوئے ان احکام کو برقرار رکھا

اور یہ بھی واضح ہے کہ حضرت علی کو اقتدار عزیز تھا حضور کی سنت اور اسلام سے محبت نہیں

تھی (معاذ اللہ) پھر اقتدار بھی ایسا کہ جس کا نقشہ نور اللہ توستری شہید ثالث نے اپنی کتاب

احقاق الحق میں لکھا ہے۔

واما امر الخلافة ما وصل اليه الانبلاء | حضرت کو خلافت تو بس برائے نام ملی۔

دون المحسن۔

وجہ کچھ ہو۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت علی نے اپنے زمانہ خلافت میں

خلفائے ثلاثہ کی کسی قسم کی مخالفت نہیں کی ان کے نقش قدم پر چلتے رہے۔ اختلاف موت

اس امر میں ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ اگر حضرت علی کو نفاق سے پاک کامل مومن اور خیر قدا

تسلیم کیا جائے تو اس کیوں کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے جسے حق سمجھا اسے قائم

رکھا۔ اور اگر حضرت علی کو (معاذ اللہ) اقتدار کا جھوکا موقع پرست اور دنیا دار تسلیم کیا

جائے تو اس کیوں کا جواب یہ ہوگا کہ اسی کا نام سیاست ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ صدیق اکبر کی بیعت سے بیکر اپنے عہد کے خاتمے تک حضرت علی

کا رویہ وہی رہا جو ایک حق پرست کا ہونا چاہیے۔ انہوں نے صدیق اکبر کی بیعت برفنا

رغبت کی خلفائے ثلاثہ کے نظام سلطنت کو انہوں نے معیاری اور بیخ اسلامی سمجھا اور اپنے عمل  
سے اسے ثابت کر دکھایا۔ اگر ان کو کوئی پالیسی یا ان کا کوئی حکم خلاف شرع ہوتا تو حضرت علی  
جیسا حق پرست اسے برکے بغیر نہ چھوڑتا۔ عام حالات میں بس خلفائے ثلاثہ کے سامنے ان کا  
بزنار نہایت دوستانہ رہا۔ جیسا کہ کتاب سلیم بن نفیس ہلالی ص ۲۳۳

وكان علي عليه السلام يجلس في المسجد المصنوع الخشن لمسا صفة تقال له انو كرم وعمر كيف بنت رسول الله.	حضرت علی پانچوں وقت کی نماز مسجد نبوی میں پڑھا کرتے تھے (ایک روز) جب نماز پڑھ چکے تو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے ان سے حضرت فاطمہ کی بیماری پر سی کی۔
---	--

اس روایت سے چند ایک امور کی وضاحت ہوتی ہے۔

(۱) حضرت علی باقاعدگی سے پانچوں وقت کی نماز باجماعت مسجد نبوی میں پڑھا کرتے

تھے جہاں حضور اکرم کے مقرر کردہ امام حضرت ابوبکر صدیق نماز پڑھاتے تھے۔

(۲) نماز کے بعد شیخین نے حضرت علی سے حضرت فاطمہ کی بیماری پر سی کی۔ یعنی وہ ایک دوسرے  
کے غمخوار تھے۔

(۳) حضرت علی پانچ وقت کی نماز پڑھا کرتے تھے یہ تین وقت جو شیعوں میں مردج ہیں  
وہ کہیں اور سے لے گئے ہیں۔

(۴) حضرت علی جب مقتدی تھے تو لاجمالہ وہی نماز پڑھتے تھے جو ابوبکر پڑھاتے ہیں اور

جو اہل سنت والجماعت پڑھا کرتے ہیں۔ شیعوں کے ہاں کی نماز بعد کی ایجاد ہے۔

اسی حقیقت کا بیان احتجاج طبری میں ہے۔

ثم قام وقتياً للصلاة وحضور المسجد وحسب خلف ابى بكر ص ۵۲ اور درة النجف میں ہے۔	پھر اٹھے۔ نماز کا ارادہ کیا۔ مسجد نبوی میں حاضر ہوئے اور حضرت ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھی۔
---	---

والصحيح عندى وهو الاكثر الا شراغالم نكن آخر الصلوة فى حياته صلى الله عليه وسلم	اور میرے نزدیک صحیح اور مشہور مذہب یہ ہے کہ جس روز حضور نماز کے لیے باہر تشریف
---	---

بالناس جماعة، وان ابا بكر  
صلى بالناس بعد ذلك يومين نحو  
مات صلى الله عليه وسلم -  
(ص ۲۲۴)

وہ حضورؐ کی نماز باجماعت پڑھنے کا آخری دن  
نہیں تھا اور یہ کہ ابو بکرؓ نے اس کے بعد  
حضورؐ کی زندگی میں لوگوں کو دو دن نماز  
پڑھائی۔

اس سے ظاہر ہے کہ حضورؐ نے اپنی زندگی میں صدیق اکبرؓ کو اپنا نائب خلیفہ نامزد  
فرمایا تھا اور حضرت علیؓ لازماً حضورؐ کے مقرر کردہ امام کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، حضورؐ دو  
دن یہ منظر دیکھتے رہے اس لیے حضرت علیؓ کو حضورؐ کے فیصلے اور انتخاب کے خلاف کوئی  
بات دل میں رکھنے کی ہمت کیسے ہو سکتی تھی جبکہ وہ ارشاد باری تعالیٰ سے چپے تھے کہ

وما كان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضى الله ورسوله  
امرا ان يكون لهم الخيرة من امرهم - ومن يعص  
الله ورسوله فقد ضلّ لا بلحيداً -

ظاہر ہے کہ اس آیت کے منشا کے مطابق حضرت علیؓ سے یہی توقع کی جا سکتی ہے فیصلہ  
نبوی سن کر اور اس پر عمل ہوتا ہوا دیکھ کر اپنے اختیار سے دست بردار ہو جائیں اور اللہ اور  
رسول کی مخالفت سے بچنے کے لیے کامل اتباع نبوی کا ثبوت دیں۔ مگر عجیب اتفاق ہے کہ لوگوں  
نے حضرت علیؓ کے اس اتباع نبوی کی توجیہ اس رنگ میں کی کہ ایک ادنیٰ درجے کے مومن  
سے بھی اس کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ شریف مرتضیٰ نے شافی میں اور ابو جعفر طوسی نے تلخیص  
میں ص ۲۵۵ پر فرمایا

فاما الصلوة خلفهم فقد علمنا ان الصلوة على  
صريين صلوة منتد مؤتم با ما على الحقيقة و  
صلوة مظهر للاقتداء والا هتاما واذ  
كان لا ينوها فان ادعى على امر المؤمنين  
انما صلى ناويا للاقتداء فيجب ان يدنو  
على ذلك فانما لا تسلم ولا هو الظاهر الذي

پس جہاں تک خلفائے ثلاثہ کی اقتداء میں  
حضرت علیؓ کے نماز پڑھنے کا معاملہ ہے ہم  
جانتے ہیں کہ نماز دو قسم کی ہے ایک یہ کہ مقتدی  
اپنے امام کی اقتداء میں نماز پڑھے دوسری  
یہ کہ مقتدی صرف اپنے امام کی اقتداء کا اظہار  
کرے حقیقت میں اقتداء کی نیت نہ ہو۔ اگر

لا يمكن التذراء فيه وان ادعى صلوة  
مظهر للاقتداء فذا المسلم لانه الظاهر  
الا انه غير نافع فيما يقصدونه ولا  
يدل على خلاف ما ذهب اليه فم يبق الا ان  
ينال فما العلة في اظهار الاقتداء من لا يحوي  
الاقتداء به والعلة غيبة القوم على  
الامر -

کوئی دعویٰ کرے کہ حضرت علیؓ ان کی اقتداء  
کی نیت کرتے تھے تو ہم نہیں مانتے اور ظاہری  
اقتداء میں نزاع کوئی نہیں اور یہ یہی کیلئے  
مفید بھی نہیں۔ یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ  
پھر اس اقتداء کے اظہار کی وجہ کیا ہے جس  
کی اقتداء جائز نہ ہو۔ تو ہمارا مذہب یہ ہے کہ  
اس کی علت خلفائے ثلاثہ کا غلبہ ہے۔

نماز کی ایک قسم سننے میں آئی ہے کہ نیت درست ہو اور اس طریقے سے پڑھی جائے جو  
حضورؐ نے خود اختیار فرمایا اور صحابہ کو سکھایا رہی دوسری قسم کہ ظاہر تو کرے کہ نماز پڑھ رہا ہے  
مگر نیت نماز کی نہ کرے اور حضورؐ کے اتباع کا ارادہ بھی نہ ہو تو یہ مومن کی نماز نہیں ہو سکتی۔ اگر  
حضرت علیؓ کے متعلق یہ کہا جائے کہ وہ نماز باجماعت صرف دکھانے کے لیے پڑھتے تھے تو دو  
پہچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں۔

(۱) حضرت ابو بکرؓ کو نبی کریمؐ نے خود امام مقرر فرمایا اور ان کی اقتداء کا حکم دیا تھا۔ اگر حضرت علیؓ نے  
ان کی اقتداء کی نیت نہیں کی تو حضورؐ کے حکم کی مخالفت کی تو من بعض اللہ ورسولہ  
قد ضلّ لا بلحيداً کی زد سے کیوں بچ سکتے ہیں۔  
(۲) کیا حضرت علیؓ اتنے بزدل تھے کہ اپنی پسند کے مطابق نماز بھی نہیں پڑھ سکتے تھے اور  
کیا ان کو اس کام سے نفرت تھی جسے حضورؐ پسند فرماتے تھے؟  
حضرت علیؓ کے متعلق اس قسم کی ریاکارانہ نماز پڑھنے اور مسلسل پڑھتے رہنے کا تصور  
کرنا درحقیقت حضرت علیؓ کی شخصیت کو مسخ کر کے پیش کرنے کے مترادف ہے یہ تو کت  
وہی کر سکتا ہے جسے حضرت علیؓ سے دلی دشمنی ہو۔

اس سلسلہ میں ایک شیعہ عالم نے ایک عجیب نکتہ بیان فرمایا کہ اصل معاملہ یہ ہے کہ  
جب لفظ خلف آجائے تو مراد اقتداء کی نیت کے بغیر نماز ہوتی ہے اور اقتداء کی نیت ہونے پر لفظ  
مع ابوالا جاتا ہے۔ یہ دلیل بڑی وزنی ہے مگر عجیب بات یہ ہے کہ کتب شیعہ میں اس کے



عن سرارہ عن ابی جعفر علیہ السلام  
قال قلت الصلوۃ خلف الحد فقال  
لاباس بہ ان کان فقہا قال قلت  
اصح خلف الاعلی قال نعم قال امیر المؤمنین لا  
یصلین احدکم خلف المجدوم ولا خلف الابصر

سوچنا پڑتا ہے کہ کیا اس سارے باب میں وہی مسائل ہیں جو نیت کے بغیر نماز پڑھنے کے لیے بیان ہوئے ہیں۔ جہاں دیکھو لفظ خلف استعمال ہوا ہے۔ گویا نماز کی نیت کر کے نماز پڑھنا قابل ذکر بات ہی نہیں۔ نہ اس کے مسائل بیان کرنے کی ضرورت ہے۔

### سیدنا علی المرتضیٰ کا نکاح اور خلفائے ملتہ کی خدمات

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ گھر بھر لوگوں نے معاملات میں آدی اپنے دلی دوستوں اور قابل اعتماد ساتھیوں سے مشورہ لیا کرتا ہے اور ایسے معاملات میں لوگ اسی کو مشورہ دیتے ہیں جسے اپنا دوست سمجھتے ہیں اور درست ایک دوسرے کے کام آتے ہیں۔ اس حقیقت کی روشنی میں حضرت علی کے نکاح کا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں۔

(۱) ملا باقر مجلسی اپنی کتاب جلاء العیون میں لکھتے ہیں۔

”ہم جانتے ہیں کہ خدا اور رسولؐ نے فاطمہ کو علی کیلئے رکھا ہوا ہے پس ابو بکر، عمر اور سعد بن معاذ نے کہا اٹھو علی کے پاس چلیں اور ان سے کہیں فاطمہ کی خواستگار کی کرو اگر تنگدستی انہیں مانع ہے تو ہم ان کی امداد کریں گے۔۔۔۔۔ جناب امیر نے ابو بکر سے یہ کام سنا آنسو چہنمائے مبارک سے جاری ہوئے۔۔۔۔۔ لیکن تنگدستی مجھے اس امر کے اظہار سے شرم دلاتی ہے ان لوگوں نے جس طرح ہوا حضرت کو راضی کیا۔“ (صفحہ ۱۳۵)

اس عبارت سے عفاف ظاہر ہے کہ حضرت علی کو حضرت فاطمہ کی خواستگاری کا مشورہ

دینے والوں میں حضرت ابو بکر کا نام سرفہرست ہے۔ اس جماعت کی طرف سے گفتگو کرنے والے ابو بکرؓ ہیں۔ انہیں حضرت علی کی بچپنیا ہٹ کی وجہ معلوم تھی کہ تنگدستی ہے اس کا علاج انہوں نے پہلے تجویز کر لیا کہ مالی امداد دیں گے۔ یعنی ابو بکر و عمرؓ حضرت علی کے دلی دوست اور سچے خیر خواہ تھے اور ان کی خاطر مالی ایثار کرنے کے لیے تیار تھے۔

(۲) المناقب الخوارزمی طبع عراق نجف اشرف سال ۱۹۶۵ء (باب تزویج فاطمہ)

حضرت حسن نے مالک بن انس سے بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ حضورؐ پر وحی کا نزول شروع ہوا میں پاس تھا جب وحی ختم ہوا تو فرمایا انس! کیا تم جانتے ہو کہ جبرئیل اللہ کی طرف سے کیا حکم لائے ہیں میں نے عرض کیا اللہ و رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا اللہ نے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہ کا نکاح علی سے کر دوں اس لیے جا اور ابو بکر، عمر، عثمان، طلحہ اور زبیر اور اتنے آدمی انصار سے بلا لو۔ میں انہیں بلا لایا جب وہ بیٹھ گئے تو حضورؐ نے خطبہ پڑھا الحمد للہ الخ

پھر فرمایا میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے فاطمہ کا نکاح علی سے چار سو مثقال پانندی کے بدلے کر دیا بشرطیکہ علی اس پر راضی ہو۔ علی اس وقت موجود نہ تھے۔ حضورؐ نے انہیں کسی کام کے لیے بھیجا تھا پھر حضورؐ نے حضورؐ کا ایک مثقال منگایا اور ہمارے سامنے رکھ دیا۔ پھر فرمایا اسے علی! اللہ نے مجھے حکم دیا ہے

عن الحسن بن علی بن مالک قال کنت عند النبیؐ فغشیت الریح فلما افاق قال لی بالسر اندری ما جاہدہ جبرائیل من عند صاحب العرش قال قلت للہ ورسولہ اعلم قال امر فی ان ازوج فاطمہ من علیؑ فانطلق فادع ابابکر وعمر وعثمان وطلحہ وزبیر و بعد دم من الانصار قال فانطلقت فذعوتہم لہ فہما ان اخذوا وجمہ لیسہم قال رسول اللہ الحمد للہ الحمد للہ من عداہم امرعوب الیہ فباعہ اللہ فذاعرہ فی ارضہ وصالہ الذی خلق الخلق وبقدرتہ وعبودہم با حکامہ واعزہم بیدینہ واکرمہم بپیغمبرہم الخ ثم انی شہدکم انی زوجت فاطمہ من علیؑ ارجاء متغال فضتہ انی رضی بذا علیؑ کان غائباً بحثہ رسول اللہ فی حاجتہ ثم امر رسول اللہ بطریق فیہ بسر فوضع فیما بین یدینہما الخ ثم قال یا علیؑ ان اللہ تعالیٰ امرنی ان ازوج فاطمہ فقد زوجتکھا علی ارجاء متغال فضتہ ارضیت فقال قد رضیت یا رسول اللہ واذن فیہ وقد زوجنی رسول اللہ

بنتاً طه وجعل صداقاً درعی هذا وقد  
 رويته بذلك ..... واقبل على رسول الله فقال  
 يا ابا الحسن الطلق الآن فبع درعك واتني  
 حتى يواخني أهبي لك ولا يفتي فاطمة ما يصلحها  
 قال على فاخذت درعی فانطلقت الى  
 السوق ففخته باربعائة درهم  
 سود هجرية من عثمان بن عفان  
 فلما اخذت الدرأهم منه وقبض  
 درعی منی قال لی ابا الحسن السم  
 لانی بالدرع منك وانت اولی بالدرع  
 منی فقلت نعم قال فان هذا الدرع  
 قد بئ منی الیک قال فاخذت الدرع  
 ..... والدرأهم بین یدیهما  
 واخبرته ساکنان من  
 امر عثمان فدعاهما الی  
 بخیر - ثم قص رسول الله  
 قصته فدعا الی بکر ففحها  
 الیه فقال یا ابا بکر  
 اشتريه هذا الدرأهم  
 لابنتی ما يصلح لها فی بیتها  
 وبعث معہ سلمان الفارسی  
 وبلال بن حماد لیجیناه  
 عن حمل ما یشتريه

کہ میں فاطمہ کا نکاح تجھ سے کر دوں۔ سو میں نے  
 ۴۰۰ شقال چاندی مہر پر تجھ سے نکاح کیا۔ کیا  
 تو راضی ہے حضرت علی نے کہا یا رسول اللہ میں راضی  
 ہوں۔ . . . . اور حضرت علی نے آواز دی کہ  
 حضور نے اپنی بیٹی فاطمہ کا نکاح مجھ سے کر دیا  
 ہے اور حق میری درع مقرر کی ہے اور میں اس  
 پر راضی ہوں۔ . . . . پھر حضور، علی کی طوت  
 متوجہ ہوئے اور فرمایا اے ابوالحسن جاؤ اور  
 اپنی زرہ فروخت کرو۔ قیمت میرے پاس  
 لاؤ تاکہ اس رقم سے تیرے لیے اور اپنی بیٹی کے  
 لیے گھر کا سامان خریدوں حضرت علی فرماتے ہیں۔  
 میں وہ زرہ لے کر بازار گیا اور ۴۰۰ درہم کے  
 بدلے حضرت عثمان کے ہاتھ بیچ دی جب میں  
 دین چکا تو حضرت عثمان نے کہا اے ابوالحسن  
 کیا میں اس زرہ کا تجھ سے زیادہ حق دار نہیں  
 ہوں اور تم اس رقم کے بچے سے زیادہ حق دار  
 نہیں ہو۔ میں نے کہا ہاں۔ حضرت عثمان نے  
 کہا یہ رقم اور یہ زرہ میری طرف سے ہدیہ ہے  
 میں نے وہ رقم اور زرہ لاکر حضور کے سامنے رکھ  
 دی اور سارا ماہرا سنا لیا حضور نے عثمان کے  
 حق میں دعا فرمائی اور رقم ابوبکر صدیق کے  
 حوالے کی کہ جاؤ میری بیٹی کے لیے سامان  
 ضرورت جو اس کے لیے مناسب ہو خرید

قال ابوبکر و كانت  
 الدرأهم التي دفعها  
 الی ثلاثمائة وستين درهما  
 قال انطلقت الى السوق فاشترت  
 خراشا . . . الخ

لاؤ اور ان کی مدد کے لیے سلمان فارسی اور  
 بلال کو بھیجا کہ ابوبکر جو سامان خریدے انٹھا  
 لانا ابوبکر فرماتے ہیں کہ حضور نے جو رقم مجھے دی  
 تھی وہ ۴۰۰ درہم تھے۔ پنا پچ میں بازار گیا اور  
 ایک فراس خرید لیا۔ . . . . الخ۔

اس لویل روایت سے کئی امور کی وضاحت ہوتی ہے۔

- (۱) حضور کو حضرت علی کی تنگدستی کا علم تھا لیکن وحی کی ہدایت کے مطابق حضرت فاطمہ کا ان سے نکاح کر دیا۔
- (۲) حضرت انس کو جن لوگوں کو بلانے بھیجا ان میں سرفہرست اصحاب ثلاثہ ہیں۔
- (۳) حضرت علی کو زرہ بیچنے کے لیے بازار بھیجا۔
- (۴) حضرت علی نے اپنی زرہ حضرت عثمان کے ہاتھ فروخت کی۔
- (۵) حضرت عثمان نے زرہ اور اس کی قیمت جو وصول کی تھی حضرت علی کو ہدیہ دے دی۔ ان کا یہ تحفہ دینا اور حضرت علی کا تحفہ قبول کرنا دونوں کی باہمی محبت کا آئینہ دار ہے۔
- (۶) حضور اکرم کا حضرت عثمان کے اس ایثار پر خوش ہو کر ان کے لیے دعا فرمانا حضور کی قدر دانی کا مظاہرہ ہے اور حضور کی دعا قبول ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا
- (۷) زوجین کے لیے ضرورت کی مناسب چیز خرید لانے پر حضرت ابوبکر کو مقرر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ حضور کو جہاں ابوبکر کی ذات پر اعتماد تھا وہاں حضرت علی کے حق میں انکی خیر خواہی۔ دوستی اور محبت کا بھی یقین تھا۔
- (۸) حضور کو ابوبکر کے معیار انتخاب اور پسند پر کامل بھروسہ تھا یعنی حضور کی پسند اور حضرت ابوبکر کی پسند کا معیار ایک تھا۔
- (۹) حضرت سلمان اور بلال کو حضرت ابوبکر کے ہمراہ بھیجنا کہ خرید کر وہ اشیا لائیں۔ اس امر کی دلیل ہے کہ حضور اکرم ہر حالت میں حضرت ابوبکر کی فضیلت اور شرف کو قائم رکھنا چاہتے تھے۔

گذشتہ دو روایات سے یہ واضح ہو گیا کہ حضرت علی اور خلفائے ثلاثہ کے تعلقات نہایت دوستانہ تھے اور حضور کو اس کا علم تھا اس لیے حضرت علی کے خالص گھریلو معاملات میں خلفائے ثلاثہ کو مشیر و معاون کی حیثیت سے بلایا۔ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت فاطمہ کا نکاح بچکم خداوندی ہوا تھا۔

اب یہ دیکھئے کہ کتب شیعہ میں حضرت فاطمہ کا رد عمل اور حضرت علی کا سراپا کس انداز میں پیش کیا گیا ہے پہلے حضرت فاطمہ کا رد عمل ملاحظہ ہو۔

(۱) "شیخ طوسی نے یہ سند معتبر جناب صادق سے روایت کی ہے کہ جب رسول خدا نے جناب فاطمہ کو علی بن ابی طالب سے ترویج کیا۔ اور فاطمہ کے پاس تشریف لائے دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں" (جلاء العیون ص ۱۴)

(۲) "رسول خدا نے فاطمہ سے تخلیہ میں فرمایا کہ اے فاطمہ کیا حال ہے۔ اور تیرا شوہر کیسا ہے جناب فاطمہ نے فرمایا اسے پدر بزرگوار میرا شوہر نیک ہے۔ لیکن زمان تریش میرے پاس آئیں اور کہا حضرت رسول نے تمہیں ایسے شخص کے ساتھ ترویج کیا جو پریشان حال ہے اور کچھ مال اس کے پاس نہیں ہے" (جلاء العیون ص ۱۴)

(۳) حضرت علی کا سراپا بزبان حضرت فاطمہ :-  
"جناب فاطمہ سے حضور نے پوشیدہ بیان کیا۔ جناب فاطمہ نے کہا میرا اختیار آپ کو ہے۔ لیکن زمان تریش کہتی ہیں کہ علی بزرگ شکم ، بلند دست ہیں بندہ انے استخوان گندہ ہیں آگے سر کے بال نہیں۔ آنکھیں بڑی ہیں اور ہمیشہ خندہ دہان اور قلس ہیں۔"  
(جلاء العیون ص ۱۴)

اس عبارت سے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ حضرت فاطمہ نے حضرت علی کے وہماں بیان کئے ہیں یا نقائص البتہ ان الفاظ سے حضرت علی کی پوشکل چشم تصور کے سامنے آتی ہیں اس میں ان کی تعریف کی نسبت تو ہرین کا پہلو زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔

(۴) "ایک روز رسول خدا کی خدمت میں حاضر تھا کہ ناگاہ جناب فاطمہ گریاں تشریف لائیں جناب رسول نے کہا اے فاطمہ سبب گریہ کیا ہے جناب فاطمہ نے کہا۔ اے پدر ازناں

قریش مجھے طعنہ زنی کرتی ہیں اور کہتی ہیں کہ تمہارے باپ نے تجھ کو مرد پریشان حال کے ہمراہ ترویج کیا ہے جو بالدار نہیں ہے" (جلاء العیون ص ۱۴)

(۵) علی الشرائع میں ص ۱۸۵ سے ۱۸۹ تک حضرت فاطمہ کی حضرت علی سے ناراضگی کے تفصیل درج ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ وقت نکاح سے آفرم تک حضرت علی سے راضی نہیں ہوئیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا مشکل نہیں کہ اگر حضرت علی سے حضرت فاطمہ کی عمر میر کی ناراضگی سے حضرت علی کی شان میں کوئی فرق نہیں آتا تو ابھی چند روزہ ناراضگی سے (بقول بعض) حضرت ابو بکر کی شان میں فرق آسکتا ہے۔  
حضرت فاطمہ کے نکاح کے سلسلے میں یہ امر تو واضح ہو گیا کہ حضرت فاطمہ کو یقیناً اس حقیقت کا علم تو ہو گا کہ یہ نکاح خدا کے حکم سے ہو رہا ہے۔ اور اللہ کے حکم تعمیل کر کے ایک مہم کو پورست حاصل ہو سکتی ہے اس کا اندازہ ہر مومن کر سکتا ہے مگر حضرت فاطمہ نے اس حکم کی تعمیل کے ساتھ ساتھ زبان تریش کی بات کو اتنی اہمیت دی کہ روٹا بند نہ ہوتا تھا۔ اس تضاد کو کون رفع کرے ہر حال اب اسی نکاح کے سلسلے میں یہ دیکھئے کہ حضور اکرم کے دل میں خلفائے ثلاثہ کا مقام کیا تھا۔

عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم  
امرق رب ان اذرج فاطمة من عني فافلق  
فادع لي ابا بكر وعمر وعثمان وعليه والخطو  
الذي يرو بعددهم من الانصار..... اني  
اشهدكم اني قد زوجت فاطمة من علي.  
دكتفت الغم ص ۱۴

(۲) قال صلى الله عليه وسلم نزل عني  
جنير امثل فقال يا محمد ان الله تبارك  
وتعالى قد زوج فاطمة من علي من فوق

حضرت انس فرماتے ہیں کہ حضور نے فرمایا مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے فاطمہ کو علی سے نکاح کر دوں۔ پس تو جا ابو بکر، عمر عثمان، علی ظلم اور زبیر کو جلد اتنے ہی آئی انصار سے بلا لا..... فرمایا میں تمہیں گواہ بنا تا ہوں کہ فاطمہ کا نکاح علی سے کر دیا۔

حضور نے فرمایا۔ جبرائیل نازل ہوا اور کہا اے محمد اللہ تعالیٰ نے سرش پر فاطمہ کا نکاح علی سے کر دیا۔ اور مقرب ترین شہوتوں

المرش و اشهد على ذلك خياراً لا تكذب  
فقد جاهدنا في الراض و اشهد  
على ذلك خياراً متدك -

کو نکاح کا گواہ بنایا آپ زمین پر یہ نکاح کر دیں  
اور اپنی امت کے بہترین آدمیوں کو اس پر  
گواہ بنائیں۔

(فصل الخطاب ص ۱۱۱)

ان دونوں روایات سے معلوم ہوا :-

- (۱) اللہ تعالیٰ کے حکم تعمیل کے لیے حضور نے جن لوگوں کو دعوت دی انہیں اصحاب ثلاثہ سرفرست ہیں۔
- (۲) اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اس نکاح کے گواہ ان لوگوں کو بنائیں جو بہترین امت ہیں۔
- (۳) حضور نے تعمیل کی لہذا اصحاب ثلاثہ بہترین امت تھے۔
- (۴) جو مقام عرش پر مقرب ترین فرشتوں کا ہے وہی مقام زمین پر اصحاب ثلاثہ کا ہے نتیجہ یہ نکلا کہ رسول خدا جن لوگوں کو بہترین امت قرار دیں اور جو مقرب ترین فرشتوں سے مماثلت رکھتے ہوں ان پر اگر کوئی شخص لعن کرے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اسے خدا اور رحل سے کوئی تعلق نہیں۔

## اصحاب ثلاثہ کے متعلق حضرت علی کی رائے

- گذشتہ تین ابواب میں اس امر کی وضاحت کی جا چکی ہے کہ :-
- (۱) قرآن حکیم سے حضرت علی کی خلافت بلا فصل کیلئے کوئی دلیل نہیں ملتی۔
  - (۲) حدیث صحیح سے بھی کوئی ثبوت نہیں ملتا جو احادیث کتب شیعہ میں ملتی ہیں وہ یا تو ضعیف ہیں یا موضوع ہیں اور محدثین کے نزدیک ساقط الاعتبار ہیں۔
  - (۳) تاریخ نے ایسے واقعات محفوظ رکھے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے اصحاب ثلاثہ سے حضرت علی کے تعلقات سچی محبت اور گہری دوستی کے جذبہ پر مبنی تھے۔ یہ ممکن نہیں کہ ایک سچا مسلمان جسے دشمن سمجھتا ہو اس کے ساتھ عمر بھر ایسا برتاؤ کرتا رہے جس سے مخالفت یا دشمنی کا شائبہ تک حسوس نہ ہو۔ اگر کوئی شخص عام حالات میں

ایسی دنیا داری کی وضع اختیار کرے جسے تو اپنی نبی جی مجلسوں اور دستوں کی محفلوں میں تو اپنے دل کی آگ اگل رہی دیتا ہے۔ اس اصول کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت علی ان حضرات کے متعلق کیا رائے رکھتے تھے۔

(۱) حضرت علی نے اپنے عہد خلافت میں ایک مجمع عام میں خطبہ کے دوران فرمایا

اللهم اصلحنا بما اصلحت به الخلفاء  
الراشدین قبل من م۔ قال جیبای  
وعما ابو بکر وعمر ا ما ما الهدی  
در جلا قریش والمقتدی بما بعد  
رسول الله وشيخنا الاسلام من اقدی  
بهما عصم ومن اتبع اثارهما هدی  
الی صراط مستقیم۔

اے اللہ جس طرح تو نے خلفائے راشدین کی اصلاح فرمائی اسی طرح ہماری اصلاح فرما۔  
پوچھا گیا وہ کون ہیں؟ فرمایا میرے دوست  
میرے بزرگ ابو بکر اور عمر ہیں جو ہدایت کے امام  
ہیں قریش کے دو عظیم فروریں رسول کریم کے  
بعد مقتدا ہیں اور شیخ الاسلام ہیں جس نے  
ان کی پیروی کی سچ گیا جس نے انکی اتباع  
کی صراط مستقیم پر چل پڑا۔

شافی - ۲۲۸:۲

علم الہدی نے یہ روایت امام جعفر اور امام باقر سے بیان کی اور اس کی سند یہ بیان کی دردی عن جعفر بن محمد عن ابیہ از رجلا جہاد الی امیر المؤمنین عبد السلام فقال سمعتہ تقول فی الخلیفۃ النقا۔ حضرت علی کے اس خطبہ اور اس اعلان کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

- (۱) یہ خطبہ اس وقت دیا گیا جب آپ عہدہ خلافت پر عملاً متمکن تھے۔ اقتدار حاصل تھا نہ کسی کا ڈر تھا نہ لحاظ نہ تعلق کی ضرورت تھی نہ تعقید کی حاجت۔ اس لیے وہی کچھ کہا جسے آپ نے حق سمجھا۔
- (۲) حضرت علی نے شیخین کو خلفائے راشدین کہا اور ان دو بزرگوں کو شیخین کا لقب سب سے پہلے حضرت علی نے دیا اگر حضرت علی انہیں خاصاً سمجھے تو برابر ہر ان الفاظ سے یاد نہ کرتے۔
- (۳) حضرت علی انہیں معیاری حیثیت سے اصلاح یافتہ سمجھتے تھے اس لیے اپنے لیے بھی اسی طرح کی اصلاح کی دعا کی۔

(۴) حضرت علی نے انہیں شیخ الاسلام پناہ دوست اور پناہ بزرگ فرمایا۔

(۵) حضرت علی نے انہیں ہدایت کے کلام کے لقب سے یاد فرمایا۔ اس لیے جو ان کی امامت کا قائل نہ ہو وہ حضرت علی کی امامت کا قائل کیسے ہو سکتا ہے۔

(۶) حضرت علی نے انہیں معیار حق قرار دیا اس لیے فرمایا کہ حضور کے بعد قابل اقتداء ہیں (۷) حضرت علی نے بغیر کسی لاگ لپٹ کے اعلان فرمایا کہ جو شخص ان کی پیروی کرے گا گمراہی سے محفوظ رہے گا۔ اور مراہط مستقیم ہی ہے۔

(۸) حضرت علی نے شیخین کو مقتدی فرمایا۔ اس میں خاص نکتہ یہ ہے کہ اقتداء یعنی امور میں ہوتی ہے اور ہر حالت اور ہر حرکت و سکون میں ہوتی ہے جیسے ایک امام کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کو مقتدی کہتے ہیں اس لیے حضرت علی نے نہ صرف انہیں خلافت کے باب میں برحق قرار دیا بلکہ دینی اعتبار سے ان کی برتری اور فضیلت کا اعلان کیا۔

تشریح مرتضیٰ علم الہدیٰ نے ایک روایت میں اس سے بھی زیادہ واضح الفاظ میں حضرت علی کا ایک ارشاد نقل کیا ہے۔

خیر هذه الامت بدو نبیہا ابو بکر و عمر و ذی  
بعض الاجاد و لو اشاء ان اسمی الثالث  
لنعلبت - (شافی ۱: ۱۶۱)

ایک روایت میں مزید تفصیل بیان فرمائی ہے۔

ابو بکر و عمر و ذی  
بعض الاجاد و لو اشاء ان اسمی الثالث  
لنعلبت - (شافی ۱: ۱۶۱)

ردی ابو جیف و محمد بن علی و بعد خیر و عمر و بن  
علف و ابو حکیم و غیرم و قبل اربعا عشر رجلا ان  
سلط علیہ السلام قال فی خطبہ خیر هذه الامت بعد  
نبیہا ابو بکر و عمر و ذی بعض الاجاد ان علی علیہ السلام  
خطب بذلک بعد انھی الیمان ما جلا تناول  
ابا بکر و عمر بالشمۃ فدعا بعد و قد مر بصوتہ بعد  
ان اشہد و اعلیہ بذلک (۲: ۲۲۸)

اس روایت کے ۱۲ راوی ہیں اس میں بتایا گیا کہ حضرت علی نے برسرِ مزارِ حقیقت کا اعلان فرمایا کہ اس امت کے سب سے بتر شیخین ہیں۔ دوسری روایت سے ظاہر ہے کہ شیخین کو بڑا مہلا کنا صرف گناہ نہیں بلکہ قابلِ تعزیر جرم ہے۔ چنانچہ آپ نے شہادتیں لیکر ایسے لوگوں کو سزا دی اب کون تسلیم کرے کہ حضرت علی ان بزرگوں کو بڑا سمجھتے تھے یا بڑا کہتے تھے۔ جب انہوں نے شیخین کی شان میں ہے، ادبی کے الفاظ سننا گوارا نہ کیا اور عمل سے ثابت کر دیا کہ وہ زبانِ خاموشی کر دینے کے لائق ہے جس سے ان حضرات کی شان میں گستاخی کے کلمات نکلیں۔

### حضرت عثمان پر ایک الزام

کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمان نے مصر کے حاکم عبداللہ بن ابی سرح کو اپنے غلام کے ہاتھ ایک خط بھیجا کہ محمد بن ابی بکر جب تیرے پاس آئے تو اسے قتل کر دینا۔ خط پر حضرت عثمان کی مرضی اس لیے یہ خط لازماً انہوں نے لکھا اور اسی وجہ سے حضرت عثمان کو قتل کر دیا گیا۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ خبریں صدق و کذاب کا احتمال ہوتا ہے خبر سچی ہو سکتی ہے اور بھائی بھی جاسکتی ہے اس لیے اصل بات معلوم کرنے کے لیے تحقیق کرنا ضروری ہوتا ہے۔ بلا تحقیق کسی ایسی خبر کو تسلیم کر لینا جسے عقل سلیم تسلیم نہیں کرتی۔ نیت کے کھوٹ کے بغیر ممکن نہیں۔ اس خبر کی تحقیق کی جائے تو یہ تاریخی حقیقت سامنے آتی ہے کہ اس واقعہ کے سلسلے میں ایک خط پر موقوف نہیں کئی خطوں کا سراغ ملتا ہے۔

(۱) معترضین کے وفود جب حضرت عثمان کے پاس شکایت لے کر آئے تو آپ نے حقائق پیش کرنے اور وہ لوگ مطمئن ہو کر اپنے اپنے وطن کو فرما دیا اور مصر کو لوٹ گئے۔ مگر ان میں سے دو آدمی۔ اشتر اور حکیم بن حبیلہ مدینہ میں رو گئے۔ انہوں نے دو آدمی کرایہ پر لیے ایک کو مصری فوج کے پیچھے بھیجا دوسرے کو کوئی اور بھری فوج کی طرف روانہ کیا۔ اور انہیں فوجی کمانڈروں کے نام خط دئے۔ ایک قاصد سے متعلق ملتا ہے کہ

صلی الی قافلۃ العراقرین فی الطریق الشرقی | ایک اور شخص مشرقی جانب سے عراقی تامل

رجب آخر یختل الیہم کتا ما محتو ما بخاتم  
علی ان ائی طالب یا مرھونہ بالعود  
الی المدینۃ (العواصم)

جب عراقی واپس آئے تو حضرت علی سے ان کی گفتگو ہوئی۔

فقال للعراقیین دانتم  
ما اذا جمع بکم  
فقالوا انما کتبت  
الینا کتابا قأمرنا  
بالعود۔ فذہف باللہ  
انہ لم یکتب لہم ولا  
علو لہ بد نکت  
فتیب۔ رکت بین مکذوبین  
علی عثمان د علی۔

(العواصم ص ۱۱۸)

دوسری روایت ہے

فالسوال۔ لی قم معنا  
انی عثمان۔ قال واللہ  
ما اقرم محکم  
قادرا فذہ کتبت الینا  
قال واللہ ما کتبت الیکم  
منظر بعضہ الی بعض  
وخرج علی

کو اور ان کی طرف ایک خط لے جا رہا تھا جس پر  
حضرت علی کی مرضی اس میں انہیں حکم دیا گیا تھا  
کہ مدینہ واپس آ جاؤ۔  
ان کی گفتگو ہوئی۔

حضرت علی نے عراقیوں سے کہا تمہیں کوئی  
چیز واپس لانی انہوں نے کہا کیا آپ نے ہمیں  
واپس آنے کا حکم نہیں لکھا بیجا تھا۔ انہوں نے  
کہا کیا آپ نے ہمیں واپس آنے کا حکم نہیں لکھا  
بیجا تھا۔ انہوں نے اللہ کی قسم کھائی کہ میں نے  
نہ کوئی خط لکھا ہے نہ اس کا مجھے کچھ علم ہے۔  
بات واضح ہو گئی کہ عراقیوں اور مصریوں کے  
نام دونوں خط چھوٹ گئے تھے۔ حضرت علی اور  
حضرت عثمان پر بہتان لگایا گیا (ایک نے فرج  
کو واپس بلایا دوسرے نے محمد بن ابی بکر کے قتل  
کا حکم دیا)

انہوں نے حضرت علی سے کہا اٹھو اور تمہارے  
ساتھ عثمان کے پاس پہنچو۔ انہوں نے کہا خدا  
کی قسم میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ وہ کہنے  
لگے پھر آپ نے ہمیں واپس آنے کا خط لکھا  
لکھا۔ فرمایا خدا کی قسم میں نے تمہیں کوئی خط نہیں  
لکھا اس پر وہ ایک دوسرے کا منہ  
ٹکاتے گئے۔

حضرت علی کے عظیم بیان سے ظاہر ہے کہ یہ خط اور مہر دونوں جعلی تھے۔ اگر حضرت عثمان  
سے منسوب خط کو اصل تسلیم کیا جاتا ہے تو اسے کیوں نہ اصل تسلیم کیا جائے۔ اگر حضرت علی کا خط  
انہیں تسلیم کیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ حضرت علی ہی حضرت عثمان کے قاتل تھے۔ دوسری بیانات  
ماننی پڑے گی کہ حضرت علی نے جھوٹی قسم کھائی مگر یہ دونوں باتیں حضرت علی کی شان کے خلاف  
ہیں۔ لہذا دوسری صورت تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ یہ خط جعلی تھا اور اس پر جو مہر لگائی گئی وہ بھی  
بناوٹی تھی۔ عرض یہ تھی کہ کسی بہانے حضرت عثمان کو قتل کیا جائے۔

بلوائی جب حضرت عثمان کے پاس وہ خط لیکر آئے تھے تو انہوں نے بھی اسی قسم کا جواب  
دیا تھا۔

فالسؤال الی عثمان فقالوا لکنت  
نیہ۔ لکذا قال بدم امان نقبوا  
اثنین من المسلمین او بییدی۔  
فدم نقبوا عنہ۔ قال انی ما کتبت  
ولا امرت و قد یکتب علی  
سائر الہ خلی و یضرب علی خطہ۔  
و ینقض خاتمہما۔  
وہ لوگ خط لے کر حضرت عثمان کے پاس گئے  
اور کہا کہ آپ نے اس میں یہ لکھا ہے۔ انہوں نے  
فرمایا دو مسلمان گواہ پیش کرو یا مجھے تم لے لو  
میں نے نہ لکھا ہے نہ حکم دیا ہے ہاں کسی شخص کے  
نام سے خط لکھا جا سکتا ہے اور جعلی مہر بھی  
بنائی جا سکتی ہے۔ مگر انہوں نے کوئی بات  
نہ مانی۔

(۲) علامہ محب الدین خطیب نے حواشی المنتقی امام ذہبی کے ص ۲۶۶ تا ۲۶۹ پر اس حقیقت  
کی وضاحت کی ہے کہ مصر میں اصل نقشہ اٹھانے والا محمد بن ابی حذیفہ تھا یہ حضرت عثمان کا  
ربیب تھا۔ اس نے حضرت عائشہ اور دوسری اہمات المؤمنین کے نام فرضی خطوط بنائے تھے۔  
جو جامع عرفی طحا میں لوگوں کو پڑھ کر سناتا تھا۔

حضرت عائشہ نے حضرت عثمان کی شہادت کے بعد لوگوں سے فرمایا تم لوگوں نے حضرت  
عثمان کی مدد نہ کی کتنی بری بات ہے۔ تو جلیل القدر تابعی حضرت مسروق نے کہا۔  
قال مسروق فقات لہا هذا عقلت کتبت الی  
الناس نامرینکم بالخروجه علیہ فقات عائشہ  
مسروق کہتے ہیں نے حضرت عائشہ سے کہا  
یہ آپ ہی کا کام ہے آپ نے مصریوں کو لکھا

والذی آمن به المؤمن وکفر به الکافر  
ما کتبت الیه رسو دانی بیاض

روایہ محمد بن خطیب ص ۱۰۱ العوام ص ۱۳۶

کہ بناوٹ کریں۔ ڈرنا یا قسم اسم ذات کی جس پر  
مومن ایمان لایا اور کافر نے جس کا انکار کیا میں  
نے مہر لوں کو کچھ نہیں لکھا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرضی خط لکھنا اور جعلی مہر بنانا یا باغیوں کی ہمنیک کا ایک  
حصہ تھا۔ لہذا اصحاب المؤمنین، حضرت علی اور حضرت عثمان سے جو خط منسوب کئے گئے وہ سب  
کے سب فرضی تھے۔ باغیوں کا اصل مقصد حضرت عثمان کو قتل کرنا تھا جب حقیقی و جھوٹی خبر  
ذمہ تھی تو انہیں جھوٹ کا یہ حال بنا پڑا۔

### اس مفروضہ کے خلاف ایک اور شہادت

عبداللہ بن ابی سرح کے نام اس خط کے بھیجنے کا جو وقت بتایا جاتا ہے اس وقت  
وہ مہر میں موجود ہی نہیں تھے۔ اس لیے ایسی حالت میں یہ خط بھیجنے میں کیا تک ہے۔

عبداللہ بن ابی سرح اس وقت مہر میں موجود  
ہی نہیں تھے انہوں نے حضرت عثمان سے مدینہ  
آنے کی اجازت مانگی تھی جب حضرت عثمان اور  
مروان کو علم تھا کہ وہ مہر میں موجود نہیں تو انہیں  
خط بھیجنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ان عبد اللہ بن ابی سرح لیس فی مصر فی هذا  
الوقت انه استاذ الخليفة بالمجدي  
الی المدينة فكيف كتب الیه عثمان  
اد مروان الی مصر وهما یحلمان انه  
لیس فی مصر۔

(خواصی محمد بن خطیب ص ۳۹)

اور ابن جریر لکھتے ہیں

وعن غیر مفعول ان یکتب عثمان اد  
مروان بذلك اکتبالی ابن ابی سرح وهما یحلمان  
انه كان قد اذن باللحوم الی الدینتہ۔

(طبری ۵: ۱۲۷)

وانه عند ظهور الكتابین مزورین کان

فی طریق بین فلسطین والمدینہ واحد  
بلغة العقبۃ (ایضاً)

ابن ابی سرح فلسطین اور مدینہ کے درمیان راہ کی  
مقبر میں پہنچ چکے ہوں گے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ خط کا واقعہ بالکل فرضی ہے۔

یہاں ایک اور بات کہی جاتی ہے کہ ابن ابی سرح کو حضرت عثمان نے اس لیے بلایا تھا کہ پوشیدہ  
طور پر انہیں محمد بن ابی بکر کو قتل کرنے کا حکم دینا چاہتے تھے۔

یہ اس امر کی شہادت ہے کہ ایک جھوٹ کو سچ کرنے کے لیے کئی جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔

مگر جھوٹ پھر بھی جھوٹ ہی رہتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر حاکم مہر کو اس غرض سے بلا بھیجا تھا تو  
خط کیوں لکھا؟ اگر خط لکھا تو بلانے کی کیا ضرورت تھی؟ پھر یہ کہ جو چاہتے تھے "کا علم آپ کو  
کیسے ہوا؟ اگر یہ راز ان کے دل میں تھا تو آپ تک کیسے پہنچا اگر محمد آپ تک پہنچا تو ان کیسے رہا؟ اگر آپ  
کو ان کے دل کے ارادہ کی کسی طرح اطلاع مل گئی تو کیا ارادہ قتل کی سزا قتل ہے؟ اگر نہیں تو  
حضرت عثمان کو واجب القتل کس قانون سے قرار دیا گیا؟

معاملہ بالکل برعکس ہے حضرت عثمان برسر اقتدار تھے۔ بلوایوں کی سرکوبی کے لیے حکم دے

سکتے تھے مگر مدینہ الرسول میں یہ منظر دیکھنا گوارا نہ کیا کہ مسلمان کی تلوار مسلمان کے خلاف چلائی  
نے بلا وہ محمد بن ابی بکر کے قتل کا حکم دیا عقل سلیم کیسے تسلیم کر سکتی ہے۔

وقد سعوا فی قتله و دخل  
علیه محمد فیمن دخل  
وهو لایاً مر بقتله و قتالہ  
دفعاً عن نفسه ذکیر  
یتبداً بقتل معصوم الدم

بلوایوں نے قتل عثمان کی کوشش کی۔ ان کے گھر  
میں داخل ہونے والوں میں محمد بن ابی بکر بھی تھا  
مگر اس وقت ابی حضرت عثمان نے اپنی مدافعت  
کیلئے یا انہیں قتل کرنے کا حکم نہیں دیا۔ پھر یہ کیوں کر  
ملکی ہو سکتا ہے کہ وہ بے قصور محمد بن ابی بکر کے  
قتل کا حکم دیں۔

چون مخصوص شخصیتوں کی سیرت و کردار کا جائزہ لیا جائے تو اس منصوبے کی حقیقت  
ماننے آجاتی ہے۔

(۱) بصرہ میں حکیم بن جبلة العوام ص ۱۱۵ پر موجود ہے کہ اس کی پیدائش عمان میں





بیدخل و بانیو بالمساجد والنزائیل  
و بحفرون علیہا کذا و اربعین  
رجلا ..... انہم ساد خذرا المسجد  
فی اللیل خسف اللہ بہم الارض  
اجمعین و طلع الجذام فی  
الناضحتی تقطعت اعضاءہ رما  
عن اسود حال۔

کہ ہم رات کسی وقت مسجد میں داخل ہونا چاہیں تو  
وہ مانع نہ ہو جو حکم نے ملے کہ اجازت دے دی  
کہ قبریں کھود کر نکال لے جائیں غلام بڑا فکر مند ہوا۔  
رات گئے وہ گیتی پیچھے لے کر مسجد میں داخل ہوئے  
اور زمین ان سب کو نکل گئی اور عام مدینہ بزم  
میں مبتلا ہوا اس کے اعضا کٹ کٹ کر گرنے  
لگے اور نہایت ذلت کی موت مرا۔

ابن سبائے جس ہوشمند سی سے حضور اکرم کے درخت کو مٹانے کی منصوبہ بندی کی تھی وہ  
اپنی معراج پر پہنچ گئی گو خدا نے نبی کو اپنے محبوب پیغمبر کے جان نثار صحابہ کا جس قدر پاس تھا  
اس کا منظر بھی سامنے آگیا بے جان زمین خدا نے نبی کے حکم سے دشمنان صحابہ کو جیتے جاگتے  
نکل گئی آج تک اس مقام پر ایک سیاہ پتھر سارے فرش سے الگ نظر آتا ہے اور دیکھنے  
والوں کو زبان مال سے دعوت دیتا ہے۔ ۵۔

دیکھو مجھے جو دیدہ عبرت نگاہ ہو

اس واقعہ صہب کے ساتھ ایک شخص نے واقعہ بھی پیش آیا۔ ان چالیس "رضاکاروں"  
کی پشت پر ایک کثیر جماعت مسجد نبوی سے باہر موجود تھی خادم کے شور مچانے پر وہ بہت  
غضبناک ہوئے انہوں نے خادم سے انتقام لینے کی یہ سیکم بنائی کہ اسے دھوکہ سے ایک مکان  
میں لے گئے اور اس کی زبان کاٹ دی۔ عمدۃ التحقیق ص ۲۲ پر اس کی تفصیل یوں دی  
گئی ہے۔

ثم ان جماعتا من الدواخن الذین  
ارسلوا الیہم یومئذ  
الخسف و عملوا الحیلۃ علی الخادم  
ادخلوه ۱۷۱ لاساکن فیہا و قطعوا  
لسانہ و مشوا بہ بخارۃ اسی سلی اللہ

ان چالیس آدمیوں کو اندر بھیج کر ان کے ساتھی  
جو باہر کھڑے تھے خادم کا شور سن کر خادم کو قابو  
کرنے کا حیلہ سوچنے لگے تاخرا سے ایک دیوان  
مکان میں لے گئے اس کی زبان کاٹ دی اور  
اس کا منہ کیا۔ وہ رؤضۃ اقدس پر جانز ہوا۔

علیہ وسلم نسف علیہ و علی فدا صاحبہ و  
لیس بہ ضرر ثم عملوا حیلۃ ثانیاً و قطعوا لسانہ  
و ذرہ صرہ یا شد بہ بخارۃ اللہ فی نسف علیہ  
فما صبر و ما بہ ضرر فعملوا الحیلۃ ثالثاً و ذرہ صرہ  
و قطعوا لسانہ بخارۃ اللہ فی نسف فاصبح ما بہ ضرر

حضور نے (نواب میں) اس کے جسم پر ہاتھ  
پھیرا صبح اٹھا تو تمام اعضاء درست تھے۔  
اس کے بعد انہوں نے دو دفعہ اور یہی حیلہ  
کیا اور حضور نے اسی طرح شفقت فرمائی اور  
وہ صبح اٹھا تو صحیح سلامت ہوا۔

خدا نے نبی کو اپنے حبیب کے جان نثاروں کا جو یاس تھا اس کا ثبوت واقعہ خسف  
سے ملتا ہے اور حضور اکرم سلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے رفقاء سے جو محبت ہے اس کا ثبوت اس  
امر سے ملتا ہے کہ جو زبان صحابہ کی حفاظت کی خاطر حرکت میں آئی دشمنان صحابہ اسے کاٹتے  
رہے اور حضور کے نواب میں پڑتے رہے اور وہ خواب عالم بیداری میں حقیقت نفس الامری  
بن کر سامنے آتی رہی۔ یعنی حضور کے صحابہ کے ناموس کی خاطر جو شخص نقصان اٹھائے گا اس  
کی تلافی حضور خود فرمائیں گے۔

اسی قسم کا ایک اور واقعہ امام یافعی نے کفایۃ المتقین اور جامع کرامات اولیاء اللہ  
۲: ۴۱۴ پر اور اسامیل بدلیہ فی فضل الصحابہ رضی اللہ عنہم میں درج ہے ایک شخص کا من عمر بن مبارک  
بن کے لیے اے رؤضۃ اظہر چاغری کے وقت حضور کی نعت اور مدح شیخین میں دردناک شعر  
پڑھے۔ ان اشعار میں شیخین کی اسلامی خدمات کا ذکر تھا۔ جب مسجد سے باہر آئے تو ایک  
شخص انہیں بلا کر گھر لے گیا۔ اندر گئے تو دروازہ بند کیا اور ان کی زبان کاٹ دی۔ وہ ٹکڑا  
کے ہاتھ میں دے کر گھر سے نکال دیا۔ وہ رؤضۃ اقدس پر جانز ہوئے رات جب سو گئے تو کیا  
دیکھتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تشریف لائے ہیں حضور نے زبان کاٹا ہوا ٹکڑا اس سے لیا اور  
زبان کے ساتھ لگا دیا۔ بیدار ہوئے تو دیکھا کہ ٹکڑا غائب ہے اور زبان بالکل درست ہے  
دوسرے سال پھر یہی قصہ دہرایا۔ جب قصیدہ پڑھ چکے تو ایک شخص نے انکی دعوت کی اور گھر لے  
گیا جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ وہی گزشتہ سال والا مکان ہے۔ نیز اندر گئے کھانا کھایا پھر وہ  
آدمی انہیں ایک اور کمرے میں لے گیا۔ دیکھا کہ ستون سے ایک بندر بندھا ہے میزبان نے کہا  
یہ میرا والد ہے۔ یہ شیخ تھا۔ گزشتہ برس اس نے آپ کی زبان کاٹی تھی رات کو چنگا بھلا سویا

صحیح دیکھتا تو اس کی شکل بندہ کی تھی میں نے یہاں باندھ دیا کہ باہر نکلا تو سوائی ہوگی میں نے اس کی حالت دیکھ کر شیعہ مذہب سے توبہ کر لی ہے۔ اب آپ اس کے لیے دعا فرماویں۔  
اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ حفظ ناموس صحابہ کے جرم میں دشمن صحابہ نے ایک شخص کی زبان کاٹ دی۔ حضور اکرمؐ نے اس کا علاج کر دیا اور خدا نے غیور نے اس دشمن کی صورت ہی مسخ کر دی۔ واقعی اللہ اور رسولؐ کو ناموس صحابہ کا بڑا پاپاں ہے۔

ان دو واقعات کا ضمناً ذکر کرنے کے بعد اب ہم اصل مضمون کی طرف آتے ہیں ابن سبا کے اسی منصوبہ کے تحت حضرت علیؑ کی طرف سے خط بنانا اور حضرت عثمانؓ کی طرف خط لکھنا اس مقصد کے لیے تھا کہ یہ جلیل القدر صحابہ سازشی اور جھوٹے مشہور کئے جاسکیں۔  
۲۔ ازواج مطہرات کی طرف سے جھوٹے خط بنانا اس عرض کیلئے تھا کہ رسولؐ کے گھرانے پر سے امت کا اعتماد اٹھ جائے۔ اور دین سیکھنے کیلئے ازواج مطہرات کی طرف رجوع کرنے کا امکان باقی نہ رہے۔ چنانچہ یہ یہودی ذہنیت کام کر گئی اور ابن سبا کی فکری لائنوں پر ایک جماعت اٹھی اور اس نے ان ہستیوں کو تہمت کا نشانہ بنایا جن کو اللہ تعالیٰ نے

ایمانات المؤمنین کا لقب دیا تھا۔

۳۔ خلافت راشدہ وہ بیہیت حاکمہ تھی جس کے ذریعے احکام اسلامی اور حدود و شرعی کا اجرا ہوتا تھا ابن سبا کی سبکی یہ تھی کہ خلیفہ ثالث کی سیرت کو مجروح کر کے عوام کو ان کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا جائے اور اسلام کے خلاف فکری انقلاب کے ساتھ ساتھ عملی انقلاب بھی لایا جائے اور خلافت راشدہ سے اعتماد اٹھ جائے۔ ان باغیوں نے حضرت عثمانؓ کو نشانہ بنایا اور قواہج نے حضرت علیؑ کو مقصد دونوں کا ایک تھا کہ خلافت راشدہ کی معیاری حیثیت مجروح ہو جائے۔

تاریخ شاہد ہے کہ اس کے بعد بھی اسلامی حکومتوں کے زوال کا سبب زیادہ تر روافض ہی بنتے رہے۔ چنانچہ سلامہ الورسہ کا شہر لکھتے ہیں۔

ان المجاہدین یسرو الامن اهل السنن و لیسہ ہدول | تاریخ شاہد ہے کہ مجاہدین ہمیشہ اہل السنن  
التاریخ ذمہ لم یوافق للجهاد احد غیر نلک الطائفہ | میں سے ہوئے ہیں ان کے بغیر جماد کی توفیق

داکٹر مخدوم: السلطنة الاسلامیہ کان | کسی کو نہیں ہوتی۔ اور اکثر اسلامی سلطنتوں  
علی ایڈی الدرافض (فیض باری ص ۱۲۱) | کی تباہی روافض کے ہاتھوں ہوئی۔

فقہ تاتار کو طامتہ الکبریٰ کہا گیا ہے۔ نواب صدیق حسن خان نے اپنی کتاب الاذیاء  
للاکان وما یكون بین یدی الساعی ص ۵۵ اور علامہ ابن قیم نے انائتہ اللغات  
۲: ۲۶۳ پر لکھا ہے کہ اس وقت میں اکابر شیعہ میں سے فیصل الدین طوسی کا ہاتھ تھا۔  
یہ ہلاکو خان کا وزیر تھا اس نے اپنی وزارت کے زور سے مساجد برباد کرائیں قرآن کی جگہ  
بوعلی سینا کی "اشارات" کی ترویج کی اور اس امر پر زور دیا کہ یہ قرآن عوام کے لیے تھا۔ خواہ  
کیلئے "اشارات" ہی قرآن ہے اس کی کوشش تھی کہ اسلام مٹ جائے اور فلسفہ نجوم جادو  
دیگر کی تعلیم رواج پائے دوسری طرف عباسی خلیفہ کا وزیر ابن علی شیعہ تھا جس نے اپنی مکت  
عملی سے ہلاکو خان کی کامیابی کی راہ ہموار کی۔ سقوط بغداد تاریخ اسلامی میں ایک عظیم المیہ کی  
حیثیت لکھتا ہے کہ اس سے ساڑھے چھ سو سال کی اسلامی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور اس  
"کار خیر میں عظیم ترین حصہ لینے والے دونوں حضرات شیعہ تھے۔

مختصر یہ کہ قتل عثمان کا پس منظر ایک انسان کی زندگی ختم کرنے کی کوشش نہیں تھی  
بلکہ دین اسلام کی فکری اور عملی بنیادوں کو ہموار کرنے کا طویل المدت منصوبہ تھا۔ اور چونکہ  
حضرت عثمان دین اسلام کی فکری اور عملی صورت کی symbol بن چکے تھے اس لیے  
انہیں نشانہ مستم بنایا گیا۔ ہر انسان کو آفرینا ہے۔ لیکن اس منصوبے سے دین اسلام کی  
عمارت میں جو نقب لگائی گئی وہ آج تک ختم ہونے کو نہیں آئی۔

# باغ فدک

یہ مسئلہ شیخ معتمد میں داخل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضور کی بیٹی حضرت فاطمہؑ کو کفن کے محروم کر دیا گیا۔ وہ اپنے والد گرامی کی جاگیر باغ فدک کا مطالبہ کر لیں۔ حضرت ابو صدیق کے پاس گئیں مگر انہوں نے مطالبہ پورا نہ کیا اس لیے وہ طعن کا نشانہ بن گئے۔

یہ بات اس لحاظ سے دین کا حصہ ہے کسی کو محروم الارش کر دینا ایک ظلم ہے اور ظلم کو عدل قرار دینا تو اس سے بڑا ظلم ہے پھر اس لحاظ سے اس کا جائزہ لینا نہایت ضروری ہے کہ اس فعل کی نسبت اس سستی سے کی گئی ہے جسے حضرت فاطمہ کے والد گرامی نے اپنی زندگی میں امت کا امام مقرر کیا تھا اور ان کے شوہر حضرت علی نے اپنے عہد خلافت میں برسرِ منبر اعلان کیا کہ یہ شخص ساری امت سے افضل ہے۔

اس مسئلہ کا جائزہ لینے کے لیے اس کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنا ضروری ہے۔

(۱) فدک کیا ہے (۲) فدک کی حدود کیا ہیں (۳) یہ جاگیر حضور کے ہفتہ میں کیونکر آئی (۴) اس میں حضور کا تصرف مالکانہ تھا یا متولیانہ (۵) اس کی سالانہ آمدنی کتنی تھی۔ (۶) حضور کے زمانہ میں اس آمدنی کا مصروف کیا رہا (۷) حضرت فاطمہ نے میراث کا مطالبہ کیا تھا یا ہبہ کا (۸) اگر ہبہ کا مطالبہ کیا تو مضمون دعویٰ کیا تھا (۹) کیا حضور اگر تم نے حضرت فاطمہ کے حق میں اس کی وصیت کی تھی (۱۰) کیا انبیاء کی میراث مالی ہوتی ہے یا علمی (۱۱) صدیق اکبر نے اس مطالبہ پر جو فیصلہ کیا تھا وہ شریعت محمدی کے مطابق تھا یا اس کے خلاف۔

(۱۲) خلیفہ اول کے بعد باقی تین خلفاء کے عہد میں اس کا مصروف کیا رہا (۱۳) اگر انہوں نے کوئی تبدیلی نہیں کی تو وہ اس جرم سے بری کیونکر بری قرار دئے جاسکتے ہیں۔ یہ تمام پہلوؤں زیرِ بحث آئیں گے۔

۱۔ فدک کیا ہے اس کی حدود کیا ہیں :-

مورخین کا فیصلہ :-

واما فدک وہی بفتح الفاء والهمزة بعدھا کاف بلد۔ بینھما دین المدینۃ ثلاث مراحل وکان من شالحا ما ذکر اصحاب المغازی قاطبہ۔ ان اهل فدک کانوا من یهود فلما فتح خیبر ارسل اهل فدک یتطلبون النبی صلی اللہ علیہ وسلم الامان علی ان یتروکوا البلد یدرجون۔

فدک - فلکی زریسے ہے مدینہ سے تین منزل پر واقع ہے۔ مورخین کا اتفاق ہے کہ اہل فدک یہودی تھے۔ جب خیبر فتح ہوا تو اہل فدک نے حضور سے امان طلب کی کہ انہیں بہت سی چھوڑ کر چلے جانے کی اجازت دی جائے۔

یعنی فدک - مدینہ منورہ سے تین منزل کے فاصلے پر ایک گاؤں تھا جس میں یہودی آباد تھے۔

لسان العرب میں لکھا ہے کہ فدک ایک گاؤں ہے جو حجاز میں واقع ہے۔ مدار صد الاطلاع علی اسماء الامکنۃ والبتاع میں لکھا ہے کہ فدک، حجاز میں ایک گاؤں ہے جو مدینہ طیبہ سے دو یا تین دن کی مسافت پر ہے اور اسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو فے کیا تھا۔ صلحا حاصل ہوا تھا۔ اس میں پانی کے چشمے اور کھجوریں تھیں۔

یعنی اہل لغت، اہل تاریخ اور جغرافیہ دان اس بات پر متفق ہیں کہ فدک ایک گاؤں تھا۔ جس میں یہودی آباد تھے۔

علمائے سفیر کے نزدیک فدک کی حقیقت :-

(۱) شیخ مجتہد ملاباقر مجلسی نے کتاب اختصاص سے امام جعفر سے بسند معتبر فدک کی حدود بیان کی ہیں۔

(۲) من روزے درخانہ فاطمہ شستہ بودم کہ جبڑیل نازل شد و گفت یا محمد بن محمد کہ خدا را امر کرده است کہ ملک فدک را برائے تو بخشم بہ بال خود۔ پس حضرت بر قاست در رفت و باز در اندک زمان برگشت فاطمہ گفت کہ رفتی اے پدر! فرمود کہ جبڑیل برائے من بیاب خود ملک فدک را خط کشید و حدودش را بن نمود۔ و مرا امر کرد کہ تسلیم بتو نام

میں ایک روز فاطمہ کے گھر بیٹھا تھا کہ جبڑیل آئے اور کہا کہ اے محمد! تجھے خدا نے حکم دیا ہے کہ ملک فدک کی حدود کی نشاندہی کر دوں پس حضور اٹھ کر چلے گئے اور فتویٰ دیر کے بعد لوٹے۔ فاطمہ نے کہا ابا جان آپ کہاں گئے تھے۔ فرمایا کہ جبڑیل نے فدک کی سلطنت کی حدود بتانے کے لیے اپنے پڑوں سے ایک خط کھینچا اور مجھے حکم دیا ہے کہ یہ

پس حضرت - فدک را باد تسلیم کرد -  
(حیاء القلوب ۲: ۵۰۳)  
یعنی فدک ایک ملک تھا ایک سلطنت تھی۔

(۲) ابن شہر آشوب روایت کر دہا است کہ حضرت رسول جوں متوجہ قلعہ ہائے فدک شد ایساں بہ قلعہ ہائے حسین خود بخشن شد نزد ایساں را آنجناب طلبید و گفت کہ یہ تو ہیید کرد اگر شمارا دریں قلعہ بگذارم و جمیع متاع شمارا یکشام و اموال شمارا متصرف شوم ایساں گفتن ما دران قلعہا محافظان دارم و کلید ہائے آنرا نزد ما است۔ حضرت فرمود بلکہ کلید ہائے آنرا را بمن دادہ است و در دست من است و کلید ہائے ہایساں نمود۔  
(حیاء القلوب ۲: ۵۰۳)

سلطنت تیرے حوالے کر دوں۔ چنانچہ حضور نے فدک کی سلطنت ان کو دے دی۔

ابن شہر آشوب نے روایت کی ہے کہ حضور نے جب فدک کے قلعوں کا رخ کیا تو وہ لوگ اپنے مضبوط قلعوں میں قلعہ بند ہو گئے حضور نے انہیں طلب کیا اور فرمایا کہ اگر میں تمہیں اسی قلعہ میں بند رکھوں اور تمام قلعوں اور اموال پر قبضہ کر لوں۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے ان قلعوں میں محافظ رکھے ہوئے ہیں اور ان کی چابیاں ہمارے پاس ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ ان کی چابیاں تو میرے پاس ہیں پھر حضور نے وہ چابیاں انہیں سے دکھائیں۔

یہ روایت پہلی روایت کی تائید کرتی ہے کہ فدک ایک سلطنت تھی جس میں عظیم الشان قلعے تھے۔

(۳) اصول کافی میں فدک کی تفصیل یہ درج ہے :-

جب ابوالحسن موسیٰ خنیفہ ہمدی کے پاس یہ سکر گئے کہ وہ مظالم لوٹا رہا ہے تو کس امیر المؤمنین کیا وجہ ہے کہ ہمارے مظالم نہیں لوٹائے گئے۔ پوچھا کونسے؟ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جب نبی کریم کے ہاتھوں فدک فتح کر لیا تو ہمیں پھونکی چڑھائی نہیں کی تھی تو حضور نے یہ آیت و آت القری

لما ورد ابوالحسن موسیٰ علیہ السلام علی الہمدی ساءہ یورد المظالم فقال یا امیر المؤمنین ما بال مظلمتنا لا تدر فقال له ما ذاک یا ابا الحسن قال ان اللہ تعالیٰ لما فتح علی نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم ما والاہام یوجف ب...  
ذلا رب اللہ تعالیٰ علی نبیہ صلی

اللہ عید و سلوات ذالقرنی حقہ فہو یدہ رسول اللہ من ہر فراجہ جبرئیل ربہ فارسی اللہ الیہ ان اوضع الی فاطمہ فدعا رسول اللہ فقال لہا یا فاطمہ ان اللہ امر فی ہذا بوضع الیک فدک۔ فقالت قد قبلت یا رسول اللہ من اللہ و منک فلو یزید و کلاہما فی حیاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما دلی البو بکر اخرجہ ابو بکر و کلاہما عنہا فاتتہ فسالتہ ان یردہا علیہا...  
قال الہمدی لہ یا ابا الحسن حدہالی فقال حدہ منہا جبل احد و حدہ منہا سیف البحر و حدہ منہا دوقتا الجندل فقال لہا کل هذا قال نعم یا امیر المؤمنین هذا کلہ۔ ان هذا کلہ ممالکہ یوجف۔

(اصول کافی صفحہ ۲۵۵)

(۴) اسی مضمون کی ایک روایت ملا باقر مجلسی نے اپنی کتاب بحار الانوار (۸: ۱۰۱) کتاب الفتن میں بیان کی ہے۔ اس میں فدک کی حدود یہ بیان ہوئی ہیں۔  
اس کی ایک حد مدن ہے۔ دوسری حد قند۔ تیسری افریقہ۔ چوتھی سمندر کا کنارہ ہے جو آرمینیا سے ملا ہوا ہے۔

الح تامل ہونی حضور اکرم کو علم نہیں تھا کہ قرابت دار کون ہیں اس لیے جبریل سے پوچھا انہوں نے اللہ کے درخواست کی اللہ نے فرمایا کہ فدک فاطمہ کو دے دیجئے۔ حضور نے انہیں بلایا اور فرمایا کہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ فدک تجھے دوں فاطمہ نے کہا یا رسول اللہ اللہ کی طرف سے اور آپ کی طرف سے میں نے قبول کیا۔ پھر حضور کی زندگی میں فاطمہ کے دکھ اور اس باغ پر مقرر رہے جب ابو بکر صدیق خلیفہ ہوئے تو انہوں نے دکھ کو نکال دیا فاطمہ ابو بکر کے پاس آئیں کہ فدک انہیں لوٹا دے۔

ہمدی نے کہا ابوالحسن! فدک کی حدود تو بیان کیجئے۔ جواب دیا اس کا ایک سراجیل الحد ہے۔ دوسرا عیش مصر ہے۔ تیسری طرف سمندر کا کنارہ ہے اور چوتھی جانب دومتہ الجندل ہے۔ ہمدی نے کہا یہ سارا فدک ہے؟ کہا ہاں یہ سارا فدک ہے جس پر حضور نے گھوڑے نہیں دوڑائے

ان روایات سے فدک کی وسعت کی تعیین ہو گئی۔ نئی بات یہ معلوم ہوئی کہ حضورؐ کی زندگی میں اس جاگیر پر حضرت فاطمہ کے وکلاء مقرر تھے۔ حضرت ابو بکر نے نکال دئے (۵) ملا باقر جلسی نے فدک کی تفصیل اس طرح بھی دی ہے۔  
حضرت اس کے تمام مشروں کے تمام مکانات  
میں پھرے پھرے جبریل نے کہا کہ یہ فدائے آپ کے  
لیے مخصوص کیا ہے۔

(حیاء القلوب ۲: ۲۱۸)

(۶) سید نعمت اللہ الجزائری لکھتے ہیں۔

و اما حد و دھا فقال موسیٰ بن جعفر  
علیہ السلام ان حدھا الاول عدیش  
معد و الحد الثانی دومۃ الجندل و الحد  
الثالث بئواد الحد الرابع جبل من المدینہ۔

(انوار نعمانیہ ۱: ۱۶)

ان چھ روایات اور اقتباسات کا ماحصل یہ ہے کہ :-

(۱) فدک ایک وسیع سلطنت تھی جو آرمینیا سے لے کر مصر تک پھیلی ہوئی تھی۔

(۲) رسول کریمؐ نے یہ سلطنت حضرت فاطمہ کو ہبیہ کر دی۔

(۳) اس سلطنت میں کئی عظیم شہان تھے۔

(۴) اس سلطنت میں کئی شہر تھے۔

(۵) اس سلطنت میں رسول کریمؐ کی زندگی میں کسی وکلاء مقرر تھے جو ابو بکر صدیق نے نکال دئے

اہل لغت، مؤرخین اور جغرافیہ دان کہتے ہیں فدک ایک بستی تھی یہ امر واقعہ ہوا  
راٹے بہر حال انسان کا مشاہدہ اور خیال ہی ہو سکتا ہے مگر ان چھ روایات سے ظاہر ہے کہ  
امام معصوم بیان کر رہے اور جبریل امین نشانہ ہی کر رہے اور رسول کریمؐ ہبیہ کر رہے ہیں  
لہذا اس کو رائے نہیں کہا جاسکتا بلکہ شیخ کے نزدیک فدک ایک وسیع سلطنت تھی

..... جو آرمینیا سے مصر تک اور عدن سے رومہ الجندل تک پھیلی ہوئی تھی۔

اس تحقیق کے پیش نظر یہ کہنا درست معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ نے ابو بکر صدیق  
سے جس فدک کا مطالبہ کیا تھا وہ اہل لغت کا خیالی نہیں بلکہ ائمہ معصومین کا بیان کردہ حقیقی فدک  
ہی مانگا ہوگا۔ مگر تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق کی سلطنت حجاز کے ایک چھوٹے سے  
حصے سے آگے نہیں بڑھی تھی پھر وہ حضرت فاطمہ کا مطالبہ کیونکر پورا کر سکتے تھے۔ اور حضرت فاطمہ  
کے متعلق یہ کہنا کہ وہ جان بوجھ کر حضرت ابو بکر سے وہ چیز مانگا رہی ہیں جو ان کے قبضے میں نہیں  
کسی طرح قابل تسلیم نہیں۔ اگر آج کوئی شخص صدر پاکستان سے مطالبہ کرے کہ مجھے افغانستان  
اور ایران بطور جاگیر دے دیا جائے۔ صدر پاکستان جھلا اس کا مطالبہ کیونکر پورا کر سکتے ہیں  
اس پر اگر وہ شخص روتھ جائے اور صدر پاکستان کو مناسب کہنے لگے تو اس کے متعلق کیا کہا  
جائے گا۔ اس بنا پر محض کا فیصلہ یہی ہے۔ حضرت فاطمہ کا مطالبہ محض فرضی قصہ ہے۔ جو لوگ  
اس مطالبہ کو صحیح تصور کرتے ہیں ان کا فرض ہے کہ تاریخ سے یہ ثابت کریں کہ مطالبہ کے وقت  
یہ علاقے ابو بکر صدیق کے قبضے میں تھے اور اسلانی حکومت کی حدود میں داخل تھے۔ اگر ایسا  
نہیں اور یقیناً نہیں تو مطالبہ کو فرضی قصہ اور جعلی داستان کہنا پڑے گا۔

(۷) صاحب درۃ النجفیہ نے فدک کی تفصیل یہ دی ہے۔

ولحدک بفتحین قریۃ من القرى اليهودیہ بینما  
وبین المدینۃ النبویہ یومان ۳۲۹۔

(۸) اسی درۃ النجفیہ میں ہے

وروی انه کان فیہا احدی عشر  
مخلۃ غمہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلو بیۃ وہ کانت بنو فاطمہ یمدون  
شہرھا الی الحجاج (ص ۳۳۲)

اور روایت کیا گیا ہے کہ بان فدک میں کھجور  
کے گیارہ درخت تھے جو حضور اکرمؐ نے اپنے  
دست مبارک سے لگائے تھے ان کا پھل  
اولاد فاطمہ ماجیوں کو ہدیہ دیا کرتے تھے۔

درۃ النجفیہ کی روایات کے مطابق فدک کی سلطنت سمٹ کر بستی رہ گئی پھر اور  
سمٹی تو کھجور کے گیارہ درخت اس کی کل کائنات ٹھیری۔ کیا انہیں گیارہ درختوں والے  
زمین کی نشانہ ہی کے لیے جبریل اپنے پرروں سے کام لیتے رہے۔ درخت تو بعد میں حضور اکرمؐ

نے لگانے پہلے تو وہاں کچھ نہیں تھا۔ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ حضرت فاطمہ نے اتنی سی زمین اور گیارہ درختوں کے لیے اتنے جتن کئے اور بقول شیخ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما سے ناراض رہیں یہ رویہ تو آج کا ایک فاحش دنیا دار اور مادہ پرست انسان بھی اختیار نہیں کرتا حضرت فاطمہ کو دنیا اتنی عزیز تھی۔ کہ اس کی خاطر ابو بکر صدیق سے اپنے والد کی حدیث سن لینے کے بعد بھی ناراض ہی رہیں۔ یہ ایک عجیب معرہ ہے اس لیے یہ کہنا پڑے گا کہ حضرت فاطمہ کا مطالبہ اسی فدک کیلئے ہو گا جو برسند معتز گزشتہ چھ روایات میں بیان ہوا ہے اور جو اس وقت صدیق اکبر کی سلطنت میں شامل نہیں تھا۔

### بارغ فدک کی آمدنی :-

(۱) پس اہل فدک بخدمت حضرت رسول آمدند و بایشاں مقاطعہ نمود کہ ہر سال بست و چہار ہزار دینار بدین حساب اس زمانہ تقریباً سہ ہزار و شش صد تومان باشند۔  
(حیاء القلوب ۲: ۲۱۸)

اہل فدک حضور کے پاس آئے ان سے طے ہوا کہ ہر سال ۲۴ ہزار دینار دیں گے اس زمانہ کے حساب کے مطابق ۳۶۰۰ تومان بنتے ہیں۔

(۲) تشیید المطاعن میں سید محمد قلی لکھتے ہیں کہ ایک لاکھ بیس ہزار دینار تھی۔ اور اسی کتاب میں لکھا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں فدک کی آمدنی ایک لاکھ چالیس ہزار دینار سالانہ تھی۔

درۃ الخبیر کی روایت میں بیان ہو چکا ہے کہ کل ۱۱ درخت تھے جو حضور نے لگائے تھے اس روایت کی تعبیر میں کہا جاتا ہے کہ بارغ تو بڑا وسیع تھا البتہ ۱۱ درخت حضور نے لگائے تھے۔ یہ تعبیر الفاظ کا ساتھ نہیں دیتی۔ فیہا میں صاف ظہیر کا مرجع زمین فدک ہے یعنی اس زمین میں کل ۱۱ درخت تھے ورنہ عبارت یوں ہوتی کہ وسیع بارغ تھا جس میں گیارہ درخت حضور نے لگائے تھے اس لیے روایت کے الفاظ کا صحیح مفہوم یہی ہے کہ اس بارغ میں کل گیارہ درخت تھے اور وہ بھی حضور نے اپنے دست مبارک سے لگائے تھے۔

اب واقعات کی روشنی میں اس آمدنی کا جائزہ لینا چاہیے۔

(۱) سترہ میں فدک کی زمین اسلامی سلطنت میں شامل ہوئی۔

(۲) سترہ میں حضور اکرمؐ اس جہان سے رحلت فرمائے۔

عام تجربہ اور مشاہدہ یہ ہے کہ کھجور کا درخت چار پانچ سال سے پہلے پھل نہیں دیتا۔ پھر حضور نے کل گیارہ درخت جو لگائے تھے اس پر ”وکلاد“ کتے اور کیوں مقرر کئے تھے جو حضرت ابو بکر نے نکال دئے۔ اور پھل آنے سے پہلے ہی ان درختوں سے اتنی آمدنی کیسے ہوتی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ روایت بنانے میں ذرا اور احتیاط کی جاتی اور عنود مکانی جگہ ابھرا لکھا جاتا تو کچھ بات بن جاتی کیونکہ پیوند شدہ کھجور دوسرے تیسرے سال پھل دینے لگتی ہے۔

پھر دیکھنا یہ ہے ۱۱ درخت ایک موسم میں کتنا پھل دے سکتے ہیں۔ کتے ہیں ۲۰ بیسے ایک من تک ایک درخت پھل دے سکتا ہے۔ حساب ۱۰۰ یوں بنتا ہے کہ ۱۱ کھجور کی قیمت ۱۲۰۰۰۰ دینار یعنی ۱۰۹۰۹ دینار من یعنی ۲۶۲ دینار فی سیر ۱۶ دینار فی ٹھکانک اور ۱۵ دینار فی تولہ اب دیکھنا یہ ہے کہ چھٹی صدی عیسوی میں کیسے اتنی منگنی کھجور بھی کتنی تھی یہ تو سونے کے نرخ معلوم ہوتے ہیں۔ آخر مبالغہ کی بھی کوئی حد ہوتی ہے اور مبالغہ صرف شعروں میں چلتا ہے۔ حسابی عمل میں مبالغہ کا کیا کام۔

پھر یہ ایک حقیقت ہے کہ کھجور کے درخت اس وقت تک پھل نہیں دے سکتے جب تک ان میں کوئی نہ کوئی نر درخت نہ ہو۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ ایک نر درخت تھا اور دس ماہ تو ۱۰ درختوں کے پھل کی قیمت ۱۲۰۰۰۰ دینار یعنی ۳۰۰ دینار فی سیر قیمت بنی۔ خواب کی دنیا کی بات ہو تو تسلیم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں مگر حقیقت جاگتی اور حقائق کی دنیا میں اس بات کو وہی تسلیم کرے گا جسے عقل سے پیدائشی بریر جو۔

### فدک کی جاگیر حضور کے قبضہ میں کیسے آئی :-

نسخ الباری ۱۲۳: ۶، تفسیر کبیر اور فتوح البلدان میں مذکور ہے کہ جب خیر بنی ہو چکا اور حضور اکرمؐ واپس آ رہے تھے تو آپ نے حضرت عبید بن مسعود انصاری کو اہل فدک کی طرف بھیجا کہ انہیں اسلام کی طرف دعوت دینا اور انہیں یوشیح بن نون نے فدک کی نصف آمدنی

پر مسلمانوں سے صلح کر لی۔ چونکہ جنگ کی نوبت نہ آئی اس لیے یہ آمدنی حضور کیلئے مختص رہی۔  
نبی کریم کے قبضہ میں مال آتے تھے قرآن کریم نے اس کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔  
زکوٰۃ - غنیمت - اور نئے۔ زکوٰۃ پر بلفظ صدقہ کا اطلاق بھی ہوتا ہے۔  
قسم اول یعنی صدقات کے اموال رسول کریم اور آل رسول کے لیے حرام تھے۔  
قسم دوم یعنی غنیمت کی حقیقت انقال کے نام سے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادی اور  
اس کی تقسیم کا طریقہ بھی بیان فرمادیا۔  
قسم سوم یعنی نئے کے متعلق قرآن مجید نے تفصیل بیان کر دی۔

ما آخاؤ اللہ علی رسولہ من اہل البیت والذی القربی والمساکین  
واللرسول ولذی القربی والیتیمی والمساکین

وان السبیل۔

نئے اس مال کو کہتے ہیں جو جنگ کے پیر صلح سے آتے آئے اور فدک اسی طریقہ سے  
حضور کے قبضہ میں آیا تھا لہذا فدک کی جاگیر مال نے سے تعلق رکھتی ہے۔

مال فے پر حضور کے قبضہ کی نوعیت :-

آیت مندرجہ بالا سے صاف ظاہر ہے کہ فدک کی جاگیر پر حضور کا قبضہ مالکانہ نہیں  
تھا بلکہ متولیہ تھا۔ یعنی آپ فدک کی آمدنی کی تقسیم کے متولی تھے جیسے کسی حکومت میں  
وزیر خزانہ ہوتا ہے۔ وہ خزانہ کا مالک نہیں بلکہ متولی ہوتا ہے اسی طرح فدک کا مالک حقیقی  
اللہ تعالیٰ ہے اور رسول کریم کو اس مال کی تقسیم کے لیے متولیہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کی  
طرف سے ملا۔ اگر قبضہ مالکانہ ہوتا تو ذی القربی یتامی۔ مساکین اور مسافر اس میں شریک  
نہ کئے جلتے۔ ان چار اقسام کے لوگوں کو مال فے میں شریک کرنا ہی ظاہر کرتا ہے کہ یہ مال  
حضور کی ذاتی ملکیت نہیں تھا بلکہ ان لوگوں کی غیر گیری کے لیے حضور کو متولیہ نہ صرف  
کرنے کا حکم دیا گیا۔ اگر رسول کریم کو مالک قرار دیا جائے تو آیت کی رو سے ان چار قسم کے لوگوں  
کو مالک قرار دیا جائے اور میراث کا سوال انھیں تو ان سب میں میراث تقسیم ہوگی۔

اب تقسیم کے دو ہی طریقے ہیں۔

اول باعتبار رقبہ :- یہ صورت محال ہے کیونکہ مسکین کی بے خواہ نفع ہی ہو۔ اسی طرح تقسیم  
بھی ملے گی۔ مسافر بھی ملے گا۔ یہ صورت محال ہے جن کے افراد تعداد میں پھر تقسیم کیے تقسیم ہوئے گا۔  
دوم باعتبار آمدنی :- یہ صورت ممکن ہے افراد بدل سکتے ہیں تقسیم ہو سکے گی اس  
صورت میں یہ مال کسی کی ملکوتہ چیز نہ ہوگی تقسیم کرنے والا متولی ہوگا۔ مالک کوئی بھی نہ ہو  
سکے گا۔ ہاں رقبہ کسی کے نام منتقل ہو تو اسے حقوق مالکانہ مل سکتے ہیں مگر یہ صورت یہاں  
مکن نہیں اس جاگیر کے متعلق حلفائے ثلاثہ کے بعد جو صورت اختیار کی جاتی رہی اس کی  
تفصیل یوں ملتی ہے۔

قال القرطبی لما ولی علی یخبرہ الصدقات ما  
کانت فی ایام الشیخین ثم کانت بعدہ بید الحسن ثم  
بید الحسین ثم بید علی بن الحسین ثم بید الحسن بن الحسن  
ثم بید عبداللہ بن الحسین ثم ولیہا ابنو العباس علی ما  
ذکرہ الامام البرقانی فی صحیحہ ولم یورد عن احد  
من هؤلاء انه تسلمہا ولا ورثھا ولا ورثت  
عندہ قضاہی ۱۰۲: ۳۶۰ عمدة القاری ۱: ۱۷۳

و کتاب الخس ابو حفص بن شاذان

اس سے معلوم ہوا کہ فدک کی زمین پر شیخین کے زمانہ جو قبضہ متولیہ نہ رکھا جاتا تھا وہی  
برتناؤ حضرت علی کے عہد میں کیا گیا پھر اولاد فاطمہ کے تصرف میں جب یہ جاگیر آئی تو ان کا  
قبضہ بھی متولیہ نہ رہا حلفائے اربعہ نے حضور اکرم کا عمل اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اس لیے  
وہی طریقہ اختیار کیا اور حلفائے اربعہ کی اتباع کرتے ہوئے اولاد فاطمہ میں سے مذکورہ بزرگوں  
نے اس پر قبضہ متولیہ نہ کی صورت برقرار رکھی۔ علامہ قرطبی نے اولاد فاطمہ کے نام ذکر کر کے آخر  
میں دوسری صورت بھی نقل کر دی۔ کہ کسی ایک فرد سے منقول یا ثابث نہیں کہ فدک پر ان کا

قبضہ مالکانہ تھا اسے میراث بنایا گیا یا ان میں سے کوئی فرد اس جاگیر کا وارث ہوا۔

اس سلسلے میں جن الفاظ سے رسول کریم کی جانب اموات کا وہم ہوتا ہے محدثین نے اس کی تردید کر دی ہے۔ چنانچہ فیض الباری ۴: ۴۶۲ اور وفاء الرافضی میں فان لہ خمسہ وللرسول کے تحت بیان ہوا ہے۔

یرید بہ دفع الوہم  
الناسی من الایۃ انک  
جعلت الخمس الی برای الامام  
مع الہیتما تدل علی کوفہ  
مکنا لرسول اللہ فازعہ بان اضافتہ  
الی رسول اللہ للقسم دون الملك

اور فیض الباری ۴: ۴۵۹ پر مذکور ہے۔

رسول کریم کو فدک کے متولی ہونے میں  
محقق کیا مالک ہونے میں نہیں...  
اور یہ بھی جان لو کہ حضرت فاطمہ کا مطالبہ  
حضرت ابو بکر سے ولایت فدک کے لیے  
تھا میراث اور ملک کیلئے نہیں تھا۔

قد خص رسولہ بان کانت لرسول  
اللہ خالصۃ یا بولایۃ دون الملك  
الی ان قال دا عدان محاصمۃ فاطمۃ بنت  
رسول اللہ من ابو بکر کانت  
فی التویۃ۔

خلاصہ یہ کہ فدک مال نے تھا اور یہ مال کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتا اس لیے فدک  
بھی حضور کی ذاتی ملکیت نہیں تھا۔

شیخ مفسر شیخ مقداد نے اپنی تفسیر کنز العرفان میں مال غنیمت اور مال نے کے متعلق  
لکھا ہے۔

جو مال انعام سے جنگ کے بغیر حاصل ہو وہ  
ہے اور جو جنگ سے حاصل ہو وہ غنیمت  
ہے۔ ہمارا مذہب یہی ہے۔

ان ما اخذ من الکفار ان کان من غیر  
قتال فهو فی وان کان مع القتال فهو غنیمۃ  
وهو مذہب اصحابنا۔ (ص ۸۷)

پھر اسی تفسیر کنز العرفان میں نے کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے۔

والصغیر ما قالہ الباق  
انما ما اخذ من دار الحرب  
بغیر قتال کالذی استجلی  
عنها اهلہا وهو المسمی نفیہ میراث  
من لا وارث لہ و قوائم الملوك  
اذا لوت کن مضموبۃ  
والاجار و بطون الادویۃ  
والمرات فانہما للہ وللرسول  
وبعدہ من قام مقامہ  
لیصرفہ حیث یشاء من مصالحہ

(ص ۸۷)

میج بات وہ ہے جو امام باقر سے منقول ہے کہ  
جو مال کفار دار الحرب سے بغیر لڑائی کے لیا جائے  
شکلاً اس ملک کے باشندوں کو بلا وطن کیا  
جائے وہ ملل نے ہے اور میراث ہے اس شخص  
کی جس کا کوئی دوسرا وارث نہ تھا اور بادشاہوں  
کی جاگیریں جو غصب شدہ نہ ہوں جنگلات  
اور وادیاں اور غیر آباد زمین خدا کی اور اس  
کے رسول کی ہیں رسول کے بعد اس کے قائم مقام  
خلیفہ یا نائب کی ہیں وہ خلیفہ ان میں اپنی  
صوابدید کے مطابق مصالح عامہ کے لیے تصرف  
کرے گا۔

امام باقر کے قول کے مطابق مال نے کو میراث بھی کہتے ہیں اس میں رسول کے بعد نائب  
رسول ہی قبضہ متولیانہ کے ذریعے مصالح عامہ کیلئے تصرف کا حقدار ہے۔

سید نعمت اللہ الجزائری لکھتے ہیں۔

ان اولاً من رد فدک علی وراثۃ فاطمہ  
سلام اللہ علیہا عمر بن عبد العزیز وکان  
معاویۃ اقطعہا مروان بن الحکم  
وعثمان بن عفان ویزید بن معاویۃ و  
جعلہا بیہم ثلاث ثم قبضت من وراثۃ  
فاطمہ فردھا سفاح ثم قبضت منہم فردھا  
علیہم المامون و قبضت فردھا علیہم  
المستقرم قبضت فردھا علیہم

پہلے شخص جنہوں نے فدک حضرت فاطمہ کے  
ورثہ کو لوٹا یا وہ عمر بن عبد العزیز تھے اور  
امیر معاویہ حضرت عثمان اور یزید نے اس  
کے تین حصے کر ڈئے تھے اور امیر معاویہ نے  
مروان بن الحکم کو ایک حصہ دے دیا تھا۔  
پھر ان سے لے لیا گیا اور خلیفہ سفاح نے  
لوٹا یا پھر یحییٰ لیا گیا پھر مامون نے لوٹا یا پھر  
یحییٰ لیا گیا پھر واثق نے لوٹا یا پھر یحییٰ لیا گیا



المعتد ثم قبضت منهم فردھا  
 علیہم المعتضد ثم قبضت فردھا  
 علیہم الداحی -  
 (انوار عثمانیہ ۱۶:۱)

پھر مستغفر نے لوٹا یا پھر حسین لیا گیا پھر معتقد نے  
 لوٹا یا پھر حسین لیا گیا پھر معتضد نے لوٹا یا پھر حسین  
 لیا گیا پھر داعی باللہ نے لوٹا یا۔

یہ روایت اور عینی فیض الباری اور قرظی کی روایت کا منہمون ملتا جلتا ہے شیعہ  
 سنی دونوں طرف کی روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمام حکام قواہ بنو امیہ کے ہوں یا بنو امیہ  
 کے فدک کو میراث نہیں سمجھتے تھے۔ اس پر جس کا قبضہ رہا متولیانہ رہا۔ مالکانہ نہیں۔ اگر یہ  
 کسی کی ذاتی ملکیت ہوتی تو خلفاء یقیناً اس کے قبضہ میں رہنے دیتے۔ اس لیے اہل بیت کے  
 جن افراد کو یہ لوٹا یا گیا ان کا قبضہ متولیانہ تھا۔

انوار عثمانیہ کی روایت میں دو باتیں ایسی ہیں جنہیں غلط بیانی کہنا چاہیے ممکن ہے تقریر  
 کے طور پر ایسا لیا گیا ہو۔ اول یہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے حضرت فاطمہ کے ورثہ کو فدک لوٹا  
 دیا تھا۔ یہ بات خلاف واقعہ ہے مشکوٰۃ باب الفی میں اس کی تفصیل درج ہے بقدر ضرورت  
 حصہ حدیث یہ ہے۔

ثم اقطعها مردان ثم صارت  
 لعمر بن عبد العزيز فذات امر  
 منعه رسول الله فاطمه ليس لي بحق  
 واني اشهدكم اني ردتها على ما  
 كانت یعنی علی رسول اللہ وانی  
 بکرو عمر۔

پھر مردان نے باغ فدک کاٹ لیا تھا۔ پھر عمر  
 بن عبدالعزیز کے قبضہ میں آیا تو انہوں نے کہا  
 میرا خیال ہے کہ جو فدک حضور نے فاطمہ کو نہیں  
 دیا تھا وہ خاص میرا حق کیسے بن گیا۔ اس لیے  
 میں تمہیں گواہ کرتا ہوں کہ میں فدک کو اسی طریقہ  
 پر لوٹاتا ہوں جس پر رسول کریم کے زمانہ میں اور  
 شیخین کے زمانہ میں تھا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے فدک کی آمدنی کی تقسیم کا معاملہ اس طریقہ  
 کی طرف لوٹا یا جو رسول کریم اور شیخین کے زمانہ میں اختیار کیا جاتا رہا۔  
 فدک کے ٹکڑے کرنے کی نسبت حضرت عثمان کی طرف کرنا بھی غلط ہے اشعة اللغات

میں لکھا ہے۔

وظاہر اس است کہ اس در زمان سلطنت مردان شد

فدک کی آمدنی کی تقسیم کے لیے جو طریقہ دکا رسول کریم نے اختیار فرمایا تھا اسی کا اتباع شیخین  
 بلکہ خلفاء ماربعہ نے کیا۔ شیعہ کتب میں اس کی تائید ملتی ہے۔ مثلاً

وكان رسول الله ياخذ غلتهما فدم  
 اليهم منها ما يكفيهم ثم فعلت  
 الخلفاء بعده كذلك الى ان ولي  
 معاوية فاقطعها مروان  
 ثلثها بعد الحسن ثم خصت  
 لها في خلافته وتد اولها  
 الى ان انتهت الى عمر بن عبد  
 العزيز فردھا علیہم ابو العباس  
 سفاح ثم قبضها والداه  
 موسى وهارون ثم  
 تزل في ابدى بنى عباس  
 الى زمان المأمون فردھا اليهم  
 وبنيت الى عهد المنكزا فاقطعها عبد الله  
 ودوى انه كان فيها احدى عشر نخلة عزها  
 رسول الله بيده فكانت بنو فاطمه يحدون ثمرها الى  
 الحجاز۔ حیدری شرح نہ البلاغ ۲۹۱:۲ ذرة النخلة ص ۳۳

اور حضور اس کا غلہ لے لیتے اور اہل بیت  
 کو اس سے اتنا دے دیتے جو ان کے لیے  
 کافی ہوتا پھر آپ کے بعد خلفاء نے بھی ایسا  
 ہی کیا پھر امیر معاویہ بنا کر دے مروان نے  
 اس کا ایک تہائی کوٹ لیا پھر اپنی عداوت  
 میں اسے اپنے لیے ختم کر لیا اور اس میں  
 دست اندازی کرتا رہا حتیٰ کہ عمر بن عبدالعزیز  
 نے اپنے عہد میں اہل بیت کو یہ لوٹا دیا۔ پھر  
 سفاح نے قبضہ کیا پھر موسیٰ اور ہارون نے  
 پھر مامون کے زمانہ تک بنو عباس کے پاس  
 رہا اس نے اہل بیت کو لوٹا دیا اور منوکل  
 کے عہد تک اسی طرح رہا۔ پھر عبداللہ نے  
 قطع کر لیا۔ روایت کی گئی ہے کہ اس میں کھجور  
 کے گیارہ درخت تھے جو نبی کریم نے اپنے ہاتھ  
 سے لگائے تھے اور بنو فاطمہ ان درختوں کا پھل  
 ساجیوں کو ہبوا تحفہ دیا کرتے تھے۔

اس روایت سے ظاہر ہے کہ خلفاء نے وہی طریقہ جاری رکھا جو نبی کریم نے اختیار کیا تھا  
 اور بعد میں حکام وقت باغ فدک میں تداخل کرتے اور ہاتھوں ہاتھ پالتے رہے۔ یہ بیعت اس  
 امر کی جین سے دلیل ہے کہ فدک کسی کی ذاتی ملکیت میں نہیں تھا۔ اور اولاد فاطمہ کو لوٹانا محض

ان کی منقولہ جائیداد سے ہوتا تھا۔ اگر کسی کی ملکیت ہوتی تو اس میں میراث جاری ہوتی اور جس کے قبضہ میں جاتا اس کی اولاد میں شرعی طریقہ پر تقسیم کیا جاتا۔ مگر ایسا کبھی نہیں ہوا۔ حکام وقت دوسروں کی ملکیت میں ایسا عمل کیوں نہیں کرتے تھے صرف فدک کے معاملہ میں یہ رویہ اختیار کرنا عدم ثوریت کی مبینہ دلیل ہے۔ پھر ای حدیدی شرح نہج البلاغہ ۲: ۲۹۶ پر یوں تفصیل دی گئی ہے۔

وكان ابوبكر يأخذ غلثها  
فيده فح ايهوم منها ما يكفيهم  
ويقسم الباقي وكان عمر  
كذلك ثم كان عثمان  
كذلك ثم كان علي كذلك  
فلما ولي الامير معاوية  
بن ابي سفيان اقطعها مروان  
بن الحكم شلتها واقطع  
عمر بن عثمان ثلثها واقطع يزيد  
بن معاوية ثلثها وذلك بعد موت حسن  
بن علي فلم يذالوا ابتداء لو نحا حتى خلصت  
كلها لمروان بن الحكم ايام خلافتها۔

اور ابوبکر صدیق کا طریقہ یہ تھا کہ فدک کی آمدنی  
اہل بیت اور رسول کی ضروریات پر خرچ کرتے  
تھے بچ کر تباہ و باہ ندامت تقسیم کر دیتے پھر  
حضرت عمر حضرت عثمان اور حضرت علی کے  
عہد میں یہی معمول رہا۔ پھر امیر معاویہ کے عہد  
میں مروان نے تسمانی فدک اپنے نام خاص کر  
لیا اور تسمانی حصہ عمر بن عثمان نے اپنے لیے چھوٹا  
کر لیا پھر تسمانی بزدلی نے اپنے لیے خاص کر لیا یہ  
نام صحیح ہے عمر بن عثمان کی وفات کے بعد  
کئے گئے۔ پھر فدک دست بدست چلتا رہا  
حتیٰ کہ مروان کے عہد میں سارا فدک اس کے  
قبضہ میں چلا گیا۔

اسی قسم کا بیان فیض الاسلام شرح نہج البلاغہ مؤلفہ علی نقی ۵: ۹۶۰ پر ملتا ہے۔

خلاصہ:- ابوبکر غلہ و سودان آں را گرفتہ  
بقدر کفایت باہل بیت داد و خلفاء بعد  
ہم بر آن اسلوب رفتار نمودند تا زمان معاویہ  
کہ ثلث آں را بعد از امام حسن مروان داد

امیر معاویہ کے زمانہ تک یہی طریقہ رہا۔ پھر  
امام حسن کے بعد مروان نے ایک تسمانی نوڈ لے لیا۔

اسی طرح کی تفصیل شرح نہج البلاغہ مشتم بحرانی ص ۵۲۳ پر ملتی ہے۔

صاحب درة النجفیه، ابن ابی الحدید، علی نقی اور مشہور تاجر و عوامی کے شیعہ کے علمائے  
شہادت دی کہ

(۱) رسول کریم فدک کی آمدنی سے اہل و عیال کی ضرورت کے مطابق مال لے لیتے تھے باقی  
تقسیم کر دیتے تھے۔

(۲) حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی نے بالکل وہی طریقہ جاری رکھا۔

(۳) امیر معاویہ کے زمانے میں مروان نے تسمانی حصہ اپنے قبضہ میں کر لیا۔

(۴) حضرت علی اور امام حسن فدک کے معاملہ میں نبی کریم اور خلفائے ثلاثہ کے ساتھ کی طور  
پر متفق رہے۔

اس لیے اگر خلفائے ثلاثہ کو فدک کے بارے میں مجرم قرار دیا جائے تو حضرت علی کو اس  
جرم سے بری قرار دینے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

اس سلسلے میں حضرت نور شاہ کاشمیری کا بیان خالی از فائدہ نہ ہوگا فرماتے ہیں۔

والحال ان علیاً و عثمان  
ایضاً یسبوا علی ما فعلہ  
الشیخان و حکم ان سراً فضیلاً  
ذہب عند السفاح الخلیفۃ  
العباسی فقال انی مظلوم  
فاجرنی قال الخلیفۃ  
من ظلمک قال ابوبکر و عمر  
فی ترکۃ النبی فسال الخلیفۃ  
عند من التذک بعدھا قال  
عند عثمان قال ثم عند من قال عند علی و  
ہذا قال الخلیفۃ فای خصوصیتہ ابی  
بکر و عمر فسکت الراضی الملعون فامر

سال یہ ہے کہ حضرت علی اور عثمان بھی شیعہ  
کے طریقہ پر چلے۔ اور بیان کیا گیا ہے کہ ایک  
شیعہ عباسی غلیفہ سفاح کے سامنے پیش ہوا  
اور فریاد کی کہ میں مظلوم ہوں میری داد رسی  
کیجئے۔ غلیفہ نے پوچھا تجھ پر کس نے ظلم کیا ہے  
کہنے لگا ابوبکر اور عمر نے میراث نبوی کے معاملے  
میں مجھ پر ظلم کیا ہے غلیفہ نے پوچھا ابوبکر اور عمر  
کے بعد فدک کس کے پاس گیا کہنے لگا عثمان  
کے پاس پوچھا پھر کہا علی کے پاس اسی طرح  
پے درپے تین تین کے پاس پہنچا غلیفہ نے کہا  
پھر اس ظلم میں ابوبکر و عمر کی خصوصیت کونسی ہے  
شیعہ مسائل لا جواب ہوگی غلیفہ نے اس کا

الخلیفة بقطع رأسه فقطع۔

وقد تكلم شراح البخاری فی حدیث

الباب وقال السيد السهودي ان

نزاع خاظم لم يكن في تحصيل التركة و

تلكها بل قول الوقف (عرف نذی ۳۸۵)

ترجم کرنے کا حکم دیا چنانچہ اسے قتل کر دیا گیا۔

فدک کی حدیث میں بخاری کے شارحین نے کلام

کیا ہے۔ اور یہ مسعودی نے کہا کہ حضرت خاظم کا

مطالبہ ترکہ کے حصول اور ملکیت کے بارے میں

نہیں تھا بلکہ وقف کی تولیت کے بارے میں تھا۔

خلیفہ سفلح نے مظلوم کی داد رسی جس شکل میں کی اس کے متعلق تعجب تو ہوتا ہے مگر اس

کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ

(۱) اس نے شیخین پر بہتان لگایا۔ اور انکی سیرت کو مجروح کیا۔

(۲) اس کے اپنے بیان کے مطابق حضرت علی بھی مجرم ٹھہرتے ہیں۔

اور یہ حرکت قتل سے کم نہیں اس لیے اس کا قصاص لیا گیا۔ اور اس سے یہ بھی معلوم

ہوگا کہ فدک کے بارے میں شیخین پر بہتان لگانا حضرت علی کو بھی اسی جرم کا مرتکب قرار دینا

ہے۔ خواہ ان کا نام دیا جائے۔ کیونکہ چاروں خلفاء کا رویہ اس سلسلے میں وہی رہا جو نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا تھا۔

## انبیاء علیہم السلام کی میراث

نبوت کے اعتبار سے انبیاء علیہم السلام دو حیثیتیں رکھتے ہیں اول ظاہری جو قالب

ہے دوم باطنی جو قلب ہے۔ باطنی پہلو سے ملائکہ اور وحی کے ذریعے احکام خداوندی حاصل

کرتے ہیں اور ظاہری حیثیت سے وہ احکام مخلوق تک پہنچاتے ہیں۔ ظاہر کے اعتبار سے وہ

فرشتی ہوتے ہیں اور باطن کے اعتبار سے عرشی ہوتے ہیں۔ فرشتی کی حیثیت سے وہ انسانوں

سے مشابہ ہوتے ہیں کھانا پینا، بیماری صحت اہل وعیال وغیرہ انسانی اوصاف ہیں اور عرشی

ہونے کی حیثیت سے ملائکہ سے مشابہت رکھتے ہیں کہ ان کے قلوب پر نہ نقلت طاری ہوتی ہے

ترنیزند۔ ان کے قلوب کا تعلق رب العالمین سے ہر وقت وابستہ رہتا ہے۔ اسی وجہ سے انہیں

لامتناہی علم نبوت کا خزانہ ملتا ہے۔ جب دنیا اور دولت دنیا کی غلاظت سے ان کے قلوب

طوٹ نہیں جاتے۔ نہ اسے مشابہت کی وجہ سے ان کے قلوب نقلت معصیت اور مال و دولت کی محبت سے پاک ہوتے ہیں ایک دل میں دو متضاد محبتیں جمع نہیں ہو سکتیں۔ انبیاء کا ترازو اور ان کی دولت علوم نبوت ہیں دنیوی مال و دولت سے ان کا تعلق عارضی اور وقتی ہوتا ہے جو محض حفاظت بدن اور اہل وعیال کے لیے ہوتا ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں نقل کیا گیا ہے۔

عن جابر بن نفیر مرسلًا قال قال

رسول الله ما وحى الى ان اجب المال واكون

من التابعين ولكن ادنى الى ان سبح بجد ربك و

كن من الساجدين واعد ربك حتى يا تيبك

اليقين (۲۳۳)

حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ

مال جمع کروں اور تابعیوں میں شمار ہو جاؤں

بلکہ مجھ پر یہ وحی کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح

اور حمد بیان کرو اور سجدہ کرنے والوں میں سے

ہو جاؤ اور مرنے دم تک اپنے رب کی عبادت کرو۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ سابقہ امتوں کی ہلاکت کا سبب دولت کی فراوانی تھی۔

دولت کے نشتر نے انہیں قدامت دور کیا اور غلامانے انہیں عذاب میں مبتلا کیا۔ تو جو میر

الشد سے دور کرنے والی ہو وہ انبیاء کی میراث کیونکر بن سکتی ہے۔

مال کی ایک صورت ازواج مطہرات کے سکونتی مکان تھے۔ یہ اہمات المؤمنین کی

ذاتی ملکیت تھے۔ ان کی ملک میں ہر جمع قبضہ دئے گئے تھے جس کا قرآن مجید شہید ہے۔

وخرن فی بیوتکن اور اپنے گھروں میں جی رہو

بیوت کی نسبت حضورؐ کی طرف نہیں بلکہ ازواج مطہرات کی طرف کی گئی ہے۔ قرآن کی

بیان کردہ اس حقیقت سے مسلمان خوبی واقف تھے۔ چنانچہ باجماع سنتی و شیعہ ثابت

ہے کہ قرب و فناء کے وقت امام حسن نے حضرت عائشہ سے اس امر کی اجازت طلب کی

کہ رؤسہ رسولؐ میں دفن کئے جائیں۔ یہ مطالبہ اسی وجہ سے تھا کہ وہ مکان حضرت عائشہ کی ذاتی

ملکیت تھا۔

حضرت سلیمان اور ملکہ سبا کے معاملے میں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کفار بھی اس حقیقت سے

واقف تھے کہ انبیاء علیہم السلام مال جمع نہیں کیا کرتے چنانچہ ملکہ نے حضرت سلیمان کی خدمت

میں امتحاناً مال کثیر بھیجا تھا۔ انی مرسلۃ الیہم بھدیۃ فناظرۃ ہم یدرج المرسلون۔

اور اس کے جواب میں حضرت سلیمان نے یہ فرمایا  
 اتمدون بما ل اتنى الله خير مما اتا كهم  
 لفظ میراث کے متعلق مختلف راہیں ظاہر کی گئی ہیں مثلاً  
 ۱۔ لفظ میراث مشترک ہے مال، علم اور منصب میں۔  
 ۲۔ میراث حقیقت لغوی ہے مال میں اور مجاز ہے علم میں۔

شیخ حضرات کا مؤقف یہ ہے کہ وراثت مال میں حقیقت ہے اور علم میں مجاز ہے اور  
 حقیقت کو ترک کر کے مجاز کی طرف جانے کی ضرورت نہیں۔

اہل السنن کہتے ہیں کہ یہ لفظ مشترک ہے مال، علم اور منصب میں سلاماً لوی کہتے ہیں  
 وراثت کا حقیقت لغوی ہو مگر تسلیم نہیں کرتے  
 بلکہ یہ حقیقت عام ہے جو علم، منصب اور مال  
 کو بھی شامل ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ غلبہ  
 استعمال کی وجہ سے عرف فقہاء میں مال سے  
 مختص ہو گئی ہے جیسے دوسری منقولات  
 رضیہ کا معاملہ ہے۔ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ  
 میراث مال میں حقیقت ہے اور علم میں مجاز  
 ہے تو پھر بھی وہ مجاز منعارف و مشہور ہے  
 بالخصوص استعمال قرآنی میں تو حقیقت کے  
 مساوی ہے۔

لا نسلم كون الميراث حقيقة لغوية في  
 المال بل هي حقيقة فيما يعر وراثته العلو  
 المنصب (نبوت) والمال وانما صارت  
 لغبة الاستعمال في عرف الفقهاء  
 مختصة بالمال بالمنقولات  
 العرضية ولو سلمنا  
 ان الميراث مجازاً في العلو  
 فهو مجاز متعارف مشهور خصوصاً في  
 استعمال القرآن المجيد بحيث  
 يساوي الحقيقة۔

(روح المعاني ۱۶: ۶۶)

حقیقت یہ ہے کہ میراث کو مال سے مختص کرنا قرآن کے خلاف ہے مثلاً ارشاد ربلی ہے۔

۱۔ ثم اورثنا الكتاب الذين اصطفينا من عبادنا۔

۲۔ فخلقنا خلفهم خلف ورثوا الكتاب

۳۔ ان الذين اورثوا الكتاب من بعدهم

ان آیات میں یہ لفظ علمی میراث کیلئے بولا گیا ہے۔ اس کے علاوہ قبضہ ملک پر بھی قرآن حکیم  
 میں میراث کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جیسے

۱۔ ان الارض لله يورثها من يشاء من عباده

۲۔ لله ميراث السموات والارض

شیخ کلا استدلال یہ ہے کہ میراث کا لفظ مال مکتب کیلئے بولا جاتا ہے جو وارث کو بلا  
 کسب ملتا ہے اور علم کسی چیز ہے مذکورہ بالا دو آیتیں اس استدلال کو رد کرتی ہیں۔ آیت  
 اول کسب کے قصہ کی تردید کرتی ہے لفظ میراث ہو تو وہ ہے مگر کسب موجود نہیں دوسری  
 آیت پر شیخ کے استدلال کی روشنی میں غور کیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ زمین و آسمان کسی  
 اور ہستی کے مال مکتب تھے۔ جس کے مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کو بلا کسب وراثت میں  
 ملے۔ کیا کوئی ذی ہوش انسان یہ سوچ سکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ وراثت کا لفظ اس چیز پر  
 بولا جاتا ہے جو بلا قیمت اور بغیر احسان کے حاصل ہو جائے۔ جیسا کہ امام راغب نے  
 لکھا ہے۔

واستعمل لفظ الوصا اذ لم تكن ذلك لخير ثمن ومنته

(مفردات ص ۵۴)

شریف مرتضیٰ علم الہدی نے شافی میں یہ نکتہ اٹھایا ہے کہ لفظ میراث جب مطلق  
 بولا جائے تو مراد مالی میراث ہوتی ہے اس اصول کو صاحب اصول کافی نے رد کیا ہے  
 چنانچہ اصول کافی ص ۳۳ پر لکھا ہے۔

قال ابو عبد الله عليه السلام از سليمان  
 دعات داود دان محمد اومات  
 امام جعفر نے فرمایا حضرت سلیمان، حضرت داؤد  
 کے وارث ہوئے اور حضرت محمد حضرت سلیمان  
 کے وارث ہوئے۔

یہاں لفظ وراثت مطلق استعمال ہوا ہے اگر شریف مرتضیٰ کا استدلال درست ہے  
 تو یہ بتایا جائے کہ حضرت سلیمان سے صدیوں بعد حضور اکرم کون کا کونسا مال ورثے میں ملا  
 تھا۔ ظاہر ہے کہ اس سے مراد علوم نبوت اور منصب نبوت ہے حقیقت یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام

کی علمی میراث پر متقدمین سخی اور شیعہ متفق ہیں بعد کے شیعہ نے انبیاء کی مالی میراث کا عقیدہ ایجاد کیا ہے۔ چنانچہ اصول کافی ص ۵۷ باب العالم والمتعلم میں صاف لکھا ہے۔

۱۔ عن ابی عبد اللہ قال قال رسول اللہ  
ان العلماء ورثة الانبياء ان الانبياء  
لم يورثوا ديناراً ولا درهما  
ولكن اورثوا العلم فمن اخذ منه  
اخذ بحظ واحد۔

۲۔ اصول کافی ص ۶۱ باب صفت العلم۔

عن ابی عبد اللہ قال ان العلماء ورثة  
الانبياء وذلك ان الانبياء لم يورثوا  
درهما ولا ديناراً واما اورثوا احاديث  
من احاديثهم فمن  
اخذ بشئ منه فقد اخذ  
خطا واحدا۔

۳۔ من لایحضرہ الفقیہ ۲: ۳۶۶ حضرت علی نے اپنے بیٹے محمد بن حنفیہ کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا۔

تفقه فی الدین۔ فان الفقہاء ورثة  
الانبياء۔ ان الانبياء لم يورثوا  
ديناراً ولا درهما ولكنهم  
ورثوا العلم فمن اخذ منه  
اخذ بحظ واحد۔

بیٹا! دین کا فہم حاصل کر حقیقت یہ ہے کہ فقہاء ہی انبیاء کے وارث ہوتے ہیں کیونکہ انبیاء درہم و دینار کا وارث نہیں بناتے لیکن علم کا وارث بناتے ہیں جس نے علم حاصل کیا اس نے بہت بڑا حصہ حاصل کیا۔

ان احادیث میں دو لفظ خاص طور پر قابل غور ہیں اہل انما، جو کلمہ صبر ہے درہم و دینار، جو وقتہ و ہم کے لیے ہے کیونکہ ان الانبیاء لم یورثوا دیناراً ولا درهما سے یہ وہم پیدا

ہو سکتا تھا کہ انبیاء کی کوئی میراث سرے سے ہوتی ہی نہیں اس لیے کہ اس وہم کو دور کیا گیا کہ میراث تو ہوتی ہے مگر مالی نہیں بلکہ علوم نبوت اور ان کی احادیث میں ایک اور وہم پیدا کیا جاتا ہے کہ ہاں یہ درست ہے کہ نفی درہم و دینار کی ہے۔ زمین مکان اور جائیداد کی نفی نہیں مگر ان کے لفظ سے ہر قسم کے وہم کو دور کر دیا گیا اگر زمین مکان وغیرہ انبیاء کی میراث ہوتی تو کلام یوں ہونا چاہیے تھا وکن اور ثوا العلم والدار والارض والبساتین مگر حدیث میں وکن اور ثوا العلم کہہ کر بات صاف کر دی کہ علم کے بغیر کوئی اور میراث ہوتی ہی نہیں۔

پھر عربی زبان میں لفظ انما صبر کے لیے بولا جاتا ہے یعنی اپنے متصل یا بعد کو اس کے مابعد پر بند کر دیا ہے۔ اس لیے انما اور ثوا احادیث من احادیثہم میں میراث نبوت کو احادیث میں بند کر دیا یعنی میراث انبیاء ان کی احادیث کے علاوہ کوئی دوسری چیز سرے سے ہے ہی نہیں۔ ورنہ انما کا صبر باطل ہو گیا اور اس کا کوئی مطلب ہی نہ رہا۔ اس علمی جواب سے بہت کرا کر محض عقلی طور پر سوچا جائے تو صاف ظاہر ہے کہ سونے چاندی کی نفی سے مراد دنیا کی ہر قسم کی دولت کی نفی ہے۔ یہی دو چیزیں دولت دنیا کی اصل ہیں۔ انہیں سے جائیداد خریدی جاتی ہے۔ اور جائیداد بیچ کر سونا چاندی حاصل کرتے ہیں۔ اس لیے سونا چاندی کی نفی سے دنیوی دولت کی نفی ہو گئی۔ خواہ وہ جائیداد غیر منقولہ ہی کیوں نہ ہو کیا سونا چاندی ہی دولت دنیوی ہیں اور مکان زمین جاگیر دولت اخروی ہیں۔ اگر ایسا نہیں تو زمین اور جائیداد کو دنیوی دولت سے مستثنیٰ کرنے کی آخر وجہ کیا ہے؟

ایک اور سوال اٹھایا جاتا ہے کہ علماء تو انبیاء کے علم کے وارث ہوتے ہیں مگر مال کے وارث ان کے قریبندار ہوتے ہیں پہلی بات یہ ہے کہ انبیاء جب مالی میراث چھوڑتے ہی نہیں تو قریبنداروں کو مالی میراث ملے گی کیا؟ دوسری بات جو ذرا نازک ہی ہے کہ علوم نبوی جو جہیز کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے ملتے ہیں وہ تو لے جائیں انبیاء اور قریبنداروں کے حصہ میں وہ چیز آئے جو گھنیا۔ چند روزہ۔ قنداسے دور کرنے والی اور تباہی کی طرف لے جانے والی ہے۔ یہ تقسیم کا اصول خاندان نبوت کے تقاضا نہیں تو اور کیا ہے۔

اصول کافی کی احادیث سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ متقدمین شیعہ اس حقیقت پر ایمان رکھتے تھے کہ انبیاء کی مالی میراث کوئی نہیں ہوتی۔ بعد والوں نے ہنگامہ آرائی کیلئے اس میں ایک مٹی راہ نکال لی چنانچہ شیعہ محدث سید نعمت اللہ جزائری نے اولاً تا ثانیہ ۱: ۲۲ پر لکھا ہے۔

ان الانبياء من حيث النبوة لم يرثوا  
الا العلم واما من حيث الانسانية والنبوة  
فيجوز ان يخلفوا شيئا من الاموال.

یقیناً انبیاء باعتبار نبوت کے علم کے بغیر کسی چیز کا وارث نہیں بناتے مگر باعتبار بشریت کے مالی ورثہ چھوڑ جاتے ہیں۔

محدث صاحب کی نکتہ آفرینی قابل داد ہے مگر اس کے کئی پہلو قابل غور ہیں۔

(۱) محدث صاحب کا قول اصول کافی میں بیان کردہ احادیث کے مخالف ہے۔ اور اصول کافی امام غائب کی مصدقہ کتاب ہے۔

(۲) یہ نکتہ محدث صاحب کی ذاتی رائے ہے اور اصول کافی کی ایک روایت رسول خدا کی حدیث ہے جس کے راوی امام جعفر ہیں۔ دوسری روایت امام جعفر کا قول ہے۔ اور تیسری حضرت علی کا قول ہے۔ اس لیے اگر محدث صاحب کا مقام رسول خدا اور ائمہ معصومین سے بلند تر ہے تو اسے مان لو ورنہ اسے ٹھکرانا ہی پڑے گا۔

(۳) نبوت اور بشریت پر غور کیا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ بشریت پہلے تھی نبوت بعد میں ملی۔ اور بشریت پر نبوت کا غلبہ ہو گیا اور ایسا ہونا چاہیے تھا۔ اگر بشری اوصاف جو تابع نفس بشری ہیں بعد نبوت بھی باقی رہیں تو نبی سے نفسانہ خواہشات کے تحت گناہ کا صدور مثلاً زنا۔ چوری۔ قتل۔ جھوٹ۔ حرام کھانا۔ دھوکہ دینا۔ عبادت میں کوتاہی کرنا وغیرہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔ اگر یہ تسلیم نہ کیا جائے تو مال جمع کرنا جو تابع نفس بشری ہے اسے کیوں تسلیم کیا جائے۔ اگر اول الذکر اوصاف نفسانی بدل گئے تو مال جمع کرنے کا نفسانی وصف کیوں نہ بدل گیا۔ اس لیے حقیقت یہ ہے کہ اوصاف بشری بدل گئے اوصاف ملکی پیدا ہو گئے۔ مگر ادوات کے بدلنے سے ذات اور ماہیت نہیں بدلی۔ نبی بشر ہوتا ہے اور بشر ہی رہتا ہے مگر

اس کے اوصاف بشری جو تابع نفس ہوتے ہیں بدل جاتے ہیں اس لیے جہاں دوسرے اوصاف بدلے وہاں مال جمع کرنے کا تابع نفس وصف بھی بدل گیا جب مال جمع کرنے کا وصف باقی نہ رہا تو مال پیچھے چھوڑ جانے کا سوال بنتی نہیں ہوتا۔

مؤخرین شیعہ نے اصول کافی کی روایات کا توڑ ایک اور نکال لیا کہ حدیث کے رواۃ

میں ایک راوی ابو الجحزمی ہے اور وہ کذب الناس ہے۔ اس لیے اس کی روایت کردہ حدیث بھی جھوٹی اور موضوع ہے قابل تمسک نہیں۔ صاحب فلک التجا نے یہ بیان کیا ہے۔

یہ اصول تو درست ہے کہ راوی کذب الناس ہونے سے حدیث قابل تمسک نہیں ہوتی۔ مگر اس اصول کا اطلاق یہاں نہیں ہو سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث اصول کافی میں پائی جاتی ہے اور اصول کافی کا مقام شیعہ دینیات میں یہ ہے۔

(۱) یہ کتاب غیبت صغریٰ کے زمانے میں سفیروں کے ذریعے امام مہدی کے سامنے پیش کی گئی تھی اور امام نے اس کتاب کی تصدیق ان الفاظ میں کی کہ هذا کتاب شیعتنا اس لیے خواہ راوی جھوٹا ہو اس کتاب میں درج شدہ روایت کی تصدیق جب امام نے کر دی تو اس کی تکذیب دراصل امام مہدی کی تکذیب ہے۔ اس لیے لوگ جو اصول کافی کی حدیث کی تکذیب کرتے ہیں وہ حقیقت میں امام مہدی کی تکذیب کرتے ہیں۔ خدا جانے شیعہ امام معصوم کے انکار اور اس کی تکذیب کی جرأت کیسے کرتے ہیں۔

(۲) علامہ قزوینی نے اصول کافی کی حیثیت یوں بیان کی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ "کافی" اہل بیت کی کتب احادیث میں سے عمدہ کتاب ہے اس کا مصنف ابو جعفر محمد بن یعقوب رازی کلینی ہے جس کے کمال کا اعتراف اس کے مخالف بھی کرتے ہیں نہایت احتیاط سے۔ ۲۰ سال میں یہ کتاب مکمل کی غیبت صغریٰ کے زمانے میں جو ۹۹ برس تقابلاً سفیروں کے ذریعے امام غائب سے لوگ بات چیت

الحق کتاب کافی عمدہ کتب احادیث اہل بیت علیہم السلام است و مصنف آن ابو جعفر محمد بن یعقوب بن اسحاق رازی کلینی کہ مخالفان نیز اعتراف کمال فضیلت او نمودہ انداز روئے احتیاط تمام آنرا در سنت سال تصنیف کردہ در زمان غیبت صغریٰ حضرت صاحب الزمان علیہ وسلی آئمہ صلوات الرحمن کر ششست و نہ سال

یودہ و دران زماں نومناں عرض مطلب می  
کردند بتوسط سفراء یعنی خبر آوزندگان از  
آنحضرت و ایشان چہا کس یودہ اند و بترغیب  
ایشان و کلائے بسیار یودہ اند کہ اموال از شیعہ  
امامیہ گرفتند و می رسانیدند و محمد بن یعقوب در  
بخداد نزدیک یودہ دو سال فوت آخر سفر  
ابوالحسن علی بن محمد اسمعی کہ سال سرحد و سبت  
و نو بجری باشد فوت شدہ یا یک سال قبل از ان  
پس می تواند بود کہ این کتاب مبارک بنظر اصلاح  
آن حجت خدا تعالی رسیده باشد۔

(سانی شرح اصول کافی ۱: ۴)

(۲) مزاج حضرت ائمه کی فارسی شرح کے مقدمہ میں فائدہ عا کے تحت اصول کافی کے متعلق  
لکھا ہے۔

دوم پنہن احادیث مسلمہ محمد بن یعقوب کلینی  
و محمد بن بابویہ قمی بلکہ جمیع احادیث ایشان  
کہ در کافی و سنن لایحتمولہ اہمیت ہمہ را  
صحیح می توانند خوانند زیرا کہ شہادت این دو  
بیشخ بزرگوار کمتر از شہادت اصحاب رجال  
محبت یقیناً بلکہ بنتر است۔

اصول کافی کے متعلق ان دو عظیم گواموں کی شہادت کافی ہے کہ اس کی کوئی حدیث غلط  
نہیں علامہ نسیل قزوینی تو یہاں تک کہتے ہیں کہ محمد بن یعقوب کلینی خود امام غائب کو ملا ہے ان  
سے احکام سنے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے خود یہ کتاب امام کے پیش کی تصدیق کرائی۔

کتاب الفصل جزو اول ص ۱۰۰

و شاید اس سے قول را مصنف رحمہ اللہ خود را  
صاحب زماں شنیدہ باشد و این قصہ را  
معلوم کردہ شد و ظاہر سیاق کلام مصنف  
در کتاب الی آخر این است کہ مصنف بخیرت  
او علیہ السلام رسیدہ باشد

مصنف اصول کافی کا یہ مقام کہ سفر کے واسطہ کے بغیر خود امام غائب سے ملاقات کی اور  
کتاب اصول کافی کا یہ مقام کہ امام صاحب الزماں نے اس کی تصدیق کی حرثت زری پیر اس کتاب  
کی کسی حدیث کی تکذیب کرنا و تصدیق امام مہدی کی تکذیب کرنا ہے۔

شیعہ محدثین اور متکلمین نے رواۃ حدیث کے مقام اور مرتبہ کے تعین کے سلسلے  
میں ایک اصول مقرر کیا ہے۔ اس اصول کے تحت ابوالخسری کی روایت تو صحیح چھوڑنا  
ثابت ہوتی ہے اس اصول کا ذکر انوار نعمانیہ ۲: ۲۸۴ میں ان الفاظ میں ہوا ہے۔

کما اتفق ذلك في كثير من خواص الائمة  
عمد بن سنان و جابر جعفی ممن  
اتهموا اهل الرجال بالخلو و ارتقام  
القول و ذلك لان الائمة عليهم السلام  
القوا اليهم من اسرار علومهم مالو  
يحدثو اغيرهم من الشيعة  
فاستغرب الشيعة تلك الاخبار  
لدهم موافقة غيرهم لهم  
على روايتهم فطعنوا عليهم بهذا  
السبب و هذا السبب هو سبب رفته هو  
و علو درجاتهم عند مواليهم فما  
فيه الجرح فهو الذي

جیسا کہ یہ بیزار ائمہ سے بہت سے خواص میں  
واقع ہوئی ہے جیسے محمد بن سنان جابر جعفی  
جن کو علمائے رجال نے خلو اور ارتقام قول  
کے ساتھ متهم کیا ہے۔ اس وجہ سے  
کہ ائمہ نے ان راویوں کو اپنے علوم کے ایسے  
اسرار بتائے تھے۔ جو ان کے بغیر کسی شیعہ  
کو نہیں بتائے تھے۔ شیعہ نے ان راویوں کو  
عجیب سمجھا کیونکہ وہ دو بروں کے اقوال  
کے مطابق نہیں تھے اس وجہ سے ان پر  
طعن کیا۔ مگر یہی طعن ائمہ کے دوستوں کے  
نزدیک ان کی رخصت اور بلندی درجات  
کا سبب ہے۔ پس جس حدیث میں ان کی

فيه المدح وقد  
حققنا هذا المقام في شرح  
على الاستيصار -  
رجال کشی میں یہ اصول ذرا وضاحت سے بیان ہوا ہے۔

عن عبد الله بن زرارہ قال قال في ابو  
عبد الله اقرأني على والدك اسلام  
وقد لانا انا اعميك ذذنا مني  
عنك فان الناس وللعهد ويسارعون  
الي كل من قربناه وحمدنا مكاننا  
لا يدخل الا ذى في من نجده وتقربنا  
ويرونا بجمتنا له وقربنا  
ونوة منا ويرمون ادخال الا ذى  
عليه وقتله ويمدون كل من  
عيبناه نحن فانما اعميك لانك  
رجل اشتهرت بنا وبيملك الينا  
وانت في ذلك مذموم عند  
الناس غير محمود الا اثر بتودتك  
لنا وملك الينا فاجبت ان  
اعميك ليحمدوك وامرك في  
الدين وبعيبك ونقصك و  
يكون بذالك منا رافع شبر هو  
عنك يقول الله تعالى اما السفينة  
فكانت لساكين يعملون في

جرح یا قدح یا ذم بیان ہوا در حقیقت وہی  
ان کی مدح ہے جیسا کہ ہم نے شرح استبصار  
میں اس کی تحقیق کی ہے۔

ابن زرارہ سے روایت ہے کہ امام جعفر صادق  
نے مجھے فرمایا کہ اپنے والد کو میرا سلام کہتا اور  
اسے کہتا کہ میں تیری مدافعت کے لیے تجھ پر  
عیب لگاتا ہوں کیونکہ تمام لوگ اور دشمن اس  
شخص پر بیٹھے ہیں جو ہمارے قریب ہو یا ہم  
اس کی تعریف کریں۔ ہم جس سے محبت کرتے  
ہیں یہ لوگ اسے ایذا دینے اور قتل کرنے کے  
درپے ہو جاتے ہیں اور ہم جس کے عیب  
بیان کرتے ہیں اسے یہ لوگ اچھا سمجھتے ہیں۔  
میں صرف اسی وجہ سے تیرے عیب بیان  
کرتا ہوں کہ تو ہماری محبت اور ہماری طرف  
قلبی میلان کے سلسلے میں مشہور ہو چکا ہے  
اس لیے لوگ تجھے برا سمجھتے ہیں۔ میں چاہتا  
ہوں کہ تیرے عیب بیان کروں تاکہ لوگ تیری  
تعریف کریں اور تجھے وہی اعتبار سے اچھا  
بھیں یہ چیزیں ان کے شر سے بچانے کا  
کام دے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کشتی مسکینوں  
کی تھی جو سمندر میں مزدوری کرتے تھے۔ میں نے  
چاہا کہ اسے عیب دار بنا دوں الخ واللہ

المبحر فاسادت ان اعليها  
الى ان قال قافهم المثل  
يرحسك الله فانك احب  
الناس الى واحب اصحاب الى حيا ميتا  
فانك افضل السفن ذلك البعير للمقام الناخر وان  
من ورائك ملكا ظرو ما غصوا يارب عبور كل  
سفينة تسالته نرد من بحرا الهدى ياخذها غصبا من  
زراره کے بیٹے کے ہاتھ امام نے جو پیغام زرارہ کے نام بھیجا ہے۔ اس میں اہسام  
ہے دوسری روایت میں لفظ اسیدت کی تفصیل بیان ہوئی ہے مثلاً رجال شقی ۹۸-۹۹  
امام جعفر فرماتے ہیں۔

كذب على والله كذب على لعن الله  
زراره لعن الله زرارہ لعن  
الله زرارہ -  
پھر اسی کے صکت پر لکھا ہے۔

عن ابى عبد الله عليه السلام  
قال (الراوي) دخلت عليه فقال  
مق عمداك بزراره قال قلت ما رأيتك  
منذ ايام قال لا تبالي وان مرض  
فلا تعده وان مات فلا تمتهد جنازته  
قال قلت متعجبا ما قال نعم  
زراره شر من اليهود والنصارى  
ومن قال ان مع الله ثالث  
ثلاثا -

تجھ پر دم کرے خوب سمجھ لے کہ تو بھی اسی کی مانند  
ہے تو میرا اور میرے اصحاب کا محبوب ہے۔ زندگی  
میں بھی اور بعد موت بھی۔ تو اس بحر مواج میں  
بہترین کشتی ہے اور تیری بیٹھے ایک ظالم بادشاہ  
لگا ہوا ہے جو ہر ایسی کشتی کی تاک میں بیٹھا ہے  
جو ہدایت کے سمندر میں وارد ہوتی ہے تاکہ اس  
پر غاصبانہ قبضہ کر لے۔

پہلے امام جعفر فرماتے ہیں۔

مجھ پر بھوٹ باندھا ہے غصلی قسم مجھ پر بھوٹ  
باندھا ہے اللہ زرارہ پر لعنت کرے لعنت  
کرے لعنت کرے۔

راوی کہتا ہے میں امام جعفر کے پاس گیا پوچھا  
زرارہ سے کب ملاقات ہوئی میں نے کہا کئی روز  
سے اسے نہیں دیکھا فرمایا کچھ پروا نہیں۔  
اگر وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت نہ کرنا۔  
اگر وہ مر جائے تو اس کے جنازہ میں شریک نہ  
ہونا۔ میں نے تعجب سے پوچھا کس کی بات  
کر رہے ہیں فرمایا ہاں زرارہ کی بات ہے وہ  
یہود و نصاریٰ سے بڑا ہے اور تین خدا ماننے  
والوں سے بھی بڑا ہے۔



پھر اسی رجال کئی کے صلہ پر

قال (زرارہ) قلت التعميات  
والصلوة قال التعميات والصلوة  
فلما خرجت ضرطت في لحيته  
وقلت لا يفلم ابدا۔

پھر اسی کے صلہ پر ہے۔

خان زرارہ ... قال ليس من ديني  
ولا من دين آباءي۔

زرارہ کہتا ہے میں نے امام سے کہا التعمية والصلوة  
فرمایا التعمية الخ جب میں باہر نکلا تو میں نے  
امام کی دائرہی میں پاؤ مارا اور کہا خدا تجھے کبھی  
فلاح نہ دے۔

امام نے فرمایا زرارہ نہ میرے دین پر ہے نہ  
میرے آباک دین پر ہے۔

اور حق الیقین ص ۶۲ پر ملتا باقر مجلسی نے لکھا ہے کہ زرارہ اور ابو بصیر دونوں شیعہ  
کے نزدیک اجماعی کافر ہیں۔ اور امام جعفر نے برداشت رجال کئی زرارہ کو ملعون اور دین ائمہ  
سے خارج قرار دیا۔ یہ اعیان کی تفصیل ہے تو اس کا ملعون ہونا، کافر ہونا، ایہود و نصاریٰ سے  
بدتر ہونا دراصل اس کے فضائل میں جو عیب کے پردے میں بیان ہوئے ہیں۔ اور لطف  
یہ ہے دین شیعہ کا قریباً ۹ حصہ اسی زرارہ اور ابو بصیر کی روایات پر مبنی ہے۔ جب ان اجماعی  
کافروں کی روایات قابل قبول ہی نہیں بلکہ سرائیکھوں پر تو ابو بصیر کی روایات کے ایک وصف اکذب  
البریہ کی وجہ سے اس کی روایت کو رد کیوں کیا جائے۔ کیا اس وجہ سے کہ اسے  
کافر اور ملعون نہیں کہا گیا اس لیے وہ زیادہ ثقہ نہیں، مگر اکذب البریہ کے وصف کو بھی  
معمولی نہیں سمجھنا چاہیے۔

یہاں ایک بات ذرا عجیب معلوم ہوتی ہے کہ جب زرارہ کو علم تھا کہ عیب کے  
پردے میں اس کی تعریف ہو رہی ہے تو امام کی دائرہی میں پاؤ کیوں مارا۔ ممکن ہے  
یہ ظاہر کرنا ہو کہ اسے امام سے محبت ہے۔ اور یہ حرکت گویا عطر چھڑکنے کے مترادف  
ہو۔ اور لا ینفخ ابدا سے علوشان کا اظہار ہو۔

اس اصول کا ایک پہلو بھی قابل غور ہے کہ مخالفوں اور دشمنوں کے سامنے تو ان محبوب  
ہستیوں کے عیب بیان کرتا ان کے بچاؤ کی خاطر ہو سکتا ہے لیکن انہوں کے سامنے ایسا

بیان آخر کیا معنی رکھتا ہے۔

حاصل یہ کہ اصول کافی کی احادیث واضح کرتی ہیں کہ انبیاء کی مالی میراث نہیں ہوتی  
اور اصول کافی کی کسی حدیث کا انکار ائمہ کا انکار ہے۔ ایک ابو بصیر کا معمولی سا عیب کہ  
اکذب البریہ ہے کی حیثیت کو کم نہیں کر سکتا۔

## قرآن حکیم اور وراثت انبیاء

شیعہ حضرات ذیل کی آیات قرآنی انبیاء کی مالی میراث کی دلیل میں پیش کرتے ہیں۔

(۱) یوصیکم اللہ فی اولادکم۔

(۲) ولکل جعلنا موالی مما ترک الوالدان والاقربون۔

(۳) وللنساء نصیب مما ترک الوالدان والاقربون۔

(۴) وورثت سلیمان داؤد

(۵) ہب لی من لدنک دلیا یرثنی ویرث من ال یعقوب۔

اصولاً ان آیات سے انبیاء کی مالی میراث ثابت نہیں ہوتی کیونکہ

(۱) جس بات پر کفر و ایمان کا مدار ہوتا ہے اس کے لیے دلیل قطعی کی ضرورت ہے جس  
دلیل میں کئی احتمال ہوں وہ دلیل نہیں بن سکتی۔

(۲) دعویٰ خاص ہے۔ کہ انبیاء کی مالی میراث نہیں ہوتی۔ اور ان آیات میں دلیل عام ہے  
دلیل عام مستلزم دعویٰ خاص کو نہیں ہے۔ دعویٰ خاص کے لیے دلیل خاص لازمی ہے۔

(۳) پہلی تین آیات میں انبیاء کا ذکر نہیں مال کا ذکر ہے باقی میں انبیاء کا ذکر ہے مال  
کا ذکر نہیں۔ اس لیے یہ آیتیں دعویٰ خاص کی دلیل نہیں بن سکتیں۔

(۴) یوصیکم اللہ میں خطاب امت کو ہے رسول خدا کو نہیں اس لیے اصول کافی وغیر میں  
عدم میراث انبیاء کی حدیث از قبیل تعیین خطاب ہے مخصوص خطاب نہیں۔ اور اگر  
مخصوص مان لیں تو بھی ایک پہلو سے درست ہے۔ کیونکہ آیت عام مخصوص البعض  
ہے۔ مثلاً اولاد کا ذکر میراث نہیں ملے گی۔ فاعل وارث نہ ہو گا۔ مرتبہ وارث نہ ہو گا۔

ان تمام صورتوں میں آیت تفسیریں پا چکی ہے۔ تو انبیاء کی میراث میں تخصیص مان لینے میں کیا مانع ہے۔

(۵) آخری دو آیتوں میں مطلق میراث کا ذکر ہے مالی میراث کا ذکر نہیں اگر یہ کہا جائے کہ آیت میں ورثہ میراث کے الفاظ سے مالی میراث ثابت ہوتی ہے کیونکہ وراثت مال میں حقیقت ہے اور علم میں مجاز ہے تو اس کی تحقیق گذشتہ صفحات میں گذر چکی ہے۔ پھر ورثہ سلیمان میں حضرت سلیمان کے وارث ہونے کی خبر ہے جو ان کی تعریف اور مدح کی آئینہ دار ہے۔ اگر وراثت مالی لیں تو اس میں مدح کا کوئی پہلو نہیں۔ کیوں کہ تمام انسان اس میں شریک ہیں اس لیے مال کا وارث ہونا نہ کوئی کمال ہے نہ تعریف کا مقام اس بنا پر یہ تعریف لغو ہوگی اور کلام الہی لغو سے پاک ہے۔

پھر یہ کہ حضرت داؤد کے ۱۹ بیٹے تھے ناسخ التورہ ۱: ۲۰ پر ان سب کے نام درج ہیں مالی میراث میں سب بیٹے شریک ہوئے تھے پھر حضرت سلیمان کا خصوصیت سے ذکر کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ آیت کا باقی حصہ مالی میراث کی تردید کرتا ہے کہ وقال یا ایہا الناس عدنا منظر الطیر اور صفات ظاہر ہے کہ یہ میراث علم اور منصب کی تھی۔

اس پر ایک سوال ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان کو حضرت داؤد کی زندگی میں ہی علم مل گیا تھا پھر ان کے بعد علم کے وارث کیوں نہ بنے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ علم تو بیشک مل گیا تھا مگر نبوت اور منصب والد کے بعد ملے۔

اگر اس صراحت کے باوجود اسے مالی میراث ہی قرار دیں تو حضرت داؤد کی دولت کا جائزہ لینا پڑے گا دیکھنا یہ ہے کہ جو شخص زبرد میں بنا کر اپنا گذرا وقت کرے وہ کتنا ترک چھوڑ سکتا ہے جس کے لیے قرآن حکیم میں خاص اہتمام سے ذکر کیا گیا ہے۔ پھر یہ دیکھنا ہوگا کہ حضرت سلیمان کے ہاتھ جب وہ مال آیا تو انہوں نے اسے کہا یا کیونکہ وہ ٹوپیاں بنا کر اپنا گزارہ کرتے تھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ مفسرین لکھتے ہیں کہ میراث میں گھوڑے ملے تھے تو ناہر ہے کہ وہ گھوڑے حکومت کے تھے جن پر حضرت سلیمان کا تصرف

مالکانہ نہیں بلکہ متولیانہ تھا۔

حضرت سلیمان کی معاش کے متعلق ایک شیعہ مترجم قرآن علامہ حسین نے دو جہاں اللہ اور سلیمان کی تفسیر میں لکھا ہے:-

باوجود ان ملک و سلطنت زنبیل بانٹتے بحمت او معاش خود دیدہ حصیر ثواب کرد و لحظہ از یاد خدا غافل نہ بودے

اس وسیع حکومت کے باوجود اپنی معاش کے لیے زنبیل بنتے اور چٹائی پر سوتے تھے اور ایک لحظہ میں یاد خدا سے غافل نہ ہوتے تھے۔

اگر بقول شیعہ قرآن نے مالی میراث کا ذکر کیا ہے۔ تو وہ کتنی تھی۔ اور کہاں گئی جسے میراث ملی اس کا حال یہ ہے کہ ٹوکریاں بنا کر پیٹ پالتا ہے اور رات چٹائی پر پر کر رہتا ہے۔ آیت کی تفسیر صفائی ۲: ۳۳، ۳۴ پر یوں کی گئی ہے۔

دورث سلیمان داؤد الملک والنبوة حضرت سلیمان کو حضرت داؤد سے ملک اور نبوت ورثہ میں ملے۔

شیعہ شارحین حدیث نے اس آیت کے متعلق لکھا ہے۔

عن ابی عبد اللہ قال ان سلیمان وراثت داؤد وان عمدا وراثت سلیمان وانما وراثتہ محمد وان عندنا علم التوراة والابحیث والذلیوس (صفائی شرح اصول کافی ۱: ۱۴۹)

اور شرح صفائی :-

گفت امام جعفر صادق بدرستی سلیمان میراث گرفت علم ما از داؤد چنانچہ اللہ تعالیٰ گفتہ در صورتہ نسل دورث سلیمان داؤد بدرستی کہ خود میراث برد علم را از سلیمان و بدرستی کہ ما اہل بیت محمد میراث برد علم را از محمد

امام جعفر سے روایت ہے کہ حضرت سلیمان کو حضرت داؤد کی وراثت ملی اور حضرت محمد کو حضرت سلیمان کی روایت ملی اور ہم حضرت محمد کے وارث ہوتے ہمارے پاس توراہ انجیل زبور کا علم ہے۔

اور صفائی شرح اصول کافی اہل امام پر ہے۔

امام فرماتے ہیں ہم زمین و آسمان میں اللہ کے  
خزانے ہیں سوئے پانندی کے نہیں علم کے خزانے۔

قال ابو جعفر انا خزان الله في سماواته  
وارضه لا على ذهب ولا فضة الاعلى علمه  
شرح صفائی :-

ماہر آئینہ خازن اللہ تعالیٰ در آسمان او زمین  
اونہ بطل و نہ نقرہ بلکہ بر علم و لکن نزد سلطان و حی از  
ملائکہ است و نزد ابیاد علیہم السلام و رزل است

شیعہ مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں حکومت اور نبوت کو ذکر کیا ہے اور شیعہ محدثین  
نے امام جعفر کا قول نقل کیا ہے کہ یہ وراثت معلوم نبوت کو ہے اس لیے امام کے مقابلے میں  
کوئی محقق یا مجتہد خواہ وہ کس پایہ کا ہو کیا حقیقت رکھتا ہے۔

آیت ۵ ایک دعا ہے اور مالی وراثت تو دنیا کے بغیر ہی سہیے کو ملتی ہے۔ لہذا  
حضرت یعقوب کی دعا کے الفاظ یرثنی سے مراد علم و نبوت کیلئے وراثت کی درخواست  
ہے دوسرا پہلو یہ ہے کہ دعا تو قبول ہو گئی مگر حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت زکریا کے  
درمیان کوئی دو ہزار سال کا فاصلہ ہے یہ بعد زمانی بھی مالی میراث کی تردید اور علمی میراث  
کی تائید کرتا ہے۔

اس آیت کی تفسیر کتب شیعہ میں یوں ملتی ہے۔

(۱) درۃ النجفیہ شرح نہج البلاغہ ۱: ۶۴ :-

کہا گیا ہے کہ مراد منصب خلافت ہے اور  
خلافت پر میراث کا لفظ صادق آتا ہے  
جیسا کہ قرآن میں حضرت زکریا کے متعلق  
بیان ہے پر تین الخ مراد میراث علمی اور  
منصب نبوت ہے گویا میراث کا لفظ اس  
پر صادق آتا ہے۔

وقيل اراد منصب الخلافة وصدق  
عنه لفظ الارث كما صدق في قوله تعالى  
حكيمًا عن زكريا عليه السلام  
يرثني ويرث من آل يعقوب فانه اراد  
يرث علمي ومنصب في النبوة فكانه  
اسم الميراث صادق على ذلك۔

(۲) العسائی شرح اصول کافی ۲۹: ۱ جز سوم حصہ دوم۔

ثرومات زکریا علیہ السلام نورثا  
ابنہ یحیی الکتب والحکمة و  
هو صبی صغیر اما سمع لقوله تعالی  
عز وجل یا یحیی هذا کتاب بقوه وایتناہ  
الحکم صبیا۔

پیر زکریا فوت ہو گئے اور ان کے بیٹے یحیی  
کتب حکمت کے وارث ہوئے جیسے وہ کم سن  
بچے تھے۔ کیا تو نے اللہ کا فرمان نہیں سنا کہ  
اسے یحییٰ کتاب کو مضبوط پکڑو اور ہم نے اسے  
بچپن میں حکمت دی تھی۔

شرح صفائی :-

بعد ازاں مرد زکریا۔ پس میراث بردا ورا یحییٰ لپیشش کہ آخر اوصیائے موسیٰ بودہ  
علم کتاب تورات۔

ان اقتباسات سے ظاہر ہے کہ آج کے شیعہ جن آیات قرآنی سے انبیاء کی مالی میراث  
ثابت کرتے ہیں۔ متقدمین شیعہ اور ائمہ نے یہی آیات انبیاء کی علمی میراث اور منصب نبوت  
کے لیے پیش کی ہیں۔ یعنی متاخرین شیعہ نے ائمہ کی مخالفت کرتے ہوئے قرآن مجید میں  
معنوی تحریرت کے اپنے ایجاد کردہ عقیدہ کو مستند قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ اگر یہ لوگ  
اپنے ائمہ کے عقیدہ پر رہتے تو فک کا مصنوعی تفسیر کھڑا کرنے اور اس کے لیے بناوٹی دلائل  
تیار کرنے کی زحمت نہ اٹھانا پڑتی۔

حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت فاطمہ کا مکالمہ

حدیث فدک بخاری میں چار مقامات پر بیان ہوئی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت  
فاطمہ نے خبیب صدیق اکبر کے سامنے فدک کی بات چھڑی تو خلیفہ رسول نے انہیں حضور کی  
ایک حدیث سنائی اور اس حدیث پر عمل کرنے کے سلسلے میں اپنی طرف سے یہ کہا

میں نے حضور اکرم کو جس طریقے سے کوئی کام کرتے  
دیکھا اس طریقے کو میں نہیں چھوڑوں گا۔

لا ادم امر اربیت رسول الله صلى الله  
عليه وسلم يصنع فيه الا صنعته۔  
دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

لست نادر کا شکیا کان رسول الله ملی  
 الله علیه وسلم یجل به الاعلمت به فانی  
 اخشی ان ترکت شیا من امره ان اذینہ  
 میں وہ کام نہیں چھوڑوں گا جو رسول کریم کرتے تھے۔  
 میں موت اسی پر عمل کروں گا۔ اگر میں حضور کے کسی  
 حکم کو چھوڑوں تو مجھے ڈر ہے کہ گمراہ ہوجاؤں گا۔  
 صدیق اکبر نے جواب سے ظاہر ہے کہ آپ نے وہی کچھ کیا جو ایک سچا مومن قرآن حکیم کی  
 تعلیمات کی روشنی میں کر سکتا ہے اور کرنا چاہیے۔ مثلاً

- ۱۔ ما کان لئومن ولا مؤمنة اذا قضی اللہ ورسولہ امران یکون  
 لہم الخیرۃ من امرہم۔
- ۲۔ فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموا فیما شجر بینہم ثم لا یجدوا  
 فی انفسہم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما۔
- ۳۔ فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبہم فتنۃ او یتصیبہم عذاب الیم

یعنی حضور کے فیصلے کو تیرے دل سے تسلیم کرنا اور اس کی مخالفت کا خیال بھی دل میں  
 نہ لانا۔ حضرت ابو بکر کے متعلق تو ایک سچے مومن کا رویہ ریکارڈ پر آ گیا۔ مگر دوسری طرف  
 حضرت فاطمہ کے متعلق غلط فہمیاں پیدا کرنے اور پھیلانے کی کوشش کی گئی۔ دیکھنا یہ ہے  
 کہ حضرت فاطمہ نے قرآن حکیم کی یہ آیات یا اسی مضمون کی دوسری آیات پڑھی ہونگی یا نہیں؟  
 پڑھی ہوں گی تو ان کا مفہوم بھی سمجھا ہوگا یا نہیں؟ اگر سمجھا ہوگا تو اس حکم کی تعمیل کی ہو  
 گی یا نہیں۔ اگر کہیں کہ تعمیل نہیں کی تو یہ حضرت فاطمہ کے مقام سے ناواقفیت بلکہ ان کی  
 توہین ہے۔ اگر کہیں کہ تعمیل کی تو اس کی صورت کیا ہو سکتی ہے۔ سادہی جتنا غور کرے اس کے  
 بغیر کوئی صورت نظر نہیں آتی کہ جب ان کے مطالبہ کے جواب میں ابو بکر صدیق نے اپنا  
 کوئی فیصلہ نہیں سنایا بلکہ نبی کریم کی حدیث سنا دی۔ اپنی طرف سے صرف اتنا کہا کہ مجھے  
 اس حدیث پر عمل کرنا ہے۔ اور فاطمہ اس جواب سے ایسی مطمئن ہو گئیں کہ عمر بھر اس  
 مسئلہ کا ذکر تک نہیں کیا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرت ابو بکر نے لا اذینہ امر اکہم کے جس رویہ کی طرف اشارہ کیا

ہے وہ کیا تھا شرح نہج البلاغہ اور علامہ مہتمم بحرانی ص ۲۴۵ پر اس کی تفصیل دی گئی ہے۔

(صدیق اکبر نے فرمایا) کہ رسول کریم فدک کی  
 آمدنی سے آپ اہل بیت کا خرچ الگ کر لیتے  
 تھے جو آپ کے لیے کافی ہوتا تھا۔ باقی مساکین پر  
 یا جہاد کی تیاری پر صرف کرتے تھے اور اللہ کی  
 رضا کیلئے آپ کا نفع پر حق ہے کہ میں فدک میں  
 وہی طریقہ اختیار کروں جو حضور کرتے تھے یہ  
 سن کر حضرت فاطمہ راضی ہو گئیں اور صدیق اکبر  
 سے ایسا کرنے کا اہم لیا پھر اپنے اپنے عہد میں  
 اہل بیت کو اسی طرح سال کا خرچ دیتے رہے  
 ان کے بعد خلفائے نبوی وہی طریقہ جاری رکھا  
 حتیٰ کہ امیر معاویہ کا زمانہ آ گیا۔

کان رسول اللہ یأخذ من  
 فدک قوتکوم ویقسم  
 الباقي ویحمل منه فی سبیل  
 اللہ وذل علی اللہ ان اصنع  
 بما حکما یصنع فرصیت  
 بذلک واخذت العہد  
 علیہ بہ وکان یأخذ  
 غلتہا فی دفع الیہم  
 منها ما یکفہم ثم فعلت الخلفاء  
 بعدہ کذلک الی ان دلی  
 معاویۃ۔

علامہ مہتمم شارح نہج البلاغہ نے وضاحت کر دی کہ:-

(۱) فدک کی آمدنی کی تقسیم جس طرح حضور اکرم کرتے تھے حضرت ابو بکر نے وہی طریقہ جاری  
 رکھنا چاہا۔

(۲) حضرت فاطمہ سے کہا کہ آپ مجھے حضور کا طریقہ جاری رکھنے دیں۔

(۳) حضرت فاطمہ اس پر راضی ہو گئیں اور حضرت ابو بکر سے اس پر قائم رہنے کا عہد لیا۔

(۴) حضرت ابو بکر اس عہد پر قائم رہے اور ان کے بعد تمام خلفائے راشدین اسی عہد  
 پر قائم رہے اور فدک کی آمدنی بالکل اسی طرح تقسیم کرتے رہے جیسے حضور کرتے تھے۔

نہج البلاغہ کی ایک اور شرح درۃ التجفیر میں ص ۲۳۱ پر بعینہ ہی عبارت ہے اور سید  
 علی نقی نے شرح نہج البلاغہ ۵: ۹۶۰ پر اسی طرح حضرت فاطمہ کی رضامندی کا ذکر کیا ہے۔

اور حقیقی یقین ص ۲۲۱ پر ملایا قرعہ جلسی نے ایک اور بات کا ذکر بھی کیا ہے کہ:-

جب حضرت علی اور حضرت زبیر نے بیعت کی اور یہ تینہ فرموا گیا تو حضرت ابو بکر نے

آپ نے اور عمر کی سفارش کی پس فاطمہؑ اس پر راضی ہو گئیں  
اب شیعہ کتب کے علاوہ دوسری کتب سے چند اقتباسات دئے جاتے ہیں۔

(۱) تفسیر کبیر للہدازی ۳ : ۵۷

والجواب ان فاطمہ علیہا السلام  
رضیت بقول ابی بکر بعد ہذہ  
المناظرۃ والنقد الاجماع علی صحۃ ما  
ذہب الیہ ابوبکر فسقط ہذا السؤال  
(۲) ریاض النظرہ ص ۱ : ۱۵۶ :-

عن عامر قال جاء ابوبکر  
الی فاطمہ وقد اشتد مرضہا  
فاستأذن علیہا فقال لها  
علی ہذا ابوبکر علی اباب یستأذن فان شئت  
ان تأذنی لکانت واذناہ احب الیک قال نعم  
فدخلنا عند ربہما وکلما فرضیت عنہ  
(۳) ریاض النظرہ ۱ : ۱۵۷ :-

وعن الاوزعی قال بلخنی ان فاطمہ بنت  
رسول اللہ غضبت علی ابی بکر فخرج ابوبکر  
حقی قائم علی بابہا فی یوم حار ثم قال  
لا ابرح مکانی حتی ترضی عنی  
بنت رسول اللہ فدخل علیہا علی ناقم  
علیہا للرضی فرضیت اخرجه ابن السمان  
فی المواقفۃ  
(۴) فیض الباری :-

اور جواب یہ ہے کہ حضرت فاطمہؑ اس مکالمہ کے بعد  
حضرت ابوبکرؓ سے راضی ہو گئیں اور ابوبکرؓ کے  
قول پر اجماع ہو گیا اور شیعوں کا یہ سوال  
ساقط ہو گیا۔

امام اوزاعی فرماتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ  
حضرت فاطمہؑ ابوبکرؓ سے رنجیدہ ہوئیں ابوبکرؓ  
گھر سے نکلے ان کے دروازے پر جا پہنچے سخت  
گرمی کا دن تھا۔ فرمایا میں یہاں سے نہیں نکلوں  
گا جب تک فاطمہؑ راضی نہیں ہوتیں حضرت علیؑ  
نے حضرت فاطمہؑ کو قسم دی کہ راضی ہو جائیں  
چنانچہ وہ راضی ہو گئیں۔

روی البیهقی عن الشیخی قال لما مرضت فاطمہ  
اناھا ابوبکر فاستأذن علیہا قال علی یا فاطمہ ہذا  
ابوبکر یستأذن عنک فدخل علیہا ثم توضاھا حتی  
رضیت ان الشیخی سمعہ من علی رضی اللہ عنہ  
۵ . کتاب الخس ابی حفص بن شامین بیان کرتا ہے۔  
دخل ابوبکر علی فاطمہ بنت رسول اللہ  
فما قام ابوبکر حتی رضیت۔

ان روایات سے حضرت فاطمہؑ کے راضی ہونے کے علاوہ ان کے باہمی تعلقات  
پر روشنی پڑتی ہے۔

(۱) یعنی حضرت فاطمہؑ کا بیمار ہونا اور حضرت ابوبکرؓ کا عیادت کیلئے آنا۔ باہمی غلوں اور  
عقیدت کا اظہار ہے۔  
(۲) حضرت فاطمہؑ کا انہیں اندر آنے کی اجازت دینا ان کے دل کی صفائی اور علیہ رسول  
کی قدر و منزلت کا اظہار کرتا ہے۔  
(۳) حضرت علیؑ کا حضرت فاطمہؑ کے اس فعل کو پسند کرنا ظاہر کرتا ہے کہ حضرت علیؑ کے  
دل میں حضرت ابوبکرؓ کی قدر و منزلت تھی۔

ایسے تعلقات تو صرف اپنوں کے درمیان ہوتے ہیں اور ان لوگوں کے درمیان تو  
ایک دوسرے سے وابستہ رہنا چاہتے ہیں۔ دشمن تو ایسے موقع پر نہ عیادت کیلئے آتے  
ہیں نہ ایک دوسرے کو ملنا چاہتے ہیں۔

ان روایات کی حیثیت اہل فن کے نزدیک یہ ہے

البدایہ والنہایہ ابن کثیر ۵ : ۲۸۹ میں رضامندی فاطمہؑ کی روایت کو قوی اور سپرد  
بہید سے بیان کیا ہے۔ اور طبقات ابن سعد ۸ : ۲۷ میں مدارج النبوة شیخ عبدالحق محدث  
دہلوی ۲ : ۲۵ تا ۲۴ سیرۃ حلبیہ کی روایت جو امام اوزاعی سے آئی اس کی تصدیق فرمائی  
ہے۔ فیض الباری میں امام شعبی کا خود حضرت علیؑ سے رضامندی حضرت فاطمہؑ کو بیان کرنا

لکھا ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے امام شعبی کی روایت کو صحیح فرمایا ہے۔

صاحب درۃ النخبیہ، علامہ میثم بحرانی، سید علی نقی وغیرہ متقدمین شیعہ علماء نے صاف ذکر کیا ہے کہ فرضیت فاطمہؑ۔ مگر زمانہ حال کے شیعہ علماء نے اہل حدیث پر دو اعتراض کیے مولوی محمد اسماعیل نے اخبار صداقت میں اور مولوی محمد منظور نے توثیق منظور میں لکھا ہے کہ:

۱۔ بائے موجدہ جب رضا کا صلہ ہو تو رضا یعنی قناعت ہوتی ہے یہاں فرضیت بذاتک ہے اور رضا اور قناعت مختلف چیزیں ہیں۔

یہ بات بظاہر وزنی معلوم ہوتی ہے مگر اہل لغت اس کی تائید نہیں کرتے مثلاً

لسان العرب ۸ : ۲۹۷

قنح بنفسہ قنحا وقناعت۔

القاموس ۳ : ۲۱

القناعت الذضا بالقنح قناعت تقسیم سے راضی ہونے کا نام ہے۔

منتہی الارب ۳ : ۵۵۶

قناعت کسابت۔ خورسندی۔

اہل لغت کے علاوہ قرآن مجید اس اعتراض کی تائید نہیں کرتا۔

لا یجوز لقاء نادر وضو بالحیاء الدنیاء لاطنا نواہما یہاں رضا کا صلہ بائے مگر مطلب رضا اور الطینان ہے وہ قناعت نہیں جس میں مجبوری شامل ہو۔

پھر شیعہ لٹریچر میں اس کی تردید میں مثالیں ملتی ہیں۔

مثلاً تاریخ التوارخ جلد سوم از کتاب دوم ص ۱۰۰ پر حضرت علیؑ کے خطبہ میں یہ مصرعہ

موجود ہے۔

وانا راضی بحجۃ اللہ علیہم وعدہ فیہم۔ ومن یحجت فدا و امر ادرحق ایشال تو شہودم

آگے اسی کتاب کے ص ۱۰۰ پر ہے

وساقوم الشیطان لطلب مال الیوی

شیطان انہیں اس چیز کی طلب میں لیے پایا

جس سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہے۔

اللہ بہ

دونوں مقامات پر رضا کا صلہ بائے مگر معنی رضا ہی کے ہیں قناعت کے نہیں۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ بحرانی کی روایت بصیغہ جمہول زوی سے بیان ہوئی ہے

اور یہ دلیل ضعف کی ہے۔

یہ محض دعویٰ ہے جو اصول حدیث کے خلاف ہے۔ شیعہ مذہب میں بصیغہ جمہول روایت و حدیث کے غیر مشہور ہونے کی دلیل ہے ضعف کی دلیل نہیں۔ اس پر سب شیعہ متفق ہیں کہ جو حکم یا حدیث مشہور ہے ظاہر ہے وہ غلط ہے اور جو غیر مشہور ہے تراویہ تقیہ اور کتمان میں ہے وہ حق ہے۔ دیکھو اصول کافی باب التقیہ والکتمان۔

اس لیے شیعہ اصول کے مطابق اس روایت کو ضعیف نہیں کہہ سکتے۔ ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ امام نے تقیہ کر کے یا کتمان حق کر کے یا راوی نے ایسا کر کے بصیغہ جمہول بیان کی ہے اس اصول کی شہادتیں واقعات سے ملتی ہیں۔

(۱) حضرت علیؑ نے خلفائے ثلاثہ کی بیعت تقیہ کر کے کی تھی اس لیے ظاہر تو باطل تھا مگر اندر عقیدہ حق تھا۔

(۲) حضرت علیؑ نے خلفائے کی اقتدا میں نماز پڑھی اس لیے ظاہر نماز باطل دل کے اندر جو کچھ تھا وہ حق تھا۔ آگے یہ سلسلہ حضرت امام حسن اور امام حسین کا امیر معاویہ کے عہد تک جاری رہا۔ کہ ان حضرات کے ظاہری حالات باطل تھے اور باطن حق تھا۔ اسی طرح یہ روایت تقیہ کر کے بیان ہوئی ہے شیعہ کے خوف کی وجہ سے واضح کر کے بیان نہیں کی۔

اس روایت پر ایک اور اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ علامہ میثم بحرانی نے یہ روایت

ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغۃ سے نقل کی ہے اور اس نے ابو بکر احمد بن عبدالعزیز جوہری مصری کی کتاب سقیفہ وفدک سے نقل کی ہے اور یہ دونوں شیعہ نہیں ہیں۔

اس اعتراض کا مطلب یہ ہے کہ بات تو شیعہ عالم نے کی ہے مگر اس کا ماخذ غیر شیعہ عالم ہے اس لیے غیر معتبر ہے یہ محض بہانہ ہے اور حقائق اس کی تائید نہیں کرتے۔ وہ یوں کہ لڑیں ابی الحدید کے اعتراض سے تو کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ اور حدیدی میں جو عقائد

اس نے بیان کئے ہیں وہ اس کے شیعہ ہونے پر شاہد ہیں پھر اس کے تصدیقوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ صرف شیعہ نہیں غالی شیعہ ہے پھر یہ کہ علمائے ایران، عراق اسے شیعہ لکھتے ہیں۔ اتنا ضرور ہے کہ اس نے مشکلمین شیعہ کی چند ایک روایات پر کلام کی ہے مگر اس کے ساتھ ہی مشکلمین شیعہ کے بہت سے عقائد کی تائید بھی ہے۔

اعتراض کا دوسرا حصہ کہ علامہ بحرانی نے یہ روایت ابن ابی الحدید سے نقل کی ہے۔ غلط ہے کیونکہ بحرانی کی روایت اور ابن ابی الحدید کی روایت کے الفاظ میں اتنا تفاوت ہے کہ اس کو نقل کرنا نہیں کہہ سکتے۔

تیسرا حصہ کہ کتاب سقیفہ وفدک سے نقل کی ہے یہ بھی محض دعویٰ ہے کیونکہ (۱) اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ اس نام کی کسی کتاب کا وجود پایا گیا ہے۔

(۲) اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ اس نام کی کوئی تصنیف ابو بکر احمد بن عبدالعزیز نے کی۔

(۳) ابو بکر احمد بن عبدالعزیز نام کا اگر کوئی آدمی ہے تو وہ غیر معروف ہے کسی سنی عالم نے اس سے کچھ اخذ نہیں کیا نہ کسی کتاب میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اسمائے رجال کی کسی کتاب میں اس کا مستقل ترجمہ نہیں ملتا۔ ہاں شیعہ علمائے اس کا ذکر کیا ہے خصوصاً ابوالفرج اصفہانی شیعہ نے اس سے روایتیں لی ہیں اس سے اس شخص کا شیعہ ہونا صاف ظاہر ہے۔

(۴) شیخ طوسی نے امامیہ رجال کی فہرست میں ابو بکر احمد بن عبدالعزیز کا ذکر کیا ہے اور شیعہ عالم محمد بن علی اردبیلی نے اپنی کتاب جامع الرواۃ ۱: ۵۲ پر اس کا ترجمہ مستقل عنوان سے لکھا ہے اور اس کا کوئی ہونا بیان کیا ہے کہ احمد بن عبدالعزیز الجوهری لما کتاب السفیفة الکوفی۔

لہذا معلوم ہوا کہ یہ روایت ہر دور میں شیعہ علماء سے ہی نقل ہو کر آئی ہے نتیجہ ظاہر ہے کہ احمد بن عبدالعزیز بھی شیعہ تھا۔ ابن ابی الحدید اور منیم بحرانی بھی شیعہ تھے۔ مذکورہ بالا روایات اور تاریخی حقائق نے ثابت کر دیا کہ حضرت فاطمہؑ سلمین ہو گئیں اور حضرت ابو بکرؓ سے راضی ہو گئیں۔ اگرناصل عقلی یہ ماننے سے ناپا جائے تب بھی

حضرت فاطمہؑ کا راضی نہ ہونا محال نظر آتا ہے۔

(۱) ناسخ التواتر تاریخ ۴: ۲۳۹ از کتاب دوم۔ دنیا کی حقیقت یہ بیان ہوئی ہے۔

قال رسول الله جعلت فداها ابوها

ثلاث مرات ليست الدنيا من محمد

ولا من آل محمد ولو كانت الدنيا تعدل عند الله

من الخير خاتم بعوضة ما سقى فخا لا فشربت ماء

اگر آل محمد میں دنیا کی محبت اس درجے کی ہو کہ حضورؐ کی حدیث سننے کے باوجود چند

کھجوروں کی خاطر جان میں رسولؐ سے ناراض ہو جائیں اور پھر عمر بھر راضی ہونے کو نہ آئیں

تو مندرجہ بالا حدیث رسولؐ بے معنی ہو کر رہ جائے گی۔ کیا آل محمد میں سے صرف حضرت فاطمہؑ

ہی کو آپؐ اتنا بڑا دنیا دار ثابت کرنا چاہتے ہیں تو یہ آل محمد کی عزت نہیں بلکہ توہین ہے۔

شیعہ کتب میں سے سب سے پہلی کتاب سلیم بن قیس ہلالی کی ہے۔ اس کے صفحات ۲۲۴-۲۲۸

پر اس کی تفصیل موجود ہے۔ آخر میں ہے۔

فدخلوا وما قالوا ارض عارضى الله عنك۔

یعنی حضرت ابو بکرؓ کا بیمار پرہی کیلئے جانا اور ان کو راضی کرنے کے لیے یہ الفاظ کہنا

پھر بھی حضرت فاطمہؑ کا راضی نہ ہونا محب دنیا اور فانی دنیا کی دلیل بنتی ہے۔ پھر ناسخ التواتر

کی بیان کردہ حدیث کا کیا مطلب ہوگا

(۲) اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کا وصف بیان کیا ہے۔

والكاظمين الخيظ والعائين عن الناس۔

اور واذا ما غضبوا هم يغفرون۔

اور فمن عفا واصلح فاجرہ علی اللہ۔

اور ولمن صبر وغفرنا ان ذلك من عزم الامور۔

جب غصہ پی جانا۔ معاف کر دینا عام مسلمانوں میں سے اللہ کے خاص بندوں کا

وصف ہے تو کیا آل محمدؑ میں سے حضرت فاطمہؑ کی ذات ہی ایسی ہے جو اس وصف سے

خالی ہے۔ ایسا تصور کر لیا عقیدہ رکھنا حضرت فاطمہؑ کی توہین کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا۔  
فتح الباری ۶: ۱۲۲ اس کی توجیہ بیان کی گئی ہے۔

واما سبب غضبها مع اجتماع ابی بکر  
بالحدیث المذکور فلا عقادھا تاویل الحدیث  
علی خلاف ما تمسک بہ ابو بکر وکانها  
لا تؤیث وکانت ان منافع  
اعتقدت تخصیص العموم فی قولہ علیہ السلام  
عن ارض و عقار لا یقیم ان یوسف عند  
وتسک ابو بکر بالعموم  
واختلافا فی امر محتمل للتاویل  
فلما ضم علی ذلک  
انقطعت عن الاجتماع  
به لذلک

حدیث سے اتفاق کرنے کے باوجود حضرت  
فاطمہؑ کے غصے کی وجہ تاویل حدیث میں  
اختلاف تھا۔ حضرت فاطمہؑ عموم سے تخصیص  
کا عقیدہ رکھتی تھیں لانورث سے حضرت فاطمہؑ  
یہ سمجھتی تھیں کہ زمین کی آمدنی اور مکان کے  
منافع میں میراث جاری ہونے سے حدیث  
مانع نہیں ہے اور حضرت ابو بکرؓ کا تمسک عموم  
انفاقا حدیث سے تھا۔ دونوں کا اختلاف  
ایک امر اختلافی میں ہوا جب حضرت ابو بکرؓ نے  
حدیث کے عمومی استدلال پر زور دیا تو حضرت  
فاطمہؑ نے بحث ترک کر دی۔

حضرت فاطمہؑ اور حضرت ابو بکرؓ دونوں مجتہد تھے اس لیے حدیث کے تمسک میں اختلاف  
ہوا اس استدلال میں جب حضرت فاطمہؑ نے استدلال کا پہلو ترک کر دیا تو راوی کو ظن ہوا  
کہ انہوں نے کلام کرنا ہی چھوڑ دیا۔

حضرت فاطمہؑ نے حدیث سے یہ سمجھا کہ اس میں درہم و دینار کی نفی ہے زمین کی نفی  
نہیں گویا انہوں نے تخصیص سمجھی اور حضرت صدیق اکبرؓ نے عموم میراث کی نفی سمجھی اور یہی بات  
صحیح تھی اور اس پر صحابہ کا اجماع ہو گیا۔

حدیث کے تمام طرق پر نگاہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ غضبیت فاطمہؑ فہر تہم تہم تکلم  
سبب ن راوی ہے۔

صحاح میں چودہ مقالات پر حدیث فدک مذکور ہے مروت حضرت عائشہؓ، ابو ہریرہؓ اور  
ابو الطفیل سے ناراضگی کا قول مذکور ہے اور یہ الفاظ حضرت عائشہؓ کے تھیں بلکہ راوی کے

یہی پوری روایت یوں ہے۔

عن عائشة ان فاطمة والعباس علیہم  
السلام ایانا ابوبکر یلقمان میراثنا من  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم .....  
قال فقال لهما ابوبکر سمعت رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا نورا ما  
ترکناہ صدقة انما یا کل ال عمد  
من هذا المال قال ابوبکر واللہ لا ادم امر  
سأیت رسول اللہ یصنع فیہ الا  
صنعة قال فحجرتما فاطمة فم تکلمہ  
حتی ماتت۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت فاطمہؑ اور  
حضرت عباسؓ دونوں حضرت ابو بکرؓ کے پاس  
حضرت کی میراث کا مطالبہ لے کر آئے۔  
حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا میں نے حضورؐ سے  
سنا۔ آپ نے فرمایا کہ نبی میراث نہیں  
چھوڑتے جو رہ جائے وہ صدقہ ہوتا ہے۔  
آل محمد اس مال سے کھائے گی، ابو بکرؓ نے فرمایا  
... خدا میں اس کام کو نہیں چھوڑوں گا جو حضورؐ  
کیا کرتے تھے۔ راوی کہتا ہے کہ حضرت فاطمہؑ  
جللی گئیں اور مرتے دم تک ان سے بات نہ کی۔

حدیث کے آخر میں لفظ قال پر زور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قول حضرت عائشہؓ کا  
نہیں ورنہ قالت ہوتا پھر ای قال سے ظاہر ہوتا ہے کہ کلام تو الا صنعة پر ختم ہو گیا تاکہ  
قال سے مراد قال الراوی ہے یعنی قال کے بعد کا حصہ راوی کا اپنا خیال یا رائے ہے اس  
میں بھی ظلم ظلم کی بھی تصریح نہیں۔ اس کی تصریح فیض الباری کے علاوہ تاریخ ابن جریر طبری  
۲: ۲۲۸ پر کی گئی ہے۔

واما عدم کلام فاطمة ایاء حق ماقت  
والمراد من کلام ماقت امر فدک

عدم کلام سے مراد فدک کے بارے میں  
کوئی بات نہیں کی۔

شارحین بخاری نے تصریح فرمادی ہے کہ فم تکلم سے مراد مطلق کلام نہیں بلکہ فم تکلم  
فی ذلک المال ہے نفی مروت خاص اور عقیدہ کی ہے اور نفی خاص عقیدہ کی نفی عام مطلق کو مستلزم  
نہیں یہ ساری محکم راوی کے مقولے پر ہے جو حدیث کا حصہ نہیں مگر حدیث میں بیان کرنے سے  
معلوم ہوا ہے کہ یہ الفاظ کسی شیعہ راوی کے ہیں جو ہمیں بدل کر واقعہ کی صورت بگاڑ گیا ہے  
چنانچہ الآلی المستوفی فی احادیث الموضوعہ ۲: ۲۳۴ ملاحظہ ہو۔



عن ابی العینا قال انا والجاحظ وضعتا  
حدیثا وادجلناه علی المشائخ وعلی  
الشیوخ ببخدا وادقبوه الابن ابی  
شیه العلری فانہ قال لا یشبه  
آخر هذا الحدیث اولہ وابی یقبلہ  
وکان ابوالعینا یحدث بهذا بعد  
ماتاب۔

ابوالعینا کہتا ہے میں نے اور جاحظ نے ایک  
حدیث وضع کی اور مشائخ بغداد کے پیش کی  
تمام نے قبول کر لی صرف ابن ابی حنیبلہ  
نے اسے قبول نہ کیا اور کہا اس حدیث کی ابتداء  
اس کے آخری حصے سے نہیں ملتی۔ ابوالعینا نے  
اس حرکت سے تائب ہونے کے بعد یہ واقعہ  
بیان کیا۔

اور علامہ ابن اثیر جزیری نے صدر کتاب جامع الاصول فرغ ثالث طبقات الجرح و  
میں بعبین ان الفاظ میں یہ بات بیان کی ہے صرف یہ الفاظ تائید میں وضعت انا والجاحظ  
حدیث فداک۔

حضرات شیعہ نے بھی دبی زبان سے اس حصے حدیث کو وضعی تسلیم کیا ہے۔  
شافی از شریف مرتضیٰ علم الہدیٰ ص ۱۱۱ بلح ایران۔

ایک جامع نے ابی عبداللہ بن احمد بن  
ابی طاہر سے فرمایا وہ اپنے باپ سے بیان  
کرتا ہے کہ میں نے ابی الحسین زید بن علی  
سے حضرت فاطمہ کی بات کا ذکر کیا جب  
حضرت ابوبکرؓ نے انہیں فداک نہیں دیا  
تھا میں نے کہا لوگ کہتے ہیں کہ یہ بات بناوٹی  
ہے۔ کیونکہ یہ حدیث فداک ابوالعینا کی کلام  
ہے یہ کلام بلیغ ہے اور ابوالعینا خود بڑا  
بلیغ تھا۔

اخبرنا جماعة عن ابی عبد اللہ بن احمد  
بن ابی طاہر عن ابیہ قال ذکرنا  
لابی الحسین زید بن علی بن الحسین  
بن علی ابن ابی طالب کلام  
فاطمہ علیہا السلام عندہ منہ  
ابی بکر ایہا فداک  
وقلت ان ہولاء یذعمون  
موضوع لانہ من کلام ابی العینا  
لان الکلام منسوق البلاغۃ

علم الہدیٰ کی اس روایت اور مزاحمت سے معلوم ہو گیا کہ یہ کلام ابوالعینا کی ہے۔  
گویا حضرت فاطمہؓ کے ناراض ہونے اور ترک کلام کا سارا قصہ ہی وضعی اور من گھڑت ہے۔

غضبیت فاطمہ کے وضعی اور من گھڑت قصہ میں مزید رنگ بھرنے کیلئے ایک اور بات  
کہی جاتی ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ من اعضہما فقد اغضبنی

اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ ورود حدیث حضرت علیؓ کے حق میں ہے دوسری  
بات یہ ہے کہ یہ نبوی امور میں ہے اللہ کی بات یا اللہ کے رسول کی بات سننے سے کوئی ناراض  
ہوتا ہے تو وہ اس ضمن میں آسکتا ہی نہیں کیونکہ ایسے موقع پر ناراض ہونا بات سنانے  
والے پر ناراض ہونا نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول سے ناراض ہونا ہے بعد کوئی مسلمان  
یہ جرات کر سکتا ہے اور کسی مسلمان کے متعلق کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ اللہ اس کے رسول سے  
ناراض ہے نہ چنانچہ فتح الباری میں وضاحت کی گئی ہے۔

من اعضہما بطمع نفسه ای من حجة  
ہوی النفس لامن جهة الشرع و  
اسعہما ابو بکر حدیث الرسول  
لامن حجة نفسه۔

حضور کی مراد یہ ہے کہ جس نے اپنی ہوائے  
نفس کے تحت فاطمہؓ کو ناراض کیا وہ پھر شریعت  
کے۔ اور حضرت ابوبکرؓ نے تو حدیث رسول ہی  
سنائی تھی اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا تھا۔

واقعات شاہد ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کو کوئی ذاتی توجیح نہیں تھا انہوں نے معاملے کی  
شرعی حیثیت بتائی وہ بھی اپنی طرف سے نہیں بلکہ حدیث رسول سنا کر البتہ یہ مزور کہا کہ میں  
رسول کریمؐ کی مخالفت کرنے کی جرات اپنے اندر نہیں پاتا اس کے باوجود اگر حضرت فاطمہؓ کا ناراض  
ہونا تسلیم کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ معاذ اللہ رسول کریمؐ سے ناراض ہوئیں کہ  
انہوں نے ایسا کیوں فرمایا یا ابوبکرؓ سے اس لیے ناراض ہوئیں کہ انہوں نے اللہ کے رسول  
کی مخالفت کرنے کا ارادہ کیوں نہ کیا۔ اور یہ دونوں صورتیں ایسی ہیں کہ حضرت فاطمہؓ  
کی ذات سے ان کا منسوب کرنا ان کی توہین اور اپنے ایمان سے دست برداری کا اعلان ہے۔  
اس سلسلے میں حضرت ابوبکرؓ کو متم کرتے وقت یہ بھی دیکھ لینا چاہیے کہ حضرت علیؓ نے اپنے دور  
اقتدار میں کیا فرمایا اور کیا رویہ اختیار کیا۔

شافی شریف مرتضیٰ ص ۱۱۱

فما وصل الامرالی علی بن ابی طالب | جب حضرت علیؓ عقیقہ ہوئے تو اللہ کے

كلمة في امر فذلك فقال اني لا استحي من  
الله ان ارد شيئا منه عنه ابو بكر  
واقصاه عمر

بارے میں بات کی گئی فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ سے  
حیا آتی ہے کہ میں اس حکم کو دیکھوں جس کا فیصلہ  
ابو بکر نے کیا اور حضرت نے برقرار رکھا۔

اس بیان سے ظاہر ہے کہ حضرت علیؑ نے حضرت ابو بکرؓ کے فیصلہ اور حضرت عمرؓ کے اس پر قائم  
رہنے کو اللہ اور رسول کے حکم کے عین مطابق سمجھا اور نہ خدا سے حیا محسوس کرنے کا کیا مطلب اور  
حضرت علیؑ کے متعلق وضاحت ہو چکی ہے کہ آپ نے فدک کے بارے میں اپنے دور اقتدار  
میں وہی طریقہ اختیار کیا جسے وہ حکم خدا کے مطابق سمجھتے تھے جو طریقہ حضرت ابو بکرؓ نے اتباع  
نبوی کے تحت اختیار کیا تھا۔ اگر یہ جرم ہے تو کہنا پڑے گا خط  
اس گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

### مطالبہ میراث کے سلسلے میں حضرت علیؑ کا کردار

اس واقعہ کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیے اپنی کتاب بحار الانوار ص ۱۰۱ کتاب الفتن میں  
الاختصاص سے نقل کیا ہے۔

عن عبد الله بن عثمان عن ابى عبد الله  
عليه السلام لما قبض رسول الله صلى الله  
عليه وسلم وجلس ابو بكر مجلسه بحث  
الى وكيل فاطمه فاخرجته من فدك  
فانته فاطمه ..... الى ان قال ابو بكر  
ان النبي لا يرث فرجعت الى علي  
فاخبرته فقال رجعي اليه وقولي  
ما سمعت ان النبي لا يرث وورث  
سليمان داود وورث يحيى زكريا  
وكيف لا يرث انا ابى فقال عمر

فقال انت معلمة قالت وان كنت  
معلمة فعلمني ان عني علي الى ان  
قالت ان فداك انما هي صدق بها  
علي ما رسول الله ولي بذلك بنية تجارت  
امرايين وعلي ثمر خرجت وحدها  
علي اتان عليه كساء قذارها اربعين  
صباحا في بيوت المهاجرين والانصار  
والحسن والحسين معها فانتمت  
الى معاذ بن جبل فقالت يا معاذ  
اني قد جئتك مستصدرة قال  
وما يبلغ نصرتي وانا  
وحدى الى ان قال فانصرفت  
فقال علي لها ائبتي  
ابا بكر وحدثه  
فانه امرق من الاخذ  
وكلمته وقال صدقت  
قال فدا عا بكتب فكتبه لها  
برد فدك فاطمه  
فخرجت والكتاب معها  
فلقبها عمر فقال يا  
بنت محمد صل الله عليه  
وسلم ما هذا الكتاب الذي  
معك قالت كتاب كتب ابو بكر

نہیں چھوڑتے۔ حضرت سلیمان اپنے والد داؤد کے  
وارث ہوئے حضرت یحییٰ اپنے والد حضرت  
زکریا کے وارث ہوئے۔ میں اپنے باپ  
کی وارث کیونکر نہیں ہو سکتی۔ حضرت عمرؓ  
نے کہا تمہیں پڑھایا گیا ہے۔ حضرت فاطمہؓ  
نے کہا اگر ایسی بات ہے تو مجھے میرے ابن  
عم علیؑ نے پڑھایا ہے۔ .... فدک تو  
رسول کریمؐ نے مجھے دے دیا تھا میرے  
پاس اس کا ثبوت ہے پھر امام امینؑ اور  
علیؑ آئے۔ پھر آپ چل گئیں۔ پھر حضرت علیؑ  
نے حضرت فاطمہؓ کو گدھے پر سوار کیا جس پر  
ذرا سا کپڑا تھا اور چالیس روز تک  
مہاجرین و انصار کے دروازوں پر پھرایا  
حسینؑ ساتھ تھے۔ آپ معاذ بن جبل کے  
ہاں پہنچیں امداد طلب لی گئی آپ کی امداد  
نہیں کر سکتا۔ .... آپ لوٹیں تو  
حضرت علیؑ نے کہا کہ ابو بکرؓ کے پاس تمہاری  
میں یا فادہ دوسرے (عمرؓ کی نسبت زیادہ  
رفیق القلب ہے۔ وہ گنیں بات کی  
ابو بکرؓ نے ان کے حق میں لکھ دیا۔ تحریر  
لے کر واپس آئیں تو راستے میں حضرت عمرؓ  
سے ملاقات ہوئی انہوں نے پوچھا اے  
ذکر رسولؐ! آپ کے پاس یہ تحریر کیا ہے۔

کہا ابو بکرؓ نے مجھے مذک کی جاگیر لوٹا دی ہے  
 کہا ادھر لاؤ مجھے دو حضرت فاطمہؓ نے دینے سے  
 انکار کر دیا۔ عمر نے انہیں ٹھوکر ماری۔ وہ  
 حاملہ تھیں۔ اسقاط عمل ہو گیا۔ پھر انہیں  
 تھپڑ مارے۔  
 پھر وہ وثیقہ لے لیا پھاڑ ڈالا اور چل گئے  
 اس واقعہ کے بعد ۵۵ روز تک حضرت فاطمہؓ  
 زندہ رہیں۔ اسی مرض میں وفات پائیں  
 اناللہ ونا الیہ راجعون۔

یرد فداک فقال ہلمیہ الی  
 فابت ان قد فعلہ ایہ فضرہا  
 برجلہ وکانت حاملہ باین اسمہ  
 المحن فاستطت المحن من  
 بطنہا ثریطہا فکانی انظر الی  
 قرط کان فی اذنیہا حین نقصہا ثری  
 اخذاکتاب غرقہ فضت وکشت خمت وبعین  
 یوما مریضۃ ما خدر جاعمر ثم قصت ان اللہ و  
 انالیہ راجعون۔

واقعہ کی اس تفصیل سے چند امور کی وضاحت ہوتی ہے۔

- (۱) جب حضرت فاطمہؓ کو معلوم ہوا کہ ان کے وکیل کو فدک سے نکال دیا گیا ہے تو وہ  
 مطالبہ لے کر حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئیں۔
- (۲) جب ناکام واپس آئیں تو حضرت علیؓ ان کو دلائل بنا کر دوبارہ اکیلے بیجا خود ساتھ  
 نہیں گئے۔
- (۳) پھر حضرت علیؓ گواہ کی حیثیت سے گئے مگر یہ ظاہر نہیں کہ انہوں نے شہادت  
 کیا دی۔
- (۴) حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کو گدے پر سوار کر کے نہایت ذلت آمیز صورت  
 میں ۴۰ دن تک حجاز میں اور انصار کے دروازوں پر پھرایا ستین بھی ساتھ تھے۔
- (۵) اس ذلت اور رسوائی سے پھر انے کا مقصد یہ نظر آتا ہے کہ حجاز میں انصار  
 کے سامنے اپنی مظلومیت کا اظہار کر کے ان سے امداد طلب کی جائے۔
- (۶) اس دوران انہوں نے حضرت معاذ بن جبل سے امداد طلب کی کہ فدک بلے دیں۔
- (۷) واپسی پر پھر حضرت علیؓ نے مشورہ دیا کہ صرف ابو بکرؓ کے پاس جاؤ۔ خود ساتھ  
 نہیں گئے۔

- (۸) حضرت فاطمہؓ اس مرتبہ نہیں تو حضرت ابو بکرؓ نے وثیقہ لکھ دیا۔
- (۹) حضرت عمرؓ سے سربراہ ملاقات ہوئی تو انہوں نے وثیقہ صحیفین کر بھاڑ دیا۔
- (۱۰) اسی پر بس نہیں کی بلکہ حضرت فاطمہؓ کا گریبان کپڑ کر کھینچا تھپڑ مارا پھر لات ماری  
 جس سے اسقاط عمل ہو گیا۔

(۱۱) واپسی پر حضرت علیؓ کو سب ماجرا سنایا مگر ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔

ان امور سے یہ نتائج اخذ ہوتے ہیں

- (۱) حضرت علیؓ کو حضرت فاطمہؓ کی عزت کا فدا سمجھنا خیال نہیں تھا۔
- (۲) ان کی ذلت سے حضرت علیؓ کا دل پیسینے کا کوئی نشان نہیں ملتا جس سے ظاہر ہے  
 کہ وہ خوش ہوتے تھے۔

(۳) حضرت علیؓ کو حضرت فاطمہؓ کا اتنا خیال بھی نہیں تھا جتنا ایک عام شوہر کو ہوتا ہے  
 اس لیے بار بار انہیں اکیلے ہی بیجا خود ساتھ نہ گئے۔

(۴) چونکہ انہیں ماکان و مایکون کا علم تھا اس لیے وہ جانتے تھے کہ اب کی بار حضرت عمرؓ  
 کے ہاتھوں انہیں یہ ذلت اٹھانا پڑے گی پھر بھی انہیں خود اکیلے بیجا مصافحہ ظاہر  
 ہے کہ انہیں اپنی بیوی کی ذلت اور رسوائی سے خوشی ہوتی تھی۔ اگر ایسا نہیں تو  
 ماکان و مایکون والی بات بناوٹی ہے۔ ان میں سے ایک صورت لازماً تسلیم کرنا  
 پڑے گی۔

(۵) حجاز میں انصار کی امداد کی کیفیت تو ایک دو دن میں بھی معلوم ہو سکتی تھی اس لیے  
 یہ چلہ پورا کرنے میں انہیں ذلیل و رسوا کرنے کے علاوہ کوئی مقصد نظر نہیں آتا۔

(۶) شیر خدا ہونے کے باوجود اپنی بیوی سے ایک غیر آدمی کا یہ سلوک دیکھ کر کڑس سے  
 مس نہ ہونا عجیب سی بات ہے کہ ایک عام آدمی کی بیوی سے بھی اگر یہ سلوک کیا  
 جائے تو اس کی غیرت اور حمیت جوش میں آجاتی ہے کیا شیر خدا میں اتنی غیرت اور  
 حمیت بھی نہ تھی۔

(۷) حضرت علیؓ کی حضرت فاطمہؓ سے اتنی بیخاری ایسی بے رحمی اور اس قدر بے گانگی

دوسری طرف یہ نقشہ کہ نبی جو خاتم الانبیاء کی لخت جگر ہے کی توہین و تدلیل ہوتی ہے بلکہ خود کی جاتی ہے اسے بار ایشیا جاتا ہے حتیٰ کہ اسقاط عمل ہو جاتا ہے مگر نہ خون حیدری ہوش میں آتا ہے نہ ذوالفقار حیدری نیام سے باہر آتی ہے غیرت و محبت کی ایسی مثال دنیا میں شاید ہی کہیں ملے۔

پھر خاتونِ جنت سے وہ الفاظ منسوب کئے جاتے ہیں کہ اپنے خاوند کو ان الفاظ سے مخاطب کرنا ایک جاہل گنوار اور چھوٹا بیوی کے متعلق بھی تصور میں نہیں آسکتے۔ ان قابلِ احترام ہستیوں کی سیرت و کردار کا وہ بیان جو حقائق پر مبنی ہے اگر سامنے رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ روایات میں بیان کردہ تصویر کے دونوں رخ یار لوگوں نے محض زیب و آستان کیلئے وضع کئے ہیں۔ محبت اہل بیت کے دعویٰ کے ساتھ اہل بیت سے دشمنی کا حق ادا کر دیا ہے۔

یہاں ایک اور عقیدہ بھی کھل رہا ہے۔ شیعہ حضرات نے یہ اتہام باندھا ہے کہ حضرت فاطمہ حضرت ابوبکرؓ سے ناماں ہو گئیں اور راوی کے اس قول کو کہ غضبت فاطمہ اس اتہام کی بنیاد بنایا ہے۔ ساتھ ہی یہ حقیقت ہے حضرت فاطمہؓ کا اپنا قول کہ میں ابوبکرؓ سے ناراض ہوں آج تک کوئی شیعہ پیش نہیں کر سکا۔ صرف ایک راوی کے اپنے قول اور اپنی رائے پر بار لوگوں نے یہ طوفان اٹھایا ہے۔ اب ذرا ان الفاظ پر غور کیجئے جو حضرت فاطمہؓ نے حضرت علیؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمائے۔ ان الفاظ سے پیار جھلک رہا ہے یا فقہ اور ناراہنگی۔ پھر یہ الفاظ کسی راوی کے نہیں حضرت فاطمہؓ کے اپنے الفاظ ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ تو حضرت فاطمہؓ کی فرضی ناراہنگی کی وجہ سے متم ٹھہرے حضرت فاطمہؓ کی حقیقی ناراہنگی کے اظہار حضرت علیؓ کی سیرت کو کیسے بجا ڈگے۔

اس اندازِ گفتگو کو حضرت فاطمہؓ کی طرف منسوب کرنا ان کی سیرت پر بہت بڑا حملہ ہے اس لیے اس داغ کو دھونے کی خاطر ایک اوہل کی گئی ہے۔ بحار الانوار ص ۱۲۲ کتاب الفتن اور حق الیقین۔

فاقول یمن ان بحباب عنہ مان ہذد | میں کہتا ہوں تمہیں ہے ان کی طرف سے یہ جواب

ان کے باہمی تعلق پر یہی روشنی ڈالتی ہے اور حضرت علیؓ کی شجاعت اور مدائگی اور غیرت و محبت کا بھی ایک بھیا تک نقشہ سامنے آتا ہے۔ محبت کا دم بھرنے والوں نے اہل بیت پر کیا ستم ڈھا یا ہے۔

حضرت علیؓ کے اس کردار کے علاوہ یہاں ایک ضمنی بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے تکرار کے بعد سی۔ لیکن فدک دے تو دیا پھر شیعہ حضرات انہیں اب تک سعادت کیوں نہیں کرتے۔ ان کے پے درپے حملے حضرت ابوبکرؓ پر کیوں ہوتے ہیں۔ اس روایت سے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے قلبی تعلق اور دلی محبت کا نقشہ تو سامنے آ گیا مگر اس خاکے میں جو مزید رنگ بھرا گیا ہے وہ بھی ملاحظہ ہو۔

حضرت فاطمہؓ نے جب حضرت عمرؓ کے ہاتھوں اتنی ذلت اٹھائی (بقول شیعہ) تو اگر اپنے محبوب شوہر شیر خدا اور امام برحق مقرر حق الطاعت سے خطاب فرمایا

یا ابن ابی طالب اشملت شملۃ الجنین | ای سپر طالب فویشن رابن شملہ در پیمیدی مانند  
وقعدت حجرۃ الظنن۔ | جنین در دم و روی از خلق منفی توں مردم متمم۔

(اجتماع طبری اور ناسخ المتواتر ج ۴: ۱۳۱، ۱۳۲) از کتاب دوم اور حق الیقین، حق الیقین کی عبارت یہ ہے۔

مانند جنین در دم پردہ نشین شدہ و مثل غائبان یا جانفشان در خانہ گزشتہ خیال رہے کہ یہ خطاب ایک گنوار یا دین سے نا آشنا بیوی کا اپنے شوہر سے نہیں بلکہ خاتونِ جنت نے شیر خدا اور امام مقرر حق الطاعت سے خطاب کیا ہے ان الفاظ میں تلاش کیجئے کہ حضرت فاطمہؓ کے دل میں حضرت علیؓ کی شجاعت اور تسور کا نقشہ کیا تھا۔ آپ کے زہد و تقویٰ کا تصور کیا تھا اور اپنے خاوند سے محبت کتنی تھی۔

جانہن کی سیرت و کردار اور ان کے باہمی تعلقات کا جو نقشہ شیعہ روایات میں کھینچا گیا ہے اس کے متعلق انسان سوچ میں پڑ جاتا ہے کہ ایک طرف یہ عقیدہ کہ شیر خدا ساری زمینوں کو اٹھانے والا۔ قلعہ خیبر فتح کرنے والا۔ باب قلعہ کو اکھاڑ پھینکنے والا حتیٰ کہ لافتی الاعلیٰ لاسیف الاذوا انفقار۔

الكلمات صدادت منها  
لبعض الصالح ولو تكن  
واقعا منكرة لما فعله  
بل كانت راضية وانما  
كان عرضها ان يتبين  
لناس قبح اعمالهم وشناعة افعالهم  
وان سكوتهم ليس لرضا بما اقربا -

حق اليقين کی عبارت یہ ہے

مؤلف گوید کہ دریں مقام تحقیق بعض انا موافقہ راست مادر جواب گوئیم کہ ایہ معارفہ  
محمول پر مصلحت است از برائے آنکہ مردم بدانند کہ حضرت امیر ترک خلافت برضائے خود  
نکرده و بجنب مذک راضی نبوده -

اس سے اونچی بات صاحب ناسخ التواریخ نے بتا دی کہ

مکشوف باد کہ اسرار اہل بیت مستور  
است از درکات اشغال مادم -  
خوب سمجھ لیجئے کہ اہل بیت کے اسرار ہم  
جیسے لوگوں کی سمجھ سے باہر ہیں -

پہلی تاویل ایک ایسا معر ہے کہ اسے کھولنے بیٹھو تو اور چیچ پڑتے چلے جائیں گے مثلاً  
۱ - حضرت علی عالم صاکان و مایکون تھے دوسری مرتبہ حضرت فاطمہ کو بھیجتے ہوئے علم  
تھا کہ ان کی توہین و تذلیل ہوگی لہذا مصلحت یہی ہے کہ خود تہ جاؤ اپنی عزت بچاؤ  
و غیر رسول کی بے عزتی ہوتی ہے تو ہونے دو -

۲ - اسی طرح ان کو علم تھا کہ ہاجرین و انصار کوئی مدد نہیں کریں گے پھر بیوی کو مسلسل  
۴۰ روز تک در بدر پھراتے رہنے میں کیا مصلحت تھی ؟

۳ - ہاجرین و انصار کے اعمال قبیح کا اظہار مقصود تھا تو گھر کی چار دیواری میں یہ الفاظ کہنے  
سے اظہار کیسے ہوا اس کے سامنے ہوا۔ اگر صرف حضرت علی کے سامنے اظہار مقصود تھا  
تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت علی خود حسن و قبح میں تمیز کرنے کی صلاحیت نہیں

دیا جائے کہ یہ کلمات کسی مصلحت کے تحت ان کی  
زبان سے نکلے حقیقت میں حضرت فاطمہ کو حضرت  
علی کا رویہ ناپسند نہیں تھا بلکہ غرض یقین  
ان کی غرض یہ تھی کہ لوگوں کے سامنے ابو بکر  
عمر کے افعال قبیح کا اظہار کریں۔ اور حضرت علی کا  
غاموش رہنا اور حقیقت حضرت فاطمہ کے  
رویہ پر رضامندی کے طور پر تھا۔

رکھتے تھے۔ حضرت فاطمہ نے یہ کی پوری کی۔ اور اگر اظہار ہی مقصود تھا تو وہ غرض بھی پوری  
نہ ہوتی کیونکہ یہ بات تو گھر میں کی گئی تھی حضرت فاطمہ نے سر بازار مقصود ہی یہ کہا تھا۔  
۴ - یہ کیسے معلوم ہوا کہ حضرت فاطمہ اس معاملے میں حضرت علی کے رویہ سے راضی تھیں ؟  
کس کو بتایا ؟ کب بتایا ؟ یہ راز کی بات اگر کسی کو بتائی نہیں تو صاحب ناسخ التواریخ  
نے یہ اجتہاد کس بنا پر کیا کہ دراصل وہ راضی تھیں یہ طے اور گالیاں محض بناؤ تھی  
بہر حال بڑی تلاش کے باوجود حضرت فاطمہ کے اس انداز گفتگو میں کوئی مصلحت نظر  
نہیں آتی۔ البتہ ایک پہلو قابل غور ہے۔ اگر اس انداز گفتگو سے یہ نہ سمجھا جائے کہ حضرت فاطمہ  
حضرت علی سے ناراض تھیں بلکہ یہ تاویل کی جائے کہ یہ محض دکھاؤ تھا اصل میں دل سے راضی  
تھیں تو غصت فاطمہ کی یہ تاویل کیوں نہیں کی گئی کہ حضرت فاطمہ کا حضرت ابو بکر سے  
یہ رویہ محض ظاہری بات تھی اصل میں وہ دل سے راضی تھیں پھر ان دونوں حالتوں میں سے  
بہت بڑا فرق ہے۔ غصت فاطمہ، راوی کا قیاس ہے اور حضرت علی کے حق میں ناموزوں  
الفاظ اور ناراضگی کا اظہار خود حضرت فاطمہ کی زبانی ہو رہا ہے۔ راوی نے اپنی مائے کا اظہار کیا  
تو آپ نے فوراً مان لیا اور حضرت فاطمہ خود اپنی زبانی سے پکار پکار کر کہہ رہی ہیں تو آپ مانتے  
نہیں یہ رویہ نظر ثانی کا محتاج ہے۔

میراث کے معاملہ کو طویل اور پیلو دار بنانے کی کوشش کی گئی ہے مگر اس میں ایک  
عجیب الجھن نظر آتی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ شیعہ مذہب میں ایک اصول بیان ہوا  
ہے جس کے کسی کے کامل الایمان یا ناقص الایمان ہونے کی شناخت ہو سکتی ہے۔ بلکہ  
یوں کہنا چاہیے کہ وہ علامات مومن اور فاسق میں ماہ الامتیاز ہے۔ فروع کافی ۷: ۲۲۵  
احتجاج طبری ص ۱۸۱ اور الوار بخانیہ ۱: ۲۶۰ بیان ہوا ہے

عن عمر بن حفصہ قال سالت اب  
عبدالله علیہ السلام عن رجلین من  
اصحابنا بیخما منازعة فی دین او میراث  
فتحا کما الی السلطان اذل القضاة اجل  
عمر بن حفصہ کہتا ہے میں نے امام جعفر صادق  
سے پوچھا کہ دو شیعہ مردوں میں ترض یا  
میراث کے معاملہ میں جھگڑا ہو جائے وہ  
اپنا دعویٰ بادشاہ یا قاضی کے پاس لے جائیں

لن قال من تخاكر اليهم في حق اوباطل  
لانا تخاكر الى الجبت والطاغوت  
المنهى عنه وما حكر له بما  
فانما ياخذ سختا وان كان  
حقا ثابته لانه اخذنا  
بحكم الطاغوت ومن امر  
الله ان يكفر بما قال تعالى بريدن  
ن يتبعوا لى الطاغوت وقد امرنا  
ان يكفروا به -

کیا یہ جائز ہے۔ امام نے کہا جو شخص حاکم یا قاضی  
(بغیر شیعہ) کے پاس فیصلہ کی عرض سے  
جائے خواہ وہ حق پر ہو یا باطل پر۔ اس کا  
جانا ایسا ہے جیسے بت یا شیطان کے پاس  
جانا اس کی ممانعت ہے۔ اور اگر اس کے  
فیصلہ کے مطابق وہ شیعہ کو کوئی چیز لے گا  
تو وہ حرام لے گا خواہ وہ اس کا حق ہی کیوں  
نہ ہو کیونکہ اس نے شیطان کے حکم سے لیا۔  
اور خدا کا حکم ہے کہ ان کی نافرمانی کر۔

یعنی قانون پر ہے کہ بغیر شیعہ حاکم کے پاس اپنا مقدمہ لے جانا ایسا ہے جیسا شیطان  
کے پاس لے جانا۔ ایسا حاکم اگر اس کے حق میں فیصلہ کر دے تو اس مال سے نفع اٹھانا حرام  
ہے اور ظاہر ہے یہ جب ایسے حکم کے پاس مقدمہ لے جانا حرام ہے تو ایسے مال سے نفع اٹھانا تو  
مازنا حرام ہوا۔ اور حرام کا مرتکب فاسق ہے۔

اس اصول کے ماتحت دیکھنا یہ ہے کہ اگر حضرت ابو بکرؓ حاکم برحق نہیں (بقول شیعہ)  
حضرت فاطمہ کا ان کے سامنے اپنا مقدمہ لیجانا اور حضرت علی کے مشورہ سے لے جانا  
ان دونوں کو کس مقام پر لاکھڑا کرتا ہے۔ اس قانون کے تحت ایک نے فعل حرام کا ارتکاب  
لیا ایک نے ایسا کرنے کا مشورہ دیا۔ اور فعل حرام کا مرتکب فاسق ہوتا ہے۔ اب شیعہ اصول  
کے تحت ان دونوں حضرات کی حیثیت متعین کیجئے۔

اس الجھن سے نکلنے کی دو صورتیں ہیں۔ اگر حضرت ابو بکر کو خلیفہ برحق تسلیم کرو تو حضرت  
فاطمہ اور حضرت علی کامل الایمان قرار پاتے ہیں۔ اور حضرت ابو بکر کو خلیفہ برحق تسلیم  
نہیں کرتے تو ان دونوں حضرات کو فسق کا نشانہ بننے سے بچا نہیں سکتے کیونکہ اصول خود تم ہی  
نے مقرر کیا ہے۔ عجیبہ معاملہ ہے کہ ائمہ کی عصمت کے دعویٰ سے سفر کا آغاز کیا اور چند قدم ہی  
چلتے کہ ائمہ کو فسق و فجور کا مرتکب قرار دے دیا اللہ تعالیٰ کج مین اور کج رائی سے محفوظ رکھے۔

## دعویٰ ہبیرہ فدک

شیعہ علماء کا کہنا ہے کہ حضور اکرمؐ نے فدک کی زمین حضرت فاطمہ کو سب کر دی تھی۔  
اس دعویٰ کے ثبوت میں سید محمد قلی نے پچیس کتابوں کا نام لکھا ہے کہ ان میں دعویٰ ہبیرہ کا ثبوت  
موجود ہے۔ کتابوں کے نام یہ ہیں :-

روضۃ الصفات، جمیب السیر، معارج النبوة، مقصد القصی، براہین قاطعہ، صواعق محرقة  
صلاح الدین رومی پر حاشیہ شرح عقائد نسفی، جواہر العقیدین، وفاء الوفا، خلاصۃ الوفا،  
شرح مواقف، فصل الخطاب، کتاب الاکتفاء، ریاض النظرۃ، تفسیر کبیر، منہایت العقول،  
معلی ابن حزم، معجم البلدان، کتاب المواقف، الملل والنحل، شہرستانی، معنی عبد الجبار معزلی،  
ابوبکر جوہری کو فی مجہ مؤرخ عربین شیبہ۔ انہی کتابوں کے نام گنوا دئے اور تشہید المطالعین  
میں تحقہ کے جواب میں لکھی گئی ہے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ کسی معتبر کتاب میں صحیح مرفوع الاسناد  
حدیث میں دعویٰ ہبیرہ ثابت نہیں۔

اور علماء فضل نے ابطال الباطل میں لکھا ہے۔

اور جہاں تک ہبیرہ فدک کا تعلق ہے  
صحیح سند کے ساتھ صحاح ستہ میں موجود  
نہیں ہاں مؤرخین اپنے طور پر نقل کرتے  
میں صرف ان لوگوں کا نقل کر دینا خلفاء  
کی قدر کا سبب نہیں بن سکتا۔

واما دعویٰ فاطمہ فلم یصح  
فی الصحاح ویدکر وہما ملہ  
الاخبار من ارباب التواریخ  
ومجرد نقلہم لا یصیر سبب  
للقدرۃ فی الخلفاء۔

سید محمد قلی نے جن کتابوں کی فہرست دی ہے ان میں سے کسی ایک کتاب کے  
مصنف نے بھی کسی صحیح حدیث سے یہ بات پیش نہیں کی۔ جب حدیث میں اس  
بات کا سراغ نہیں ملتا تو ظاہر ہے کہ وہ اقوال مدار سے ہے اور اتوں علماء کو روایت  
نہیں کہا جاتا بہر حال یہ بزم غم خویش پیش کر وہ روایات دو قسم کی ہیں۔ اول وہ جن  
میں راویوں کے نام تفصیل سے مذکور ہیں۔ دوسری وہ جن میں بعض راویوں کے نام مذکور

ہیں۔ بعض جگہ صرف کتابوں کا نام ہے اب ہم دونوں قسم کی روایات کا جائزہ لیتے ہیں۔  
قسم اول میں شیعہ علماء نے چار حدیثیں پیش کی ہیں۔

(۱) ابن مردودہ سے بیان کی ہے جس کا پہلا راوی ابو الفتح عبدوس بن عبد اللہ ہمدانی ہے۔ آٹھواں راوی عطیہ کوفی اور نواں راوی ابو سعید  
(۲) پہلا راوی سید ابو حمید ہمدانی بارہواں راوی فضیل بن مرزوق تیرہواں راوی عطیہ  
کوفی آخری راوی ابو سعید۔

(۳) پہلا راوی محمد بن سلیمان اجددی، نواں فضیل بن مرزوق دواں عطیہ کوفی  
آخری راوی ابو سعید۔

(۴) پہلا راوی محمد بن عباس پانچواں فضیل بن مرزوق چھٹا عطیہ کوفی ساتواں ابو سعید  
ان چاروں روایتوں میں ابو سعید پر آ کر بات ختم ہوتی ہے۔ چاروں میں عطیہ کوفی  
موجود ہے تین میں فضیل بن مرزوق کا نام ہے۔ اس لیے ان تینوں کا تعارف کر دینا ضروری  
ابو سعید:۔ اس کا نام محمد بن صاحب کہیں ہے۔ دوسرا نام حماد بن صاحب کہیں ہے۔  
اسکی کنیتیں مختلف ہیں۔ پہلی کنیت ابو سعید ہے اس کنیت سے عطیہ کوفی کوئی شیعہ  
اس سے روایت کرتا ہے۔

دوسری کنیت ابو النصر ہے اس کنیت سے ابن اسحاق اس سے بیان کرتا ہے۔  
تیسری کنیت ابو الشام ہے اس کنیت سے قاسم بن ولید اس سے بیان کرتا ہے۔  
اس کی پہلی کنیت ابو سعید کے ساتھ "مذری" کا لفظ بڑھا کر اپنی اور دیگر لوگوں  
سب کو سموکا دیا جاتا ہے سنیوں کی کتابوں میں اسی ابو سعید کے ساتھ لفظ مذری بٹھا  
کہڑے فریب سے روایات داخل کر دی گئی ہیں۔ یہ تینوں حضرات مخالف شیعہ اور  
تقیہ باز ہیں۔

علامہ سخاوی نے شرح رسالہ منظوم جزری میں ابو سعید کا حال بیان کیا ہے۔

من اسماء مختلفة و نعوت متعددة محمد بن صاحب کلبی المفسر هو ابو  
النصر الذی روی عن ابن اسحاق۔ وهو حماد بن صاحب روی عنه ابو اسامہ

وهو ابو سعید الذی روی عنه عطیة الکوفی وهما انما الحدادی۔ وهما روی  
عنه القاسم بن ولید مات سنة مائة وست اربعین۔

ہمہ فہم کے متعلق دوسری قسم میں پانچ روایات بیان ہوئی ہیں۔  
(۱) یہ روایت کنز العمال اور تاریخ حاکم سے لی ہے اس کا سلسلہ روایت ابو سعید پر  
ختم ہوتا ہے۔

(۲) درمنثور سے بلا سند نقل کی گئی ہے بعض شیعہ علماء نے اس روایت کے ساتھ  
یہ بھی بڑھا دیا ہے کہ اخبرنا بلزار ابو یعلیٰ فی مسندہ ما بن ابی حاتم وابن مردودہ  
اس کا سلسلہ بھی ابو سعید پر ختم ہوتا ہے۔

(۳) کتاب کا نام نہیں لیا صرف دو راوی فضیل بن مرزوق اور عطیہ کوفی بیان  
ہوئے ہیں یہ روایت بحار الانوار کی کتاب الفتن میں ہے۔

(۴) سنی کتاب کا نام نہیں مگر عطیہ کوفی، بشر بن ولید، واقدی اور بشر بن غیاث  
راویوں کے نام مذکور ہیں یہ سب غالی لافضی ہیں۔

(۵) معارج النبوة اور مقصد اقصیٰ سے لی ہے۔ سند مخدوم ہے۔

معارج النبوة ایک مولودی رسالہ ہے ایک شاعرانہ تخیل ہے۔ تحقیق کے  
میدان میں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ اور مزے کی بات یہ ہے صاحب  
معارج النبوة نے خود اسے ناقابل اعتبار قرار دیا ہے

ان دونوں قسم کی روایات کی اسناد پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ  
۱۔ ایک دو کے بغیر سب کا سلسلہ اسی ابو سعید پر ختم ہوتا ہے جو محمد بن صاحب کہیں  
ہے جو مانا ہوا کذاب اور لافضی ہے۔ باقی روایات میں عطیہ کوفی اور فضیل بن مرزوق  
موجود ہیں جو اسی کہیں کے ہم مشرب ہیں۔

۲۔ ہمہ فہم کے نبوت میں کوئی ایک بھی ایسی حدیث نہیں پیش کی گئی جو صحیح اور  
مرفوع السنہ ہو اور نہ کوئی ایسی حدیث مل سکتی ہے۔

## ہبیرہ فدک کی تفصیل اور اس کی تاریخ

شیخہ کا کہنا ہے کہ آیت ذات القربیٰ حق نازل ہوئی تو حضور اکرم نے فدک کی زمین حضرت فاطمہ کو ہبیرہ کر دی۔

تاریخ کے اوراق سے اس دعویٰ کی حقیقت کا سراغ لگانا چاہیے۔

(۱) اصول کافی صفحہ ۱۶ اور صفحہ ۱ : ۳۵۹ جز سوم حصہ دوم میں اس آیت کے نزول کے سلسلے میں امام باقر کی روایت موجود ہے کہ

ان الله عز وجل انزل عليه في سورة بني اسرائيل  
بمكة وقضى ربك ان  
لا تعبدوا الخ۔

دو چوں آیت ذات القربیٰ احقر در کتب نازل  
شده چنانچہ می آید در حدیث اول ....

صاف ظاہر ہے کہ یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی۔ اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مکہ سے ہجرت کر جانے کے سات سال بعد مکہ میں فدک کی زمین حضور کے قبضہ میں آئی۔ اب اس دعویٰ کے دونوں حصوں پر غور کیجئے۔

(۱) جب آیت ذات القربیٰ نازل ہوئی (۱) تو حضور نے فدک کی زمین حضرت فاطمہ کو ہبیرہ کر دی۔ دعویٰ میں ”جب“ کے بعد ”تو“ آتا ہے اور تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو اس گتھی کو سلجھانا مشکل نظر آتا ہے کہ ہجرت میں ابھی قبضہ میں آئی نہیں وہ برسوں پہلے ہبیرہ کر دی گئی۔

(۲) حیاة القلوب ۲ : ۳۰۳ پر آیت کے متعلق ایک اور بیان ملتا ہے۔

حضرت پیداز جبریل کہ ذات القربیٰ کیست  
وحق او چیست گفت این را بشاطر مدبره  
کہ میراث اوست از مادرش خدیجہ بنت ابی طالب  
ہندہ دختر ابی ہالہ۔

حضور نے جبریل سے پوچھا۔ ذات القربیٰ  
کون ہیں اور ان کا حق کیا ہے۔ کہا کہ یہ فاطمہ  
کو دے دیجئے کہ اس کا ورثہ ہے اس کی والدہ  
خدیجہ اور انکی بہن ہندہ کے مال سے۔

اس روایت سے ظاہر ہے کہ

(۱) فدک کی جاگیر حضور کی ملکیت نہیں تھی بلکہ حضرت خدیجہ اور ہندہ کی ملکیت تھی کیونکہ جبریل نے ان کی میراث فاطمہ کو دینے کا حکم پہنچایا۔

(۲) اس سے ہبیرہ کے دعویٰ کی نفی ہو گئی کیونکہ جس چیز کے حضور مالک نہیں تھے اسے ہبیرہ کرنے کا مطلب کیا ہوگا۔

(۳) فدک کا یہود کی بستی ہونا بھی غلط نظیرا۔ جب حضرت خدیجہ اور ہندہ اس زمین کی مالک تھیں تو کیا یہود اس جاگیر میں بطور مزارع کام کرتے تھے۔

(۴) جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور کو جبریل سے پوچھنے کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ذات القربیٰ کون ہیں ان کا حق کیا ہے۔ اس سے پہلے آپ یہ دونوں باتیں نہیں جانتے تھے (معاذ اللہ)

(۵) تقسیم میراث کا معاملہ اتنے طویل عرصہ تک تاخیر کی نذر کیوں ہو گیا حضرت خدیجہ تو مکہ میں انتقال فرما گئیں اور حضور مکہ سے ہجرت بھی کر گئے سات برس گزر گئے تو اتنی دیر سے میراث کی تقسیم کا حکم ملا۔ حضرت فاطمہ کو تو ماں کے انتقال کے فوراً بعد جاننا دہلنی چاہیے تھی۔

۳۰۳ بیجئے اب واقعات نیارخ اختیار کرتے ہیں۔

حیاة القلوب ۲ : ۲۱۸ حضور فرماتے ہیں۔

و ما در تو خدیجہ ہرے بر من داشت  
ومن فدک را بعوض آن بتو بخشیدم کہ  
از تو باشد و بعد از تو بفرزند ان تو باشد  
اس روایت سے معلوم ہوا کہ :-

تیری والدہ خدیجہ کا ہر میرے ذمہ تھا اس  
کے عوض میں نے فدک تجھے دے دیا۔ اب یہ  
تیرا مال ہے اور تیرے بعد تیرے بیٹوں کا مال ہے

(۱) حضور نے حضرت خدیجہ کے انتقال تک معرہ ادا نہ کیا۔

(۲) فدک کی زمین حضور کی ملکیت تھی۔ مال نے نہیں تھا۔

یہ حقیقت نہیں کھلی کہ اگر یہ مال نے نہیں تھا تو حضور کے ہاتھ کیسے آیا۔



مگر اسی حیاة القلوب میں ۲: ۹۲ پر مہر کی بروقت ادائیگی کا ذکر موجود ہے۔  
تزوینج کردم بتو ای محمد نفس خود را  
مہر من در مال من است۔

یعنی مہر تو حضرت خدیج نے اپنے ذمہ لے لیا۔ اس کی ادائیگی حضور کے ذمہ  
نہ رہی۔ پھر مہر کی مقدار کے متعلق دو مختلف روایتیں ملتی ہیں۔

(۱) حیاة القلوب ۲: ۹۱

بعد از وی (ای ہند) رسول خدا اور  
بجائے خود آورد و دوازده اوقیہ طلا مہر  
گردا بند۔

(۱۱) حیاة القلوب ۲: ۹۲ پر ہے۔  
پس گواہ با شیداے گردہ قریش کہ من  
تزوینج کردم خدیجہ دختر امجد بن عبد اللہ  
بچہار صد اشرفی مہر۔

ان تمام روایات اور اس تاریخی تفصیل کا خلاصہ یہ ہوا کہ

- (۱) آیت و ات ذالقرنی حقہ کے نزول کے وقت حضور نے فدک کی زمین حضرت فاطمہ کو ہب کر دی (جو آیت کے نزول کے کم از کم سات برس بعد حضور کے قبضہ میں آئی)
- (۲) اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل کے ذریعے حکم بھیجا کہ فدک کی زمین خدیجہ اور ہندہ کی ہے اس کی وارث فاطمہ ہے لہذا انہیں یہ میراث دے دی جائے۔
- (۳) حضور نے حضرت خدیجہ کے مہر کے بدلے فدک کی زمین حضرت فاطمہ کو دی۔
- (۴) حضرت خدیجہ نے اپنا مہر خود اپنے ذمے لیا جس کا اعلان نکاح کے وقت کیا۔
- (۵) مہر کی مقدار ۱۲ اوقیہ سونا مقرر ہوئی۔

(۶) مہر ۱۰۰ اشرفی مقرر ہوا۔

گویا ضرورت ہے ایک امیر خسرو کی جو یہ ان مل الیہ جوڑ باتیں اور متضاد بیانات

ایک ایسے مربوط شعر میں بیان کرے کہ تضاد رفع ہو جائے۔

اعطائے فدک کی روایت شیعہ حضرات سنی مفسرین کے حوالہ سے بیان کرتے  
ہیں۔ مثلاً روح المعانی ۱۵: ۶۲

اخرج البزار والبیہقی وابن حاتم وابن مردويه عن ابی سعید الخدری

اور ابن کثیر ۳: ۳۶

وقال المحافظ ابوبکر البزار حد ثنا عبد بن يعقوب حد ثنا يحيى التميمي حد ثنا  
فضيل بن مرزوق عن عطية عن ابی سعید قال لما نزلت و ات ذالقرنی لودعا رسول اللہ عالم  
فاعطاها فدک لودعم اساده لان الاية مكية وفدک انه فتح مع خيبر سنة سبع من الهجرة فكيف  
يلتم هذا مع هذا اذا حديث منكر ولا شبهة انه من وضع الروافضة۔

اور تفسیر مظہری ۵: ۳۳۳

اخرج ابن حاتم عن السدي واخرجه الطبراني وغيره عن ابی سعید الخدری قال لما  
نزلت و ات ذالقرنی لودعا رسول اللہ فاطمة واعطاها فدک وروى ابن مردويه عن ابن  
عباس مثله ای عن فضيل بن مرزوق عن عطية عن ابی سعید الخدری۔

ان تینوں روایتوں میں بات ابوسعید پر ختم ہوتی ہے۔ روح المعانی اور مظہری میں  
ابوسعید کے ساتھ خدیجہ بھی ہے۔ ابن کثیر میں خدیجہ نہیں ہے۔ یہ ابوسعید وہی محمد بن سائب  
کلبی ہے لیکن فن کاروں نے کنیت کے ساتھ خدیجہ لگا کر اصل آدمی کو پھینکا دیا ہے۔ مگر  
فضیل بن مرزوق اور عطیہ تو موجود ہیں یہ دونوں اس ابوسعید سے روایت کرتے ہیں جو محمد  
بن سائب کلبی ہے۔ ابوسعید خدری سے روایت نہیں کیا کرتے۔ ابن کثیر نے اس  
کی سند سے مراد نظر کرتے ہوئے اس کے تاریخی تضاد کی وجہ سے اسے موضوع اور  
روافض کی کوشش کا نتیجہ قرار دیا ہے۔

شیعہ علماء اس سلسلے میں جو روایتیں پیش کرتے ہیں ان کی کل تعداد گیارہ  
ہے۔ اب ان کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

(۱) پہلی روایت جو شیعہ علماء اور مناظر پیش کرتے ہیں اس کے راوی ہش بن غیاث

بشر بن دلہاد اور واقدی ہیں۔

(۲) ابن مردودیہ سے لی ہے جس میں فضیل بن مرزوق، عطیہ اور ابوسعید ہذری ہیں۔

(۳) تفسیر مجمع البیان ہے۔ اس میں فضیل بن مرزوق، عطیہ اور ابوسعید ہیں۔

(۴) طبری نے تفسیر میں لی ہے اس میں فضیل بن مرزوق، عطیہ اور ابوسعید ہیں۔

(۵) ملا باقر مجلسی اپنی کتابوں میں بیان کرتے ہیں اس میں یہی تینوں راوی ہیں۔

(۶) شیخ عالم سید ابن طائس نے لی ہے اس میں یہی تیسوں راوی ہیں۔

(۷) شوستر نے احقاق الحق میں ابن مردودیہ سے لی ہے اس میں یہی تینوں راوی ہیں۔

(۸) درمنثور سے لی گئی ہے۔ استاد حذف کر دیا ہے۔

(۹) کنز العمال سے لی ہے۔ اس میں سند کا سلسلہ ابوسعید پر ختم ہونا ہے۔

(۱۰) ردی السیوطی فی تفسیر الامم المنور فی ذیل تفسیر آیت ذات القربی الخ و آخر جہ البرار و ابو

یعلیٰ و ابن ابی حاتم و ابن مردودیہ عن ابی سعید الخدری۔

(۱۱) شیعلی سے نقل کی واقعہ علی بن الحسین کا ہے کہ اس نے ذات القربی سے قرابت

رسول مراد لی ہے مگر اس میں فدک کا ذکر موجود نہیں۔

ان روایات میں جن راویوں پر سند کا مدار ہے ان کے اوصاف یہ ہیں۔

واقدی۔ کذاب، رافضی، بشر بن غیاث، زندیق، کافر یہودی کا بیٹا تھا۔

ابوسعید جو اصل ماخذ اور منبع ہے اس کے اوصاف یہ ہیں۔

عطیہ کوئی شیعہ، عباد بن یعقوب: من غلاة الشيعة و رؤس البدع (میزان الاعتدال

ان عباد بن یعقوب کان یشتم السلف و قال صائر حرزہ کان عباد بن یعقوب یشتم عثمان

وکان داعیا الی الرفض و مع ذلك یروی المناکیر من المشاہیر فاستحق الترتیب

فضیل بن مرزوق: قال النسائی ضعیف و کذا ضعفہ سجدت و کان معروفًا بالشیعہ و قال ابن

الحبان منکر الحدیث جد او مروی عن عطیہ الموضوعات قلت عطیہ ضعف منہ (میزان الاعتدال)

اس تفصیل سے ان روایات کے راویوں کا کردار سامنے آ گیا۔ اصول یہ ہے کہ سند

حدیث میں اگر ایک راوی غیر معتبر ہو تو پوری حدیث نیز معتبر قرار دی جاتی ہے۔ ان روایات

میں تو سارے کے سارے راوی کذاب اور شیعہ ہیں جن کے نزدیک جھوٹ بولنا عبادت

ہے بلکہ پڑھ دین تو اسی تفریق میں نہیں ہے پھر ان روایات پر اعتبار وہی کر سکتا ہے جو جھوٹ

کو سچ سمجھتا ہو۔ سوال یہ نہیں کہ فلاں فلاں کتابوں میں ہمبر فدک کا ذکر ہے بلکہ سوال یہ ہے

کہ دعویٰ ہمبر فدک کسی صحیح الاسناد و مرفوع حدیث سے ثابت ہے یا نہیں تو ظاہر ہے

کہ ایسی کوئی حدیث موجود نہیں ہے۔

رباعی علمائے متکلمین کا معاملہ تو اس کے متعلق شرع عقائد و مسائل پر وضاحت موجود ہے۔

شیعوں کے دلائل من گھڑت ہوتے ہیں

یا غیر واضح الدلائل علی المطلوب ہوتے

ہیں لہذا کوئی تعارض نہ رہا۔ کتب حدیث

پر نظر ہو تو یہ امر واضح ہو جاتا ہے لیکن

متکلمین حضرات تو علم حدیث سے کونوں

دور ہیں۔

یعنی متکلمین کا کسی حدیث کے متعلق کچھ کہہ دینا حجت نہیں ہوتا۔ یہ فن محدثین سے

تعلق رکھتا ہے پھر یہ کہ حکمکین میں سے بھی جو سنی مشہور ہیں تحقیق میں شیعہ ہوتے

ہیں مثلاً شہرستانی جس کے متعلق امام ابن تیمیہ نے منہاج السنہ میں لکھا ہے۔

سلام شہرستانی بہت سے امور میں شیعوں

کی طرف میلان رکھتا ہے بلکہ احیانا شیعوں

کے فرقہ اسماعیلیہ کے عقائد بیان کرتا ہے

اسی لیے اسے اسماعیلیہ ہونے سے متم کیا

جاتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے وہ شیعہ تھا

مخبر یہ کہ شہرستانی کا رجحان شیعہ کی طرف

ہے۔ دلیل کے طور پر شہرستانی کا حوالہ دینا

جابل آدھی ہی دے سکتا ہے۔ شہرستانی

اما دلۃ الشیعة فاما موضوعات

او غیر واضحۃ الدلۃ فلا تعارض

وینکشف هذا بالنظر

فی کتب الحدیث لکن

علماء الکلام بسر اهل من علم

الحدیث۔

بل یبیل الشہرستانی کثیرا الی اشیاء

من امور ہم بلیدہ کوا حیانا اشیاء من

کلام الاسماعیلیہ ولہذا اتعمد بعض الناس

بانه من الاسماعیلیۃ وقد

یقال ہو مع الشیعة وبالجملة

فالشہرستانی یظہر السبیل

الی الشیعة ولا یجتہم بما الامن جاہل

وان ہذا الرجل یعنی الشہرستانی کان کاشف

بالشیعة العامر واتصال وانہ دخل  
فی احوالہم بسا ذکیرہ فی ہذا کتاب  
یعنی الملل والنحل۔

کو شیعہ سے خاص تعلق تھا۔ الملل والنحل  
میں جو کچھ اس نے لکھا ہے اس سے ظاہر  
ہے کہ وہ سچے بدعات میں شامل تھا۔

شہرستانی منکلم کی تحقیقت تو سامنے آگئی اس کے علاوہ جن حکلمیین کا شیعہ  
علماء نے ذکر کیا ہے انہوں نے حدیث ہمہ فدک کی صحت اور عدم صحت کی طرت تو جہہ ہی  
نہیں کی اگر وہ لوگ اصول حدیث کے مطابق اس حدیث پر بحث کرتے پھر ہمہ کا  
ذکر کرتے تو کوئی بات بھی تھی محض ان لوگوں کا ہمہ فدک کا ذکر کر دینا کوئی حجت نہیں۔  
صواعق محررقہ کا حوالہ پیش کرنا بھی کوئی مفید مطلب بات نہیں اس کتاب میں  
اور دوسری ایسی کتابوں میں یہ کہا گیا ہے کہ اگر دعویٰ ہمہ فدک صحیح ہے تو جواب یہ  
ہے۔۔۔۔۔ "لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر دعویٰ ہمہ فدک صحیح تسلیم کر لیا  
جائے تو جواب بنانے کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے۔"

## اعمال صالحہ

زندگی کے دو پہلو ہیں اول نظریہ یا عقیدہ جس کی حیثیت وہی ہے جو ایک  
درخت کیلئے بیج کی ہوتی ہے یہی حصہ انسان کی عملی سرگرمیوں کا اصل محرک ہوتا ہے۔  
دوسرا حصہ عمل ہے۔ عمل کے حسن و قبح کا دار و مدار نظریہ اور عقیدہ پر ہوتا ہے جیسے  
نظریات ہوں گے اسی قسم کے اعمال بھی انسان سے سرزد ہوں گے۔ اس لیے اسلام  
نے فلاح اور کامیابی کا انحصار ایمان اور عمل صالح پر رکھا۔ قرآن حکیم میں "منعوا عملا  
الصالحات کا تکرار اس کثرت سے ہوا ہے کہ یہ تحقیق دھکی چھپی نہیں رہی۔ ایمان صحیح  
کے مطابق عملی زندگی کا نقشہ بنے تو ایسے اعمال کو اصطلاح شرع میں عمل صالح کہتے ہیں۔

گذشتہ اوراق میں شیعہ حضرات کے عقائد کی وضاحت ان کی اپنی معتبر کتب حدیث  
دفقہ سے کی جا چکی ہے اب ان کے اعمال صالحہ کا مجمل سا بیان کر دینا مناسب ہے تاکہ  
زندگی کے دونوں پہلو سامنے آجائیں۔ اعمال صالحہ میں سرفہرست نماز کا نام آتا ہے۔ اس  
سے پہلے ہم اذان کا بیان کرتے ہیں۔

اذان :-

اسلام میں اذان کی حیثیت، علامت یا شعار کی ہے اور عبادت کی بھی۔ جہاں تک  
پہلی بات کا تعلق ہے تاریخ شاہد ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین  
کے زمانہ میں یہ معمول تھا کہ جب کسی بستی پر پھلی رات حملہ کرنے کا ارادہ ہوتا تو صبح کی  
اذان کا انتظار کرتے تھے۔ اگر اس بستی سے اذان کی آواز آتی تو معلوم ہو جاتا کہ  
یہ مسلمانوں کی بستی ہے چنانچہ حملہ موقوف کر دیا جاتا گویا اجتماعی زندگی میں اذان کفر و



ظاہر ہے کہ متذکرہ بالا اضافہ شیعوں نے نہیں کیا البتہ شیعوں نے اس ایجاد کو قبول کر کے اپنالیا۔ جب اضافہ کرنے والے اسے قبول کرنے والوں کی نگاہ میں ملعون ہیں تو خود قبول کرنے والوں کے ملعون ہونے میں کونسا امر مانع ہو سکتا ہے۔  
 فرقہ مفوضہ شیعوں کا ہی ایک فرقہ ہے جو نبی کریم اور حضرت علی کے متعلق یہ تسلیم کرتے ہیں کہ کاروبار عالم ان کو سونپ دیا گیا ہے۔ امام جعفر صادق مفوضہ کے متعلق فرماتے ہیں۔

من زعم ان الله عزوجل فوض امر الخلق  
 والذوق الى حجة عقده كل بالتفويض  
 والقائل بالجبر  
 كافر والنائل بالتفويض  
 مشرک۔

(عمیون اخبار الرضا : ۱۰۱)

یعنی فرقہ مفوضہ امام کی نگاہ میں مشرک ہے اور شیخ صدوق کی نگاہ میں ملعون ہے۔ اور علی ولی اللہ کا اضافہ مفوضہ نے کیا۔ شیعوں نے نہیں کیا۔

ان فیصلوں کا حاصل یہ ہے کہ عقیدہ تفویض کی وجہ سے فرقہ مفوضہ مشرک ہے اور اذان میں اضافہ کی وجہ سے ملعون ہے۔ مگر شیعوں نے ان کے فعل کو حق تسلیم کر کے ہی یہ اضافہ اپنی اذان کا جزو بنایا۔ تو انہیں کیا سمجھنا چاہیے؟

امام جعفر کا ایک قول ہے کہ ”مؤذن امین ہوتا ہے“ مگر شیعہ نے اپنی اذان میں مفوضہ کا ایجاد کردہ اضافہ شامل کر کے خیانت کا ثبوت دیا ہے کیونکہ یہ الفاظ اصل اذان میں نہیں ہیں۔

مفوضہ سے اضافوں میں ”خلیفۃ بلا فصل“ کے الفاظ ہمیں ہیں اس لیے ثابت ہوا کہ یہ اضافہ مفوضہ نہیں کیا۔ اب سوال یہ ہے کہ کس نے کیا؟ ظاہر ہے کہ وہ شیعہ کے بغیر اور کون ہو سکتا ہے۔ جب اذان میں علی ولی اللہ کا اضافہ کرنے والے ملعون ٹھہرے تو

اس جملہ کے بڑھانے والے کیوں نہ ملعون ہوئے۔

اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ چوتھی صدی ہجری تک شیعوں کی اذان میں خلیفۃ بلا فصل کے الفاظ نہیں تھے۔ اس کے بعد اس خیانت کا ارتکاب کیا گیا۔

ایک اور شیعہ محقق جو شیعہ کے ہاں شہید اول کے لقب سے ملقب ہیں اپنی کتاب ملعونہ و مشقیہ ۱: ۲۰ پر فرماتے ہیں۔

ولا يجوز اعتقاد شرعية غير هذه الفصول  
 في الاذان والاقامة كما تشهد بالولاية لعل وان  
 محمد وال محمد خير البرية او خير البشرية و  
 ان كان الواقع كذلك فما ل واقع حقا يجوز  
 او غالي في العبادات الموافقة شرعا المحذورة  
 من الله تعالى فيكون  
 ادخال ذلك فيها بدعه  
 تشريعا كما زاد في الصلوة  
 ركعة او تشهدا۔

اذان اور اقامت میں کسی کلمہ کا اضافہ کرنا شرعاً ناجائز ہے جیسے ولایت علی کی شہادت یا عیوب البریہ کی شہادت وغیرہ گو یہ ایک حقیقت ہے مگر یہ حقیقت کا منصوبہ میں داخل کرنا بدعت ہے اور نئی شریعت بنانا ہے۔ جیسا کہ کوئی منازعہ میں رکعت کا یا تشهد کا اضافہ کر دے تو یہ نئی شریعت بنانا ہوگا۔

صاحب ملعونہ و مشقیہ شیعہ کے نزدیک شہید اول ہیں اور اس کتاب کے شارح جو روضہ بہیہ کے مصنف ہیں وہ شہید ثانی ہیں اور نور اللہ شوشتری شہید ثالث ہے اس ترتیب سے ہی صاحب ملعونہ و مشقیہ کا مقام اور مرتبہ ظاہر ہے۔ اور اس کتاب کے شارح علی بن احمد دسویں صدی کے علماء میں سے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ دسویں صدی ہجری تک شیعہ نے اپنی اذان میں خلیفۃ بلا فصل کا اضافہ نہیں کیا تھا گو وہ اذانے قبول کر لیے تھے جو ملعونوں نے ایجاد کئے تھے۔ مگر بلا فصل والا اضافہ دسویں صدی کے بعد ہی اذان کا جزو بنایا گیا۔ پہلے محقق نے اذان میں اضافہ کرنے والوں کو ملعون قرار دیا۔ دوسرے محقق نے بدعتی اور نئی شریعت بنانے والے کیا۔ بہر حال شیعہ کا اصل مقام اپنے اکابر کے نزدیک تو متحقق ہو گیا کہ اذان میں اضافہ کر کے آدمی ملعون ہی ہوتا ہے بدعتی ہی اور جماعت سے خارج بھی ہوتا ہے۔

اصل اذان کے متعلق شیخ صدوق کی ایک اور تحقیق ملاحظہ ہو۔

عن ابی عبد اللہ قال لما امری بصدوق  
اللہ وحضرت الصلوٰۃ فاذا ن جبریل  
فما قال اللہ اکبر اللہ اکبر قالت  
الملائکۃ اللہ اکبر اللہ اکبر فلما  
قال اشهد ان لا اله الا اللہ قالت  
الملائکۃ خلع الانداد فلما قال  
اشهد ان محمدا مرسل اللہ قالت  
الملائکۃ بنی بعت فلما قال علی علی الصلوٰۃ قالت الملائکۃ  
حت علی حبادۃ ربہ فلما قال علی علی الفلاح  
قالت الملائکۃ افلح من ابنتہ  
رمحانی الاخبار صفحہ ۳۱

امام جعفر فرماتے ہیں کہ معراج کی رات کو جب  
رسول کریم کو سیر کرانی گئی اور نماز کا وقت  
آگیا تو جبریل نے اذان کی کسی جب انہوں  
نے اللہ اکبر کہا تو فرشتوں نے بھی اللہ اکبر  
کہا جب انہوں نے اشہدان لا الہ الا اللہ  
کہا تو فرشتوں نے کہا کہ شرک سے بری ہو  
گیا جب انہوں نے اشہدان محمد رسول اللہ  
کہا تو فرشتوں نے کہا نبی مبعوث ہوا ہے۔  
جب ہی علی الصلوٰۃ کہا تو فرشتوں نے کہا  
کہ عبادت کرنے کی حرص دلائی جب ہی علی الفلاح  
کہا تو فرشتوں نے کہا کہ خجابت پاگیا جس نے اتباع کی۔

خیال رہے کہ یہ فرمان امام جعفر کا ہے اور بیان شیخ صدوق کا ہے کہ شب معراج جب  
حضور اکرم بیت المقدس پہنچے تو تمام انبیاء کی امامت کرائی۔ اذان جبریل نے کسی یہ وہی  
اذان ہے جو اصل ہے اور اہل سنت کے ہاں معمولی ہوا ہے یعنی جبریل نے ہی وہی  
اصل اذان کی فرشتے اور انبیاء بھی اس اذان سے واقف تھے۔

اذان کا حکم تو مدینہ طیبہ میں ہوا۔ اور معراج مکہ مکرمہ میں ہوا گو یا اللہ تعالیٰ نے معراج  
میں حضور اکرم کو جبریل کے ذریعے مطلع کر دیا کہ یہی اذان آپ کی امت کے لیے ہوگی لہذا  
اس اصل اذان میں اگر کوئی اضافہ کیا جائے گا تو رسول اس سے بری ہے اس لیے اس  
رسول کا کوئی امتی اصل اذان میں اضافہ کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ ہاں رسول سے باہمی  
ہو کر جو چاہے کرتا پھرے۔

اسی معانی الاخبار کے صفحہ ۳۱ پر شیخ صدوق نے پورا ایک باب اذان اور اقامت  
کے الفاظ کی تعداد بیان کرنے میں باندھا ہے اس میں جو روایت بیان کی گئی ہے ان میں

پہلے امام باقر ہیں وہ اپنے والد زین العابدین سے وہ امام حسین سے وہ حضرت علی سے بیان  
کرتے ہیں۔ گویا تمام امام اس اذان میں متفق ہیں اس میں چار بار اللہ اکبر دو بار اشہدان لا الہ  
الا اللہ دو بار اشہدان محمد رسول اللہ پھر دو بار علی الصلوٰۃ پھر دو بار جی علی الفلاح  
ہے۔ اس اذان میں نہ تو اشہدان امیر المؤمنین علی ولی اللہ ہے نہ خلیفۃ بلا فصل ہے۔  
جس سے ظاہر ہے جو اذان شیعوں میں مروج ہے ائمہ کرام اس سے بری الذمہ ہیں۔ یہ  
سب سبائیوں کی کارستانی ہے۔

پھر اسی معانی الاخبار کے صفحہ ۳۱ پر تفصیل دی گئی ہے کہ حضور جب چڑھے آسمان پر  
پہنچے تو ساتویں آسمان سے ایک فرشتہ اتر آیا اور اذان کی (وہی اذان جو اصل ہے اور  
اہل سنت میں مروج ہے) پھر اقامت کی اس میں تقاضا صلوٰۃ بڑھایا پھر حضور نے  
فرشتوں کی امامت کی۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ

- ۱۔ آسمان پر فرشتوں میں وہی اصل اذان کی گئی جو اہل سنت کہتے ہیں۔
- ۲۔ بیت المقدس میں جبریل نے وہی اذان کی۔
- ۳۔ شہید اول نے تسلیم کیا کہ اصل اذان میں پہلا اضافہ ملعون فرقہ مغمونہ نے کیا۔
- ۴۔ شارح لمعہ مشقیہ نے واضح کر دیا کہ دسویں صدی ہجری تک اذان میں خلیفۃ بلا فصل  
کا اضافہ نہیں ہوا تھا۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ شیعہ نے پہلے تو ملعون فرقہ کے اضافہ کو قبول کر کے پھر دسویں  
صدی کے بعد اپنی طرف سے ایک اور اضافہ کر کے اپنے آپ کو اسی مقام پر لاکھڑا کیا۔  
اگر یہ اصول تسلیم کر لیا جائے کہ دین، اہل دین کا اپنا ہے لہذا انہیں حق پہنچتا ہے  
کہ اپنی چیزیں ترمیم و ترمیم کی پیشی کرتے رہیں۔ ہاں اگر دین اللہ اور رسول کا ہوتا اہل دین  
کا کام صرف اللہ اور رسول کی اطاعت ہوتا ہے۔ غالباً اسی اصولی فرق کی وجہ سے اذان  
میں اضافے ہوتے رہے۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ آئندہ اضافے نہیں ہوا کریں گے۔

## ۲۔ نماز

دین اسلام میں عقیدہ اور ایمان کی درستگی کے بعد عملاً انسان کی جنسیت بدل جانے کا مظاہرہ جس عمل سے ہوتا ہے وہ اقامت صلوٰۃ ہے۔ قرآن پاک میں ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کا بیان بلا فصل ہوتا ہے اور ان میں ہر فرست نماز کا بیان ہوتا ہے۔ اس لیے تارک نماز گناہگار یا فاسق منصوص ہوتا ہے البتہ اس کا منکر دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

شیعہ کے نزدیک نماز کی اہمیت کا یہ عالم ہے کہ تارک صلوٰۃ کو بھی کافر قرار دیا گیا ہے چنانچہ حق الیقین اور انوار نعمانیہ میں وضاحت کی گئی ہے۔

ان الاصحاب رضوان الله عليهم قيدا والاختيار  
الدالة على تكفير تارك بتاركها عمدا  
مستحلا لذلك التارك محضاً ثم ترتبت  
هذه العقوبات على ذلك التارك  
ولكن الاحاديث الواردة  
يكون تارك الصلوة كافر احياناً  
من هذه القيد

(حق الیقین ص ۲: ۲۳۲)

ظاہر ہے کہ اگر نے مطلق بے نماز کو قطعی کافر قرار دیا ہے البتہ اصحاب شیعہ نے اس بے نماز کو کافر کہا ہے جو عمداً نماز ترک کرے اور اس فعل کو جائز سمجھے۔ اصحاب شیعہ نے جو بجا بیت دی ہے اس سے ترک نماز کا گناہ تو بھلا ہو جاتا ہے مگر اس سے اللہ کی مخالفت ضرور ہوتی ہے۔

اللہ کے نزدیک ترک صلوٰۃ کفر ہے اور اس سے میل بول رکھنا گناہ کبیرہ ہے۔

ان من تبسم في وجه تارك الصلوة  
فكما هدم البيت المعمور سبع  
جو شخص بے نماز شیعہ کے ساتھ نمند و پیشانی  
سے پیش آیا اس نے گویا بیت المعمور زونڈوں

مرات وكانما قتل الف ملك من الملائكة  
المقربين والانبيا والمرسلين.

(انوار نعمانیہ ۲: ۲۳۲)

کالعبہ کو سات بار گرایا اور ایک ہزار  
مقرب فرشتہ اور نبی مرسل کو قتل کیا۔

بے نماز کی نحوست کا یہ عالم ہے کہ محض اس کے ساتھ خندہ روئی سے پیش آنا اتنا  
بڑا جرم ہے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ترک نماز خود کتنا بڑا جرم ہے۔ قرآن نے  
ایک عام مومن کے قاتل کی سزا مخلود فی النار بیان کی ہے تو ایک ہزار انبیاء کے قاتل  
کی سزا کیا ہوگی۔

اسی کتاب کے اسی صفحہ پر ارشاد ہوتا ہے۔

ومن اعان تارك الصلوة بلفظة او كسرة  
فكانما قتل سبعين نبياً.

جس نے بے نماز کو ایک لقمہ روٹی کا دیا  
اس نے گویا ستر انبیاء کو قتل کیا۔  
ظاہر ہے تارک نماز سے مکمل بائیکاٹ کا حکم ہے وہ بال برابر امداد کا مستحق نہیں  
لیکن اس کے باوجود ملنگوں کے وارے نیارے ہیں۔  
پھر اسی صفحہ پر آگے ارشاد ہوتا ہے۔

لا ايمان لمن لا صلوة له ولا حظ في الاسلام  
لمن لا صلوة له. ومن احرق سبعين مصففا  
وقتل سبعين نبياً وثمانم امه سبعين  
مرة واقتضى سبعين بكرة بطريق  
الذمار فهو اقرب الى رحمة الله من  
تارك الصلوة.

بے نماز بے ایمان ہے اسلام میں اس  
کا کچھ حصہ نہیں اور جو شخص ستر قرآن مجید جلا  
وسے ستر انبیاء کو قتل کرے، اپنی ماں سے ستر  
بار زنا کرے اور ستر کنواری لڑکیوں سے زنا  
کرے وہ شخص اللہ کی رحمت کے زیادہ قریب  
ہے جو بقائل اس شخص کے جو نماز ترک کرے۔  
یہ وعیدیں تارک صلوٰۃ کے لیے ہیں۔ اور ترک صلوٰۃ باجماعت بھی ایسی وعیدوں کا  
مستحق ہے۔

قال النبي من لم يحضر الجماعة ثلاثاً  
ايا ممتراً ليه فعليه لعنة الله والملائكة

رسول کرتے م نے فرمایا جو شخص تین روز متواتر  
نماز باجماعت نہ پڑھے اس پر اللہ کی لعنت

والناس اجمعین۔ فان تروج  
فلا تزوجوا وان مرن فلا  
تعودوا الا فلاصلوة ولا صوم ولا  
زکوة لہم فلا حج لہم ولا جہاد لہم  
(انوار نعمانیہ ۲: ۲۲۲)

گو یا ترک جماعت سے تمام اعمال ضائع ہو گئے۔ تیسرے وہ بھی کفر کی زد میں آ گیا۔  
ان احادیث اور روایات سے صاف ظاہر ہے کہ تارک نماز مرف کافر ہی نہیں  
بلکہ انبیاء کے قاتل کی مانند ہے۔ اور محاشرے میں اس کا مقام یہ ہے کہ اپنی ماں سے زنا  
کرنے والے سے بھی گیارہا ہے۔ اور تارک نماز سے میل جول رکھنے والا گناہ کبیرہ کا مرتکب  
ہے۔ ان تعلیمات کی روشنی میں شیعہ حضرات کے عمل اور انکی عادت کا جائزہ لیا جائے  
تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں نمازیوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں اس لیے جو  
بے نماز ہیں وہ تو کفر کے دائرہ میں چلے گئے۔ اور جو نماز پڑھا کرتے ہیں وہ بے نمازوں سے  
میل جول رکھنے کی وجہ سے سزا سے کیسے بچ سکتے ہیں۔

بے نماز کے تفصیلی مناقب دیکھنے ہوں تو جامع الاخبار کا مطالعہ کیجئے جو شیعہ کی معتبر  
کتاب ہے عقائد کے باب میں عقیدہ آخرت کے تحت جزا و سزا کا جو قانون بیان ہوا ہے اس  
کا منشا تو یہ ہے کہ شیعہ کو نماز وغیرہ کا تکلف کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ غالباً اسی وجہ  
سے ان کے ہاں نماز کی کوئی خاص اہمیت نہیں البتہ مختصر بھائرا لدرجات میں ایک  
ایسی عبادت کی نشاندہی کی گئی ہے جو تمام عبادات سے افضل ہے۔

۱۰۔ امام باقر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سبز  
زبرجد کا ایک پہاڑ پیدا کیا ہے جو دنیا کو  
گھیرے ہوئے ہے آسمان کی سبزی اسی کی  
سبزی سے ہے اس پہاڑ کے پیچھے خدا نے  
ایک مخلوق پیدا کر رکھی ہے ان نماز زکوٰۃ

۱۰۔ عن ابی جعفر علیہ السلام قال ان  
الله عزوجل خلق جبلا محیطا بال دنیا  
من زبرجدۃ خضراء ناما خضرة السمار  
من خضرة ذلك الجبل وخلق خلقه  
خلقا لریض من علیہم شیئا مسما

افترض علی خلقه من صلوة و زکوٰۃ  
و کلہم یلعن رجلین من  
ہذا الامۃ و سماہما۔

۲۔ عن ابی الحسن الرضا قال سمعته  
یقول ان للہ خلف ہذا النطاق زبرجدۃ  
خضراء منہا احضرت السمار  
قلت وما النطاق قال الحجاب و اللہ عزوجل  
ولاء ذلك سبعون الف عالم اکثر من عدد الجن  
والانس و کلہم یلعن فلانا و فلانا  
ص ۱۲۱

کچھ فرض نہیں ان کی عبادت صرف یہی ہے  
کہ اس امت کے دو آدمیوں (صدیق فادق)  
پر لعنت کیا کریں اور ان کے نام لیے۔  
موسلی رضا فرماتے ہیں میں نے ان سے  
سنا کہ اس نطاق کے پیچھے زبرجد کا پہاڑ  
ہے جس نے پوچھا نطاق کیا ہے فرمایا  
حجاب اور اس کے پیچھے ستر سبز ارجمان آویزا  
ہیں۔ ان کی تعداد جنوں اور انسانوں سے  
زیادہ ہے۔ یہ سب قلال قلاں (صدیق و  
فاروق) پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔

(۱) معلوم ہوا کہ شیعہ کے نزدیک شیخین پر لعنت بھیجنے سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں  
اس عبادت کے لیے انسانوں میں سے شیخہ ناکافی تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ستر سبز  
جہان پیدا کر دئے کہ اس سے عبادت کرتے رہیں دوسری عبادتوں پر وقت ضائع نہ  
کریں جو انسانوں پر فرض کی گئی ہیں۔

(۲) وہ ستر سبز جہان کوئی مادی دنیا معلوم نہیں ہوتی اور وہاں کی مخلوق بھی مادی مخلوق  
نہیں ورنہ موجودہ سائنسی ترقی پر اثر آنے والوں اور جغرافیہ دانوں نے کوئی سراغ  
کو لگایا ہوتا۔

(۳) مذہب عالم میں یہ واحد مذہب ہے جس میں گالیوں دینا عبادت شمار ہوتا ہے۔



## افضل العبادات والذالعبادات

عبادت اور اعمال صالحہ کے مدارج مختلف ہوتے ہیں جیسے فرض، واجب، سنت، مستحب وغیرہ اور ہر درجہ کی عبادت کے مناسب صلہ اور ثواب مرتب ہوتا ہے۔ جب کسی عبادت کا اجر بیان کیا جاتا ہے اس سے اس عبادت کا مقام اور مرتبہ ظاہر ہوتا ہے۔ اجر و ثواب کے بیان پر غور کیا جائے تو شیعہ کتب میں ایک عبادت ایسی ملتی ہے کہ دوسری کوئی عبادت اس کا ہم پلہ نہیں معلوم ہوتی۔ اور وہ ہے متعہ۔

متعہ کسے کہتے ہیں؟

فروع کافی میں متعہ کی حقیقت یوں بیان ہوئی ہے

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال جاءت امرأة الى عمر فقالت انی زینت فطهرنی۔ فامر بها ان ترجع فاخبر بذلك امیر المؤمنین صلوات اللہ علیہ فقال کیف زینت فقال مررت بالبادیة فاصابنی عطش شدید فاستقیت اعدا بیا فانی ان یستقی الان الا ان امکنه من نفسی فلما اجمعت فی العطش و خفت علی نفسی سقانی فامکنته من

امام جعفر سے روایت ہے۔ ایک عورت حضرت عمر کے پاس آئی اور کہا میں نے زنا کیا مجھے پاک کر دیجئے حضرت عمر نے اسے سنگسار کرنے کا حکم دیا اس کی اطلاع حضرت علی کو ہوئی انہوں نے اس عورت سے پوچھا تو نے کس طرح زنا کیا۔ اس نے کہا۔ میں جنگل میں تھی مجھے سخت پیاس لگی میں نے ایک اعرابی سے پانی مانگا اس نے صرف اس شرط پر پانی دینا منظور کیا کہ میں اسے اپنے وجود پر قدرت دے دوں جب سچے سچے مجبور کر دیا مجھے جان کا خطر ہوا

نفسی فقال امیر المؤمنین  
هذا تزویج و رب الکعبة۔

(فروع کافی ۱۹۸:۲)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ:-

تو اس نے مجھے پانی پلایا اور میں نے اسے  
اپنی جان پر اختیار دے دیا۔ امیر المؤمنین  
نے فرمایا رب کعبہ کی قسم یہ تو نکاح (متعہ) ہے۔

(۱) اس واقعہ میں جو کچھ پیش آیا اس عورت نے اسے زنا قرار دیا اور حضرت عمر کے سامنے آکر زنا کا اقرار کیا۔

(۲) وہ عورت اہل زبان تھی۔ جس سے ظاہر ہے کہ اس وقت کے عام مسلمان اس صورت واقعہ کو وہی برم سمجھتے تھے جیسے شریعت نے زنا کہا ہے۔

(۳) یہ واقعہ حضرت عمر کے عہد خلافت کا معلوم ہوتا ہے۔ حضرت عمر نے اسے سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ یہ سزا شریعت کی رو سے زنا کے مرتکب کے لیے ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ یہ فعل شریعت کی نگاہ میں زنا ہے۔

(۴) شیعہ کے نزدیک یہ نکاح ہے۔ کہ ایک مرد اور ایک عورت باہمی رضامندی سے جو مباشرت کریں جس کے لیے ایجاب قبول شرعی، گواہ، امر، وغیرہ کی ضرورت نہیں اور جس کے لیے طلاق کی ضرورت بھی نہیں۔ اور یہی متعہ ہے۔

(۵) اس روایت میں حضرت علی کی زبان سے یہ تو کہلوا دیا کہ یہ تزویج (متعہ) ہے مگر اس کی وضاحت نہیں کی گئی کہ زنا کیا ہوتا ہے۔

حاصل یہ ہوا کہ جس فعل کو عام مسلمان، شریعت اسلامی، اور قانون شریعت زنا کہتا ہے اور جس کی سزا سنگسار کرنا ہے شیعہ کے نزدیک وہ متعہ ہے۔ نام بدل دینے کا فائدہ یہ ہوا کہ زنا کو تو مجرم، حرام کے مرتکب اور سزا کے مستحق اور متعہ کہہ دو تو یہی فعل جائز ہی نہیں عبادت بلکہ افضل ترین عبادت قرار پائے۔ کتنی آسانیاں ہیں۔ دنیا میں مزے لٹو۔ ثنوت رانی کرو۔ اور آخرت میں وہ نعمتیں اور وہ مقام حاصل کر لو جو اللہ کو حاصل ہو سکتا ہے۔ اس کی وضاحت کی جاتی ہے۔

(۱) تفسیر منہج الصادقین۔ علامہ فتح اللہ کاشانی طبع ایران ص ۳۶۲

از صالح بن عقبہ از پدر انص کہ گفت از  
امام باقر پر سیدم کہ در تمتع کردن ثواب  
ہست و فرمود

اذا كان يريد بذلك  
وجه الله تعالى وخلافا  
من اكرها لم ينكحها  
بكلمة الا كتب الله بها حسنة  
ولم يمد يداه اليها الا  
كتب الله له حسنة فاذا  
دنى منها غفر الله له  
بذلك ذنبا فاذا اغتسل  
غفر الله له ذنوبه بعد ما  
على شربة -

صالح اپنے باپ سے بیان کرتا ہے کہ اس نے  
کہا میں نے امام باقر سے پوچھا تمتع کرنے میں کوئی  
ثواب بھی ہے؟ امام نے فرمایا کہ آدمی جب  
مغض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے اور  
اس فعل کو اچھا نہ سمجھے والوں کی مخالفت  
کی نیت سے تمتع کا ارادہ کرتا ہے تو تمتع  
سے جو بات کرتا ہے ہر کلمہ کے عوض ایک  
نیکی لکھی جاتی ہے جب اس کی طرف ہاتھ  
بڑھاتا ہے تو ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور جب  
اس کے قریب ہوتا ہے تو اس حرکت سے اللہ  
اس کے گناہ بخش دیتا ہے اور جب وہ غسل  
کرتا ہے تو اللہ اس کے اتنے گناہ معاف کر دیتا  
ہے جتنے بالوں پر سے وہ پانی گزرے۔

ظاہر ہے کہ اس عبادت کی محض نیت کرنے سے ثواب شروع ہو جاتا ہے اور طہیرہ لم  
ثواب میں اضافہ ہوتا ہے حتیٰ کہ اس کے سابقہ گناہ بھی دھن جاتے ہیں البتہ شرط یہ ہے کہ  
مغض اللہ کی رضا کے لیے اور مخالفوں کو جلانے کے جذبہ سے یہ عبادت کرے۔

(۲) ایضاً ۲۶۳

قال النبي من تمتع مرة  
واحدا عتق ثلثه من النار  
ومن تمتع مرتين عتق ثلثاه  
من النار ومن تمتع ثلاثا  
مرات عتق كله من النار -

رسول خدا نے فرمایا جس نے ایک مرتبہ تمتع  
کیا اس کے ہم کا تیسرا حصہ آگ سے آزاد ہو  
گیا جس نے دو مرتبہ تمتع کیا دو تہائی حصہ  
آگ سے آزاد ہو گیا اور جس نے تین مرتبہ  
تمتع کیا وہ کامل طور پر آگ سے آزاد ہو گیا۔  
گو اس حدیث میں النار کا لفظ ہے جس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ شہوت کی آگ

ہے یا جہنم کی مگر انار کا لفظ جہنم کے لیے ہی استعمال ہوتا ہے اس کے لیے اس عبادت سے  
انسان ایسا ناجی قرار پاتا ہے کہ جہنم کی آگ اسے چھو بھی نہیں سکتی بشرطیکہ جنت کر کے  
تین مرتبہ یہ عبادت کر ڈالے۔

(۳) اس عبادت پر جب اتنا ثواب ملتا ہے تو اس کے لیے سرکاری پروہ کا انتظام بھی  
کیا جاتا ہے۔ منج الصادقین ص ۳۵

دہر گاہ متمتع و تمتع باہم بنشینند فرشتہ  
برایشان نازل کردہ و صدراستہ ایشان  
کنند تا آنکہ آزاں مجلس بر خیزند و اگر  
باہم سخن کنند سخن ایشان ذکر و تسبیح  
باشد و چوں دست یکدیگر بدست گیرند  
ہر گناہی کہ کردہ باشند از انگشتان ساقط  
گردد و چوں یکدیگر را بوسہ نهند حج و عمرہ  
برائے ایشان بنویسند و چوں خلوت کنند  
بہ لذت و شہوت حسنا تے بنویسند مانند  
کوہ ہائے برفراشتہ بعد آزاں فرمود کہ  
جبرئیل مرا گفت یا رسول اللہ حق تعالیٰ نے فرمایا  
کہ چوں متمتع و تمتع بر خیزند و بغسل  
کردن مشغول شوند در حالیکہ عالم  
باشند کہ من پروردگار ایشانند و این  
بتوسنت من است بر خیزید من ابا  
ملائکہ خود گویم کہ فرشتگان من نظر کنیید  
باین بندہ من کہ بر خاستہ اند و بغسل کردن  
مشغول اند و میداند کہ من پروردگار ایشانم

جب ایک مرد اور ایک عورت تمتع کے  
نیت سے جمع ہوں تو ان پر ایک فرشتہ  
نازل ہوتا ہے جو انکی حفاظت کرتا ہے جب  
تک وہ علیحدہ نہ ہوں۔ ان کی آپس کی  
باتیں ذکر و تسبیح کا حکم رکھتی ہیں جب ایک  
دوسرے کا ہاتھ پکڑیں تو ان کے سابقہ گناہ  
ان کی انگلیوں سے بھڑ جاتے ہیں جب ایک  
دوسرے کا بوسہ لیتے ہیں ان کے نامہ اعمال میں  
حج و عمرہ لکھا جاتا ہے۔ جب لذت لیتے اور  
شہوت کی آگ بجھانے کیلئے مباشرت کرتے  
ہیں تو انکی نیکیاں پہاڑوں کے برابر لکھی جاتی  
ہیں اس کے بعد حضور نے فرمایا کہ جبرئیل نے  
مجھ سے کہا کہ یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے  
کہ جب یہ دونوں غسل کرنے لگیں یہ جانتے  
ہوئے کہ میں ان کا رب ہوں اور یہ متقدمی  
سنت ہے جو میں نے اپنے پیغمبر پر نازل کی ہے۔  
تو میں فرشتوں سے کہتا ہوں کہ دیکھو میرے  
بندے کو مجھے اپنا رب سمجھتے ہیں غسل میرے

گواہ با شہید برآنکہ من آمرزیدم ایشان را و  
 آب بر، بیچ موئے ایشان از بدن ایشان  
 نگذرد مگر آنکہ حق تعالی بہر موئے وہ حسہ  
 برادر ایشان جویدد وہ سببہ جو کند وہ  
 در جہ رفع نماید۔ پس امیر المؤمنین  
 برخاست و گفت یا رسول اللہ انا مستحب  
 من تصدق کندہ ام۔ یا رسول اللہ چیست  
 جزائے کے کہ میں باب سعی کند فرمود  
 لہ اجر ہما مرا اور باشد اجر متمتع و متمتعہ۔  
 گفت یا رسول اللہ اجر ایشان چہ چیز است؟  
 فرمود چوں بغسل مشغول شود بہر قطرہ آب کہ  
 از بدن ایشان ساقل شود حق تعالیٰ فرشتہ  
 بیا فرزند کہ تسبیح و تقدیس ادا سمان کند  
 و ثواب آن برائے غاسل ذخیرہ شود تا روز  
 قیامت اے علی! ہر کہ اس سنت تسل فرما گیرد  
 و حیائے آن نکند از شیعہ من باشد و من از  
 دے بری باشم۔  
 اور میں اس سے بری ہوں۔

اس حدیث سے بہت سے نادرکتے ہاتھ آئے ہیں۔

(۱۱) جو نبی ایک مومن اور مومنہ اس عبادت یعنی منہر کی نیت سے مل کر بیٹھیں ایک فرشتہ  
 ان کے پاس بیچ دیا جاتا ہے کہ ان کی حفاظت کرے اور یہی دیکھے کہ کوئی نامعقول آدمی  
 ان کی عبادت میں مغل نہ ہو۔ شاید ان کی نیکیاں لکھنے کی ڈیوٹی ہی دیتا ہو۔

(۱۲) اس جوڑے کی باہم شہوت انگیز باتیں ذکر و تسبیح کے برابر ہیں۔ یہ لکتہ کوئی دانشور نہی

صل کر سکتا ہے کہ اس سے شہوت انگیز باتوں کی عظمت اور تقدس ظاہر ہوتا ہے  
 یا ذکر و تسبیح کی توہین و تذلیل۔

(۳) بیدار بھی کھل گیا کہ مومنیں حج بیت اللہ کا کوئی خاص اہتمام کیوں نہیں کرتے۔ جب  
 ممنوعہ سے بوس و کنار حج و عمرہ کے برابر ہے تو گھر بار چھوڑنے۔ سفر کی صعوبتیں  
 برداشت کرنے اور زرا کثیر صرف کرنے کی حماقت بھلا کوئی کیوں کرے۔ اس لیے  
 جب کبھی حج کا خیال پیدا ہو کسی پارسا مومن نے کسی پارسا مومنہ کو پکڑا بوس و  
 کنار میں مشغول ہو گئے۔ لذت بھی حاصل ہوئی اور حج کا ثواب بھی مل گیا۔ بیٹنگ لگے  
 نہ بیٹھکڑی رنگ چوکھا دے۔

(۴) اللہ میاں فرشتوں کو ان عبادت گزاروں کے غسل کا منظر دکھاتے ہیں اور انکی  
 بخشش کی بشارت سنا کر انہیں گواہ بناتے ہیں۔ عین حالت عبادت کا منظر دیکھتے  
 کی دعوت شاید اس لیے نہیں دی جاتی کہ ابھی عبارت تشنہ تکمیل ہوتی ہے۔

(۵) غسل کے پانی سے جو قطرے گریں ان کی تعداد کا اندازہ کون کر سکتا ہے پھر بھی لاکھوں  
 سے کیا کم ہوگی۔ اتنے فرشتے ہر عبادت کے بعد غسل کرنے پر پیدا کرنا قیامت تک ان  
 کا تسبیح و ذکر میں مصروف رہنا اور اس کا ثواب غاسل کے لیے ذخیرہ ہونے رہنا  
 یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے۔

(۶) اس عبادت کے لیے کسی مومن اور مومنہ کے درمیان رابطہ قائم کرنے والا اور اس  
 مہم میں سعی کرنے والا جسے حرف عام میں دلال کہتے ہیں۔ اور بھی مزے میں رہتا  
 ہے کہ اسے ہر دو کے برابر ثواب ملتا ہے۔ اس لیے کوٹھے پر بیٹھنے اور دلالی کرنے  
 میں کوئی عار کیوں سمجھے۔ اور اس کا رویہ اور کو حقارت کی نگاہ سے کیوں دیکھا جائے۔

(۷) جو شخص اس سنت کو ادا کرتے اور اسے زندہ کرنے کی کوشش نہیں کرتا وہ شیعہ  
 ہی نہیں اور رسول خدا اس سے بیزار ہی کا اعلان کرتے ہیں (معاذ اللہ) کون سے  
 جو اس وعید کو ٹھنڈے پیٹیوں پر داشت کرتے اور اس سنت کے احیاء میں تن  
 من دھن نہ لگا دے ایسے شخص کے لیے دوسری وعید بھی سن لیجئے۔

کیلئے کیوں گھر سے نکلتے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اہل بیت کی توہین اس سے بڑھ کر بھی کسی طرح کی چا سکتی ہے۔ کیا خاتم الانبیاءؑ کی توہین کیلئے اس سے بڑھ کر بھی کوئی اقدام کیا جا سکتا ہے کہ ایسا قول لوہ کی لڑت منسوب کیا جائے۔

اس روایت میں چار کے عدد تک رک جانا حیرت کی بات ہے۔ چار کا عدد ہی مؤمنین کے لیے سوہان روح بن جاتا ہے اس کے لیے اچھا ہوتا اگر یہ حضرات اپنے محبوب عدد پانچ تک لے جاتے۔ اور یہ کہا جاتا کہ جو شخص پانچ مرتبہ متغہ کرے اس کا درجہ خدا کے برابر ہے۔

سابقہ طویل حدیث اور اس حدیث کو ملا کر پڑھنے سے ایک اور نتیجہ ظاہر ہوتا ہے۔ سابقہ حدیث میں بیان ہوا ہے کہ جس نے متغہ کی سنت کا احیاء نہ کیا وہ شیعہ ہی نہیں۔ اس حدیث میں ہے کہ جس نے ایک مرتبہ متغہ کیا وہ حسین کے برابر ہے نتیجہ یہ کہ جو شیعہ ہے۔ وہ لازماً حسین کے برابر ہے۔

عبادت نفاہ کیسی ہو اس کے کرنے سے انسان زیادہ سے زیادہ نیک پارسا، ناجی وغیرہ بن سکتا ہے مگر متغہ ایسی عبادت ہے کہ اس کے ادا کرنے سے انسان امام اور رسولؐ کے مرتبے تک پہنچ سکتا ہے۔ لہذا یہ عبادت واقعی افضل العبادات ہے۔

## اس عبادت کے متعلق چند عجیب واقعات:

شیعہ محدث نعت اللہ الجرائری نے اپنی مشہور کتاب الوارنغانہ میں اس عبادت کے متعلق کچھ نئے نئے اہر کچھ اپنے چشم دید واقعات بیان کئے ہیں۔ ان میں سے چند ایک واقعات بیان کئے جاتے ہیں تاکہ اس عبادت کے جوئیات کی تفصیل بھی سامنے آجائے اور اس عبادت کی تکمیل میں جو رکاوٹیں آتی ہیں ایک مومن ان رکاوٹوں کو دور کرنے کا سلیقہ بھی سیکھے۔

وقد تمتم رجذ من اصحابنا امرأة وکان  
ذکر الرجل فقیرا فصار القرار علی درہین  
ہمارے ایک شیعہ دوست نے ایک عورت  
سے متغہ کیا وہ آدنی تا دار تھا۔ دو درہم پر

قال النبی؟ من خرج من الدنیا  
و لم یتتمتع جاء یوم القیامۃ  
و هو احد  
(ایضاً ص ۳۶۳)

ناک بچانے کے لیے تو لوگ گھر بار لٹا دیتے ہیں تو جو شخص اتنا کم ہمت ہے کہ عمر بھر میں ایک مرتبہ بھی یہ عبادت نہ کر سکے، اس کی ناک کیسے سلامت رہ سکتی ہے۔  
مذکرہ بالا دو حدیثوں سے متغہ کے اجر و ثواب کا جو نقشہ بیان ہوا۔ اس کو پیش نظر رکھا جائے تو آدمی ساری عبادات کو موقوف کر کے صرف اسی عبادت میں مصروف رہے تو اسے قیامت کے دن کس بات کی کمی کا احساس ہو سکتا ہے۔ پھر بھی ایک اور حدیث میں اس عبادت کا صحیح مقام لویں بیان ہوا ہے۔

رسولؐ خدائے فرمایا جو ایک دفعہ متغہ کرے  
اس کا درجہ حسین کے برابر ہے جو دو دفعہ کرے  
حسن کے برابر جو تین مرتبہ کرے علی کے برابر  
اور جو چار مرتبہ کرے اس کا درجہ میرے برابر  
ہے۔  
قال رسول اللہ من تمتم مرة درجته  
كد درجة الحسين ومن تمتم مرتين  
درجته كدرجة الحسن ومن تمتم ثلاث مرات  
درجته كدرجة علي ومن تمتم اربع مرات درجته  
كد راجتي۔ (ایضاً ص ۳۶۳)

ترجمہ از مصنف :- ہر کہ ایک بار متغہ کند درجہ او چون درجہ حسین باشد و ہر کہ دو بار متغہ کند درجہ ابی طالبوں درجہ حسن باشد و ہر کہ سہ بار متغہ کند درجہ او چون درجہ علی ابن ابی طالب باشد و ہر کہ چار بار متغہ کند درجہ او چون درجہ من باشد۔

کھتے ہیں اہل بیت کا درجہ بہت بلند ہے۔ جنین جنت کے جوانوں کے سردار ہیں اور علی ابن ابی طالب بقول شیعہ تمام مخلوق سے افضل ہیں بلکہ آدم کو بتایا گیا تھا کہ اگر میں علی کو پیدا نہ کرتا تو دنیا ہی کو پیدا نہ کرتا۔ اور اتنی بلندی اور ادھر اتنی پستی کہ وہ نفل جسے دنیا زنا کہتی ہے اور شیعہ اسے متغہ کہتے ہیں زندگی بھر میں ایک مرتبہ کر لو تو حسین سے بڑھ کر کبھی نہ پہنچ جاؤ گے۔ اگر امام حسینؑ کو یہ متغہ ہر وقت مل جاتا تو کربلا کے مصائب دیکھنے

تقریباً نجا معها تلك الليلة خمس  
مرات فلما اصبح طالبتہ بالدہین  
ولم یکن عنده شیء فالتحت  
علیہ بحضور جماعة من  
المؤمنین فقالت ایھا الناس انہ  
جامعہا خمس مرات ولم یعطہا  
شیئا فقال لها یا حبابہ  
تعال ثرا انہ رفع امر جلہ  
فقال تعال جامعنی سبع مرات عوض  
الخمس المرات وقال الحاضرون  
الحق مع العالمر۔

(الوارثین ۱۲: ۱۶)

اس واقع سے معلوم ہوا کہ،

(۱) متعہ کرنے والا صرف تاوار ہی نہیں تھا شعیب عالم تھا۔

(۲) اس نے تہید سے ہونے کے باوجود دو درہم دینے کا اقرار کر لیا یعنی متعہ میں تقبیہ کو بھی شامل کر کے عبادت کو دو آتشہ بنا دیا۔

(۳) عورت کو اجرت دینے کی بجائے اس کو دعوت دی کہ پانچ کے بدلے سات بار اس سے جماع کرے۔

(۴) شعیب حاضرین کے نزدیک مرد کا عورت سے جماع کرنا اور عورت کا مرد سے جماع کرنا دو مختلف چیزیں ہیں لہذا ان کی رگ انصاف پھٹکی اور فیصلہ سنا کر عالم سچا ہے۔

(۵) بیرونیج میں عالم کا سنگا ہو کر ٹانگیں بلند کرنا گویا شان علم کا اظہار ہے۔

(۶) عورت نے سات رات بھر کی کارروائی تفصیل سے سنا دی۔ جیسے اس نے بہت بڑا کارنامہ

مرا انجام دیا۔

(۷) محمد الجباری کا یہ واقعہ اس تفصیل سے بیان کرنا ظاہر کرتا ہے کہ اس عبادت کی تشہیر کرنا بھی گویا ترغیب دلانے کی ایک تدبیر ہے۔

(۸) دو درہم کی حقیری رقم کے وعدہ کے بدلے بھی یہ عبادت ادا کی جاسکتی ہے جنت کتنی سستی کر دی۔

۲۔ محدث صاحب اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں۔

ثیاری میں ہمارے ایک شعیب دوست نے متعہ کیا اور عورت کو ایک محمدیہ (سکر) دیا۔ گرنی کا موسم تھا ہم مکان کی چھت پر سو گئے۔ اس دوست نے.....

عورت کو اندر لے جا کر کمرے کا دروازہ بند کر دیا نصف شب کے قریب عورت نے پلانا شروع کر دیا کہنے لگی لوگو پہنچو اس

نے میری شرمگاہ پہنچا دی۔ ہم چھت سے نیچے آئے میں نے نرت سے پوچھا کیسا گزری۔ کہنے لگی رات اب آدھی نہیں گزری

اور یہ میرے ساتھ جیس مرتبہ مباشرت کر چکا۔ اب میری طاقت جواب دے گئی

ہے مرد اب مجھ سے خدیہ واپس لے لے اور باقی رات کے لیے مجھے معاف رکھے۔

میں نے مرد سے پوچھا آپ کیا کہتے ہیں۔ وہ کہنے لگا عورت جھوٹی ہے میں ۲۰ تک

نہیں پہنچا پھر وہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اندر

ذمتہ رجل من اصحابنا امرأة فیہ راز

واعطها محمدیہ۔ وكان

الوقت حاراً فصعدنا السطح

واما هو فخلق باب الحجرۃ

علیہ وبقی مع المرأة۔ فلما

قرب نصف اللیل فاذا صوت

المرأة قد ارتفع وھی تقول

هلما الی فقد قطع فرجها فترلنا

الیها فایتت الیها وفت لها ماجری

علیک فقالت ان اللیل لم

ینتصف وانہ قارب بنی

عشرین مرة و ما

صرت اطیق فیہ

المحمدیہ یاخذھا

و یعطینی من بقیة اللیل

فقلت لہ یا فلان ما تقول

فی کلاهما هذا فقال انہما

كذآبة وما بلغت عشرين  
فلزمني من يدي وقال  
تعال فآيت مع فادخلني الحجر فاذا  
هو قد خط المرات خطوطا في الجدار فحدّتها  
فاذا هي ثمان عشر مرات فقال انظر  
كيف كذبت علي فقلت له يا  
فلان اقم عليك بالله ما كان في نظرك  
الشريف الي وقت الصبح من  
مرات قال والله في خاطري  
اربعين مرات ليكون باناء كل  
غازي مرة ثم ان المرأة اعطته  
المحمدية وانصرفت نصف الليل  
(ايضا ۲: ۲۱۴)

ظاہر ہے کہ :-

لے گی میں نے دیکھا کہ اس نے دیوار پر لکیریں  
کھینچ رکھی ہیں میں نے شمار کیا تو وہ ۱۸  
خطوط تھے کتنے گئے دیکھو اس عورت نے  
مجھ پر کیسا بہتان لگایا ہے میں نے اس سے  
کہا اللہ کی قسم کھا کر بتائیے کہ آپ کے خیال  
مبارک میں صبح تک کتنی مرتبہ مباشرت  
کرنے کا ارادہ تھا۔ اس نے کہا اللہ کی قسم میرا  
ارادہ ۴۰ مرتبہ مباشرت کرنے کا تھا تاکہ ہر  
غازی (سکر) کے بدلے ایک بار ہو جائے  
(ایک مجاہد کے ہم غازی بنتے ہیں) پھر اس  
عورت نے محمدیہ واپس کر دیا اور اس  
مرد سے جان چھڑائی۔

(۱) یہ محدث الجزائری کا چشم دید واقعہ ہے۔ آپ نے معاملہ نشانے میں ذاتی طور  
پر حصہ بھی لیا۔

(۲) یہ شریقانہ کاروبار کوئی برائی نہیں بلکہ عبادت ہے البتہ عورت نے اس میں  
بھوٹ کی آمیزش کر کے اس کے تقدس کو نقصان پہنچایا اور نتیجہ بھی دیکھ لیا کہ  
بقیہ رات ثواب سے محروم ہو گئی۔

(۳) محدث صاحب کا متمع سے خطاب کہ ماکان فی نظرتك الشريف ظاہر کرتا ہے کہ  
ان کے دل میں اس عبادت گزار کیلئے عقیدت اور عظمت کس پائے کی تھی۔

(۴) دو درہم یا ایک محمدیہ پر معاملے ہو جانا بتانا ہے کہ جاہلین کے پیش نظر اصل چیز  
ثواب حاصل کرنا یا امامت کے درجے تک پہنچنا ہوتا ہے یہ رقم تو محض تبرک کے

طور پر ملی دی جاتی ہے۔

(۵) دیکھا گیا ہے کہ اس عبادت میں مومنہ عورتیں زیادہ ایثار پیشہ واقع ہوئی ہیں یا حصول  
ثواب میں زیادہ حرصیں ثابت ہوئی ہیں۔ سٹے شدہ رقم بھی وصول نہیں کرتیں۔  
۳۔ محدث الجزائری اصفہان کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔

وقد اراد بعض المؤمنين ان يمتنع في  
اصفهان فقالت له عجوزا دلالة انا  
اهديت علي امرأة جميلة فاخذتها  
الي بيت امرأة فزاري امرأة تحت  
الاستار والحجب فظن بها  
القبول وقد كان اعطها الدرهما  
للعجوز وانصرفت فلما خلت  
معها ورفعت الحجب نظر  
الي وجهها واذ لها من العبر ما تجاوز  
التسعين ولا تتكلم الا بالدرهم  
لعدم الاسنان ففكر في نفسه فانتهى  
فكرة الي ان قال لها يا حبايبه  
شيتا من الدهن فقامت واحضرت  
عنده فكشفت راسه ودهن دهننا جيدا  
فقال لها فاي علي اسم الله تعالى حتى  
اقضى الحاجة فنامت فقد ورأسه  
فقالت ما تصنع فقال قاعدة  
في بلادنا ان يأتون النساء بروحهم فقال نظري  
كيف يكون فقال من تحته وقالت هذا

اصفہان میں ہمارے مومنہ شیعہ نے متنع  
کرنا چاہا ایک بوڑھی دلالہ نے اسے کہا  
کہ میں تجھے ایک خوبصورت عورت پر پیش  
کرتی ہوں چنانچہ ایک عورت کے گھر  
لے گئی اس نے ایک پردہ نشین عورت  
دیکھی بڑھیا کو رقم دی اور چلتا کیا جب  
عورت نے پردہ اٹھایا تو کیا دیکھنا ہے  
کہ اس کی عمر ۹۰ برس سے متجاوز ہوگی منہ  
میں دانت مطلق نہیں۔ سوچ میں پڑ گیا  
کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا مجھے تیل چاہیے  
وہ اٹھی اور تیل لے آئی مرد نے اپنے سر پر  
خوب تیل ملا۔ اور عورت سے کہا اللہ کا  
نام لے کر لیٹ جاتا کہ میں اپنا کام کر لوں۔  
وہ لیٹ گئی مرد نے اپنا سر آگے بڑھایا وہ  
کھنے لگی کیا کرنا چاہتے ہو۔ مرد نے کہا کہ  
ہمارے ملک میں سہی رواج کہ عورتوں سے  
متفاربت سر سے کرتے ہیں کھنے لگی اللہ تمہارے  
منا۔ کو تباہ کرے یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کھنے  
لگا تو ابھی دیکھ لے گی کیسے ہوتا ہے۔ نیچے سے

در اهلك خذ لبارك الله فيها فلم  
يقبل حتى ضاغت له الدراهم  
اضحافا كثيرة بالتاس كثير  
حتى اخذها وخرج منها  
(ايضا ص ۱۲)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ :-

ہی تو ہوتا ہے۔ کئے گی اپنی رقم واپس لے  
اللہ نہیں اس رقم میں برکت نہ دے مرد نے  
انکار کر دیا۔ حتیٰ کہ اس عورت نے اپنی طرف  
کثیر رقم ملا کر بڑی منت سماجت کی تب  
مرد نے قبول کیا اور وہاں سے چلا گیا۔

(۱) مؤمنین کیلئے متمم کار و بار عام تھا اور ہر شے میں اس عبادت کیلئے بھائی کرنے کا فریضہ  
بوڑھی عورتوں نے سنبھال رکھا تھا تو اپنے منصب کے عین مطابقت دلالہ کے نام سے  
پکارا جاتی تھیں :-

(۲) دلالہ نے تقیر کیا۔ وعدہ کیا حسین و جمیل عورت کا اور پیش لی بوڑھی کھوسٹ۔

(۳) اس عبادت کے شروع کرتے وقت اللہ کا نام لیا جاتا ہے تاکہ بابرکت ثابت ہو۔

(۴) شیعہ عورتیں اس عبادت پر اتنی حریص ہوتی ہیں کہ ۹۰ برس کی عمر میں بھی شوق باقی  
رہتا ہے کیوں نہ ہو عمر بھر کی مشق کی وجہ سے ملکہ راستہ پیدا ہو جاتا ہے۔

(۵) عورت نے نادانی سے مرد کو عملاً عبادت کرنے کا موقع نہ دیا مگر اسے ماہ فائدہ تو  
نقد ہو گیا اور اخروی ثواب اس کے نیک ارادہ پر ہی شاید مل گیا ہو گا۔

۴۔ اسی صفحہ پر اسی قسم کا ایک اور واقعہ بیان کرتے ہیں۔

و واحد آخر ایضا قد جدت علیہ مثل  
هذه المقدمة فلاحظی بہا فراها تنزید  
علی عیون بنی اسرائیل فی العرفام  
واخذ ابریفنا الی الکینف واخذ  
لفافة عمامته وعصب بہا  
ذکرہ حتی صار کالج و ان الصغیر  
فاقبل الیہا و هو یترجع بیان

ایک اور آدمی کے ساتھ یہی حالت پیش  
آئی جب تخلیہ میں منتوہہ کو دیکھا تو عمریں  
بنی اسرائیل کے زمانہ کی عورت معلوم ہوئی  
اٹھا۔ کوزہ لیا اور خلوت خانہ میں چلا گیا  
اپنی گپڑی کو اپنی شرمگاہ پر لپیٹ کر  
باہر آیا اور عورت کی طرف متوجہ ہوا اس  
حالت میں کہ وہ گراہ رہا تھا جب پرہیز ہوا

فانکشف لہا فقلت ما هذا العصابة  
علی ذکرك فقال ان معی دارا لبتل  
والطیب امرنی بان اتنعم بأمرأة  
عجوزة والفظ لستم هذا الوجه ای  
فی فرجہا حتی ابدأ فصاحت من هذا  
الکلام وقالت خذ دراهمک لا  
بارک الله لک فیہا فقال لہیجات  
لہیجات لا قبل هذا ابدأ حتی زادت علی ما  
اعطیہا زیادة وافرة فاخذها ومضى۔

تو عورت نے کہا یہ کیا پتی باندھ رکھی ہے  
اس نے کہا میں مرض بشل کامریض ہوں  
طیب نے کہا ہے کہ کس بوڑھی عورت سے  
متنع کروں اور یہ زہر بلا بادہ اس کے دم میں  
داخل کر کے شفا پاؤں۔ عورت بیچنا اٹھی کہنے  
گی اپنی رقم لے لے اللہ تجھے اس میں برکت  
نہ دے کہنے لگا ہرگز نہیں عورت نے کثیر  
رقم اپنے پاس سے ملا کر پیش کی تب مرد  
نے قبول کی اور اپنی راہ لی۔

مومن متاع کو بڑا حائر و مارا ہونا چاہیے کوئی ایسی صورت پیش آجائے تو اس  
قسم کی کوئی ترکیب سوچ لے کہ عبادت کا موقع نہ مل سکے تو کم از کم مالی نقصان تو نہ ہو۔ یہ بھی معلوم  
ہوتا ہے کہ مومنین بالعموم بڑے ہشیار ہوتے ہیں۔ اصل مع سود لیے بغیر نہیں ملتے اور مومنات  
ایسی بھولی بھالی ہوتی ہیں کہ عبادت کے ثواب سے بھی محروم ہو جاتی ہیں اور پلے سے رقم دیکر  
مومنوں کو بھی محروم کر دیتی ہیں۔

۵۔ محدث صاحب خیر از کا واقعہ بیان کرتے ہیں جو ان کے ایک ہم کتب ساتھی کو  
پیش آیا۔

ان رجلا من الاخوان تمتع ایضا فی  
شیراز وکان معنا فی مدرسة  
النصوریة قال فلما تکشف لی و  
استلفت علی قضاها نظرت الی  
ذاک الموضع واذ اھی غلقا لوتختن  
فعدت الی سکین صغیر وایتت  
بہا و اختنتھا فصاحت وجرى

ہمارے ایک شیعہ بھائی نے شیراز میں  
متنع کیا۔ وہ ہمارے ساتھ مدرسہ منصور  
میں پڑھتا تھا اس نے کہا جب وہ عورت  
پرہیز ہوئی تو میں نے دیکھا کہ وہ متنع شدہ  
نہ تھی میں نے ایک چاقو لیا اور اس کا  
ختمہ کر دیا۔ وہ چلائی اس کا خون بہنے لگا۔  
اس نے اٹھ کر مجھ سے زخمی کرنے کی دیت

الدمر فلما قامت طالبتني بالجراحة  
فطالبتھا بکبر والختان وغلبتها واخذت  
منھا القيمة ولكن لامن جنس لدارهم  
والدنانير - (ایضاً ص ۲۲)

اس روایت سے بڑی قیمتی معلومات حاصل ہوئیں۔

(۱) مشیخہ مومنین زمانہ طالب علمی سے ہی یہ عبادت شروع کر دیتے ہیں۔ قدرتی طور پر انہیں  
ائمہ کے درجے تک پہنچنے کا شوق زیادہ ہی ہونا چاہیے۔

(۲) علم کے ساتھ فن بھی سیکھتے ہیں جیسے اس طالب علم نے مدرسہ منصورہ میں صرف علم کے  
حصول پر اکتفا نہیں کی تھی بلکہ حقہ کرنے کا فن بھی سیکھ لیا تھا۔ یا ممکن ہے پہلے ہی  
موروثی طور پر یہ فن جانتا ہو پھر علم کا شوق چرایا ہو۔

(۳) متعہ کی عبادت شروع کرنے سے پہلے مقام عبادت کا معائنہ کرنا بھی شاید ضروری ہوتا  
ہے کیونکہ عبادت کیلئے طہارت شرط ہے۔

(۴) طالب علم نے حقہ تو کر دیا لیکن عورت بھی فن کا رضی دینا طلب کر لی۔ ادھر طالب علم بقا  
یا قاعدہ مناظرہ شروع ہو گیا۔ آخر جیت علم کی ہوئی۔ اور طالب علم نے اجرت وصول کر  
لی مگر علمی زبان میں بتا دیا کہ کس شکل میں وصول کی۔ واقعی علم کی بات ہی اور ہے  
گذشتہ دور روایتوں میں بتایا گیا ہے مومنین عبادت سے محروم رہے البتہ دولت  
پیدا کر لی مگر طالب علم نے عبادت بھی کر لی اور پیسے بھی بٹور لیے کیا مدرسہ منصورہ  
کاتنا قبض بھی نہ ہوتا۔

۴ - ایضاً ص ۲۲

ان واحد من اخواننا الصالحین تمتع  
امراً فی شیراز فلما غلق علیہا  
الابواب ونظروا لوجہہا فاذاھی  
کالسن البالی ویس لہما الادرادس  
ہمارے ایک صالح بھائی نے شیراز میں  
ایک عورت سے متعہ کیا جب دروازہ بند  
کیا تو عورت کے چہرہ پر نظر پڑی۔ اچانک وہ  
اسے پرانی بوسیدہ مشک کی مانند نظر آئی

تنتحکم فیہا قال فتحضنت عینی و  
وقبضت علی الفی واصبت منہا  
مرۃ فلہما فرغت اردت فتح  
الباب فقالت لا تغتم ودعنا  
الیوم فی عیشنا وان لوترد من  
القبل فہذا غیرہ حاضر  
فحرفت الموت فی الواقعة  
الاخری فصحت الی اصحابی  
ہلموالی وخلصونی من یدی  
الموت فلما تبولت الی  
الباب واخرجونی منہا

اس روایت سے معلوم ہوا کہ :-

(۱) ایک صالح بھائی کا ذکر ہو رہا ہے واقعی بدکاروں کو کہاں ایسی عظیم عبادت کی تو توفیق مل  
سکتی ہے۔

(۲) عورت کی صورت سے نفرت کے باوجود آنکھ بند کیے ناک پر ہاتھ رکھ کے یا یوں  
کئے کہ دل بچا کر ایک سجدہ کر ہی لیا۔

(۳) متنوع ہونے والی عبادت تھی ایشا کر کے دوسرا راستہ پیش کر دیا اور رات  
عیش میں بسر کرنے کی التجا بھی کی واقعی صالحین کو عبادت میں ہی عیش محسوس  
ہوتی ہے۔

(۴) اس روایت میں دینے دلانے کا ذکر نہیں معلوم ہوتا ہے کہ صفت میں جنت  
کے حصول کی کوشش کی گئی۔

(۵) صالح بھائی بڑا کم حوصلہ ثابت ہوا کہ بارگاہِ حق سے صحت نظر آنے لگی۔

منہ میں دانت ندرد۔ بات پوری سمجھ میں  
نہیں آسکتی تھی میں نے اپنی آنکھیں میچ  
لیں ناک پر ہاتھ رکھا اور ایک بار اس  
سے جماعت کر لی جب فارغ ہوا تو باہر  
نکلنے کا ارادہ کیا کہنے لگی دروازہ مت  
کھول آج کی رات تو عیش میں گزرنے  
دے اگر تجھے اس راستے سے جماعت  
کرنا پسند نہیں تو دوسرا راستہ حافر ہے  
مجھے خلافت وضع فطرت میں موت  
نظر آئی میں چلا کر باہر دوستوں کو آواز  
دی کہ مجھے موت کے منہ سے نکالو۔ وہ  
آئے دروازہ کھولا اور مجھے باہر نکالا۔



تمام شرائط کا لحاظ رکھیں کہیں ایسا نہ ہو کہ عبادت مردود قرار پائے اور رات بھر کی محنت رائیگاں جائے۔ جب اصحاب شیعہ نے اس عبادت کیلئے آٹھ کو شخص کر دیا تو اعتراض یہ معنی؟ معلوم ہوتا ہے ثواب کے اعتبار سے عام متعہ اور متعہ دوریہ میں وہی فرق ہے جو انفرادی عبادت اور اجتماعی عبادت میں ہوتا ہے۔ جماعت کی برکات کا کون انکار کر سکتا ہے۔

## اس عبادت کی ایک مفید اور عوامی قسم

یوں متعہ کی اصطلاح اپنے اندر کشش کا پورا جہان لیے ہوئے ہے مگر اسکی ایک اصل ترقی کیلئے ایک اور اصطلاح بھی ہے اسے متعہ دوریہ کہتے ہیں یعنی بہت سے مرد و زنانہ جمع کر کے ایک عورت کو دیں اور ایک ہی رات تمام صالحین اس ایک عورت سے باری باری جماعت کریں۔ مردوں کا مالی بوجھ کم ہوگا اور عورت کا ثواب کئی گنا بڑھ گیا۔ علامہ نور اللہ شوشتری پر متعہ دوریہ کے متعلق کسی کم عقل نے اعتراض داغ دیا تو آپ نے اپنی مشہور کتاب معائب النواصب میں بڑا معقول جواب دیا فرماتے ہیں۔

نواں اعتراض جو معترض نے کیا ہے کہ ہمارے شیعوں کی طرف منسوب ہے کہ انہوں نے بہت سے مردوں کا ایک عورت سے ایک رات میں متعہ کرنا جائز کہا ہے خواہ اس عورت کو حیض آنا ہو یا نہ آتا ہو تو اس سلسلے میں معترض نے بعض قیود میں خیانت کی ہے (جو شیعیہ متعہ دوریہ میں لگاتے ہیں) ہمارے اصحاب شیعہ نے متعہ دوریہ اس عورت کے ساتھ شخص کیا ہے جسے حیض نہ آتا ہے۔ یہ عمل عام نہیں ہے کہ ہر عورت کے ساتھ کیا جائے خواہ وہ آٹھ ہو یا غیر آٹھ۔

واما ناسعا فلان ما نسبہ  
الی اصحابنا من اہلہم جو رد الی  
بتمتع الرجال المتعدرون لیلۃ  
واحدۃ من امرأۃ سواء كانت من  
ذوات الاقرار ام لا۔ فیہا  
خان فی بعض قیودہ وذلك  
لان الاصحاب قد خصوا ذاک  
بالاٹسۃ لابہما یحرم  
بالاٹسۃ وغیرہا من ذوات  
الاقراء۔

واقعہ بعض معترض بھی عجیب نامعقول قسم کے ہوتے ہیں۔ بات سمجھتے نہیں اور انکھیں بند کر کے اعتراض داغ دیتے ہیں۔ علامہ نے بات واضح کر دی کہ متعہ دوریہ میں یہ شرط نظر رکھنا ضروری ہے کہ عورت ایسی ہو کہ حیض آتے کی حد سے گزر چکی ہو۔ اگر کسی غیر آٹھ سے یہ حرکت کی گئی تو عبادت مقبول نہ ہوگی اس لیے صلحاء کا یہ فرض ہے کہ عبادت کرتے وقت

# ماتم حسین

اعمال صالحہ کی فہرست میں شیعہ حضرات کے ہاں ماتم کو تو مقام اور اہمیت حاصل ہے اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ :-

(۱) اس عمل کے لیے خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ مثلاً اجتماعی شکل ہو۔ سیاہ لباس ہو خواہ سادہ ہو یا عمدہ اور قیمتی کپڑے سے تیار کیا جائے۔

(۲) خاص وضع اختیار کی جائے ننگے پاؤں، ننگے سر پریشان بال اور کبھی یہاں تک کہ چہرے اور سر پر رکھ یا مٹی ڈالی ہوئی ہو۔

(۳) خاص راگ اور راگنیوں میں نوے ڈوہرے بن نالہ و شبون ہو۔

(۴) سینہ کو پی ہو مگر پوری ہم آہنگی کے ساتھ خاص تال پر اور کبھی ڈھول کی توب کے ساتھ ساتھ۔

(۵) خواہ کسی تقریب پر کوئی مجلس پڑھی جائے اس میں ماتم کا حصہ ضرور شامل ہو۔

(۶) گھوم کر جلوس کی شکل میں ہو اور اس کی خوب تشہیر ہو۔

(۷) اس اہتمام میں کوئی رکاوٹ ہو تو مرنے مارنے کی نوبت آجائے مقدمہ بازی ہو لڑائی ہو کچھ ہو اس عبادت میں کوئی حائل نہ ہو۔

(۸) اس عبادت میں کچھ لوگ اس درجے تک پہنچے ہوئے ہوں کہ وہ اس فن میں مہارت

تنام رکھتے ہوں۔ جن کی معیت میں یہ عبادت کی جائے۔ ایسے پیشہ ور فن کار رقصا کارانہ

طور پر شامل ہو یا انہیں معاوضہ دے کر شامل کیا جائے بہر صورت ان کی معیت

اور رہنمائی اس عبادت میں خاص کیفیت پیدا کرنے کے لیے ضروری ہوتی ہے۔

(۹) اس اجتماعی شکل میں عورت مرد کی تمیز ضروری نہیں۔ اسی یا کبھی شیعہ کے نزدیک ماتم

کی نوعیت ہے۔

مناقب شہزاد بن آشوب ۴ : ۸۳

امام جعفر سے روایت ہے قال ما من عید یشریب۔ الماد ذکرا الحسین ولعن قائل

الاکتب اللہ لہ مائتہ الف حسنة و ریح لہ مائتہ الف درجتہ و کان کاننا (عتق

مائتہ الف رقیبتہ و محی مائتہ الف سیدیۃ ،

یہ ایسے بدیہی مقالے ہیں جن کے معلوم کرنے کے لیے کسی گہری سوچ کی ضرورت نہیں ہاں چشم بینا ہو تو اس کا مشاہدہ اتنا عام ہے کہ ان کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

یہ امر قابل غور ہے کہ دین میں ایمان کے بعد عبادات منصوصہ کا ذکر آتا ہے۔ اس

لیے کوئی عبادت منصوصہ ایسی نہیں جس کا ثبوت نص مرتج میں موجود نہ ہو۔ چونکہ ماتم

کی عبادت اتنی اہمیت کی حامل ہے اس لیے اس کا ثبوت نص مرتج میں موجود ہوگا۔ اگر

عبدۃ النص سے نہ ہو تو بلائہ النص، اشارۃ النص یا اقتضایہ النص سے ضرور مل جانا

چاہیے۔ مگر یہاں تک قرآن سنت کا تعلق ہے جزع فرح کے برعکس صبر و ثبات کی

تاکید ملتی ہے جس کا ثبوت آئندہ اوراق میں پیش کیا جائے گا رہا ائمہ کے اقوال یا تعامل

کا تعلق تو وہاں بھی یہی صورت نظر آتی ہے۔ پھر اس عبادت کا ماخذ اور اس کی اصل کیا ہے؟

اس سوال کا جواب ہمیں کتب شیعہ سے ایک تاریخی ترتیب کے ساتھ ملتا ہے۔ اور

اس کی بنیاد بھی عامیانہ تعامل ہے کوئی علمی یا نظری ثبوت کہیں نہیں ملتا۔ اس ترتیب کی

تفصیل سے پہلے یہ تاریخی حقیقت اُبھر کر سامنے آتی ہے کہ اس عبادت کا سرانجام حضرت امام حسینؑ

کی شہادت کے بعد ہی ہوتا ہے اس لیے ہم شیعہ کتب سے اس شہادت کے متعلق چند حقائق

پیش کرتے ہیں۔

حضرت امام کے قاتل کون تھے؟ اس سوال کے جواب سے کئی عقدے حل ہو جائیں گے

اس لیے ہم کیوں نہ اہل بیت سے ہی پوچھیں کہ آپ کا قاتل کون ہے؟

(۱) کشف النعم ۲ : ۲۳۱ مطبع تبریز طبع جدید،

حضرت حسینؑ نے میدان جنگ میں اہل کوفہ کو ایک خطاب کیا :-

تقدم علی قوم سالی القوم حتی وا جھم | امام حسینؑ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر قوم کی

وقال لهم يا اهل الكوفة يتاكم  
وتساحبن اتصوتمونا واليهين  
فانيناكم موجفين  
فتحدتم علينا سيفا

ظرف بڑھے اور بالمواف کلام کی اور سرمایا  
اسے اہل کوفہ پشکار اور ہلاکت ہوئے پر تم نے  
محبت کا اظہار کرتے ہوئے ہمیں مدد کیے  
بلایا اور ہم بڑی سرعت سے تمہاری مدد کو  
پہنچے مگر تم نے ہم پر تلوار کھینچی۔

امام کے اس خطاب سے ظاہر ہے کہ

(۱) اہل کوفہ نے امام سے والمانہ محبت کا اظہار کرتے ہوئے امام کو دعوت دی کہ ہماری  
مدد کو آئیں۔

(۲) ان بلانے والوں نے ہی امام پر تلوار اٹھائی۔

(۳) منتہی الآمال ص ۳۳

فرمان امام حسین ورائے شاد و نامہائے بن نوشتہ آید برگشتہ است باکسیت  
برمی گردم کہ بیا و آں فرجی را کہ نامہ با در آں است۔ پس فرجی کہ مخلواز  
نامہ کوفیاں آورد و آنرا بیروں ریخت۔

(۳) اس اجمال کی مزید تفصیل جلاء العیون ص ۳۳ پر لکھا ہے کہ  
اہل کوفہ نے امام حسین کو ۱۲ ہزار خطوط لکھے۔

خلاصہ یہ کہ اہل کوفہ نے امام کو بلایا ۱۲ ہزار خطوط لکھے اور انہی بلانے والوں نے امام  
پر تلوار اٹھائی۔

(۴) منتہی الآمال۔ سید عباس قمی طبع جدید سازمان چاپ و انتشارات جاویدانی۔

بدلتید کہ منم علی بن حسین بن علی بن ابی طالب پس آئس کہ اور در کنار فرات ذبح کو کند  
بچہ آنکہ از خون طلب داشتہ باشند منم سپر آنکہ بیک حرمت او نمودند و مانس را بغاوت  
بدند و عیاش را اسپر کو دند۔ منم فرزند او کہ اور باقتل صبر نشند ہمیں فرما کانی است۔  
اسے مردم سوگند سے وہم شمارا خدا آیا فراموش کر دید شاکہ نامہائے کہ بہ پدر من نوشتید  
چوں مسالت شمارا جابت کرد از در خدایت بیرون شدید۔ آیا یا دینی آورید کہ با پدرم حمد و بیان

بستید و دست بیعت فرادادید آنگاہ اورا کشتید و مخدول داشتید پس ہلاکت باد شمارا  
برائے آنکہ برائے خود باخرت فرستادید چہ زشت است رائے کہ برائے خود پسندیدید ص ۴۱۲  
بقول شیعہ معصوم ابن معصوم اہل کوفہ کی فرد جرم بیان کر رہے ہیں کہ تم نے میرے والد  
کو بلایا۔ تم نے دھوکا دیا ذلیل کیا اور قتل کیا۔

(۵) الطس ان المذہب عطفی طبع جدید طہران ۱ : ۳۱۵

زینب فرمود اے اہل ظلم و جور اے اہل مکرو حیله اے اہل کوفہ ہمانا عمدتویش را شکتید  
و آنچہ وعدہ دادہ خلف کردید چہ حضرت برادرم نامہائے پے در پے نوشتید و اورا بیاں  
دلایت آوردید۔ و چوں بیاوردید از نفرت و یارچی برادرم بازگشتہ و از بیمان خود گردیدہ  
بادشمنان او معین شدید و اہل کذب و زنا را یاری نمودید۔

حضرت زینب کے مختصر سے بیان میں کئی حقائق موجود ہیں۔

(۱) اہل کوفہ نے امام کے ساتھ ظلم ہی نہیں کیا بلکہ مکرو فریب اور عمدت شکنی بھی کی۔

(۲) پے در پے دعوتی خطوط بھیجے۔

(۳) امام جب آئے تو مرث نہیں کہ نقص عہد کر کے امام کی مدد سے دستکش ہوئے بلکہ انکا  
دشمن کی مدد کی۔

(۴) دشمن بھی وہ نہیں جو امام کے مقابلے میں مدد کا مستحق ہو۔ بلکہ دشمن بھی اہل کذب و زنا۔

(۵) اسی کتاب کے ۱ : ۲۸۱ پر حضرت زینب کے طولانی خطبے میں اس کی کچھ اور وضاحت  
ہوئی ہے

اما بعد یا اهل الکوفة یا اهل الخند و  
العند و الخذل و انکرا بتکون فلارقادة  
الدمعة ..... الاساد ما قدمتم  
لانفسکم و ساد تقدرون لیوم بعشکم و  
بعد انکم و سحقا و تعسا و تیت الاباد  
و خدرة الصفقة و لو تم بغض من الله و نیت  
علیکم الذللة و المسکنة

اسے دھوکا باز مکار اہل کوفہ کیا تم  
روتے ہو ..... تم نے اپنے لیے  
بہت برا اوشہ آخرت بھیجا ہے۔ لعنت  
اور پشکار ہو تم پر

حضرت زینب کے اس خطاب سے ایک بات مزید معلوم ہوئی کہ اہل کوفہ نے مکہ و مدینہ سے قتل بھی کیا اور پھر رونا پینا بھی شروع کر دیا۔ مگر اس کے باوجود لعنت اور پھینکار کے مستحق ہی ٹھہرے۔

(۷) ناسخ التواریخ ۱: ۳۰۱

حضرت ام کلثوم و حضرت علی اور زینبہ فاروق اعظم کا خطبہ۔

و بالجملہ ام کلثوم فرمودیں کہ

لکوفہ سودة لکم ما لکم خذ لہ منہ

و قتلوہ و انتہیم امورنا و درتوہ

و سیتہم نساءہ و بکتیہم و فتابکم

و سقمنا۔ و یلکم اندرون ای دہلہا

دعبتکم و ای و نہا علی طہورکم۔۔۔۔۔

و ای اموال انتہبتوہا قتلتم خیر رجالات

بعد النبی و نزعت الرحمتہ من قلوبکم الا

ان حزب اللہ نعم العتارون و حزب

الشیطان ہم الخاسرون۔

میں فرماید اے مردم کوفہ بد برا حال شامچہ افتاد شمارا کہ حسین را خوار ساختید و مخدول و بے یار و بے یاور گزاشتید و اورا بکشتید و اموالش را بغارت بردید و چوں میراث خویش قسمت ساختید۔

حضرت ام کلثوم کے بیان سے اہل کوفہ کے مکرو فریب اور ظلم و جور کے علاوہ اہل کوفہ سے یہ شکایت بھی ظاہر ہوتی ہے کہ انہوں نے قتل حسین کے بعد اہل کوفہ کو کمال بھی لوٹا اور میراث نبیہ کو آپس میں تقسیم کیا۔

ان اقتباسات سے یہ امر واضح ہو گیا کہ اہل کوفہ شیعوں نے امام حسین کو خطو مانگ کر بلایا۔ جب آئے تو مکرو فریب سے ساتھ چھوڑ دیا ستم بالائے ستم یہ کہ دشمن کے ساتھ مل کر امام کو قتل کیا اسی پر بھی نہیں پھر اہل بیت کے اموال وٹے اور میراث سمجھ کر آپس میں

تقسیم کئے۔

حضرت زینب کے خطبہ سے یہ معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ کرنے کے بعد رونا پینا شروع کر دیا۔ اس پر حضرت زینب نے یہ دعا دی۔

(۸) ناسخ التواریخ ص ۲۹۷

اے اہل مدینہ و فریب و حیل و خدیعت از کمال غداری و مکاری و عدوہ نرسنت و

دیاری و ہمد۔۔۔۔۔ ہرگز چشم شما خشک مباد۔۔۔۔۔

آنکس را کہ با مرار و نگارش آں جملہ مکاتیب بدینا خویش بیاوردید۔ تیغ بروئے برکشیدید و یاد شمنش یار شدید و اورا تہا گزاشتہ تا بقتل درآمد تا آنکہ بایں روزگار در آوردید بر ما گریستن گیرید۔ ہرگز چشم شما خشک مباد و سینہ شما از آتش عم و اندوہ و نالہ آسودہ مباد۔

(۹) ایضاً ص ۳۰۲

راوی گوید چوں اہل کوفہ ای کلمات را بشنیدند الخ۔ یک دفعہ صدا بار ابا بکر یہ بلند شد و بھی بگڑستند و نومہ و سوگواری نمودند و موہیا پریشان کردند و خاک بر سر رکعتند و صورتہا بخراشیدند و طاحہ بر سر بردند۔

فلم یزبک و باکیۃ اکثر من هذا الیوم۔

حضرت زینب کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ

(۱) شہادت حسین کے بعد رونا پینا قاتلین حسین نے شروع کیا۔

(۲) فوج کرنا۔ بال پریشان کرنا۔ سر پر خاک ڈالنا۔ منہ لو پینا۔ اور چہرے اور سر پر پتھر مارنا۔ قاتلین حسین نے شروع کیا۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ ماتم کرنا گو فرض نہیں مگر سنت تو ضرور ہے ہاں قاتلین حسین کی سنت ہے۔

(۳) حضرت زینب نے اس فعل کو ناپسند کرتے ہوئے بد دعا دی کہ تمہارے آنسو

خشک نہ ہونے پائیں ہمیشہ روتے ہی رہو اور تمہارا سینہ آتش عم سے جلتا ہی رہے۔

تو معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے ماتم اور سنیہ کو بی کاشغل اختیار کیا انہوں نے قاتلین حسین کی سنت کو زندہ رکھنے کا فرض ادا کیا۔ اور حضرت زینب کی بددعا کا یہ اثر ہے کہ قاتلین حسین کی یہ سنت ان کے پیروں نے زندہ رکھی ہوئی ہے۔

(۴) جن تفصیل اور شرائط سے قاتلین حسین نے ماتم کیا ان تمام جزئیات کو بھی ان لوگوں نے زندہ رکھا یعنی نوحہ، سینہ کو بی، پریشان بال اور خاک بر سر کی جزئیات کے ساتھ اتباع سنت قاتلین حسین کو اب تک سینے سے لگا رکھا ہے۔

(۱۰) ایضاً حضرت ام کلثوم کا ایک اور بیان۔

و بالجملہ زنان کو فیاں برایشان زار زاری گریستند جناب ام کلثوم سلام اللہ علیہا سراز محل بیروں کرد و باں جماعت فرمود۔

یا اهل الكوفة تفتننا جاناکم و تیکینا انما کم  
فنا لھا کم بینا و بیننا اللہ  
یوم فصل القضا  
اے اہل کوفہ تمہارے مردوں نے ہمیں  
قتل کیا اور تمہاری عورتیں ہم پر روتی ہیں  
اچھا اللہ تعالیٰ ہی ہمارے اور تمہارے درمیان  
فیصلے کے دن فیصلہ کرے گا۔

حضرت ام کلثوم کے بیان سے معلوم ہوا کہ آپ نے اہل کوفہ کے رویہ پر تعجب کیا کہ شاید انہوں نے تقسیم کار کا اصول اپنا رکھا ہے کہ مردوں کا کام گھر بلا کر قتل کرنا اور عورتوں کا کام اظہار غم یا اظہار ندامت کے لیے رونا پینا ہے۔ مگر یہ تو یوں لگتا ہے جیسے کوئی ڈرامہ ہو رہا ہو اور مختلف ایکٹ اپنی اپنی پسند کی ایکٹنگ کر رہے ہوں۔

مگر اس سنت کی پیروی کی موجودہ شکل گویا تلافی مافات ہے کہ اب مرد اور عورتیں دونوں ایک ہی کام یعنی نوحہ و زاری میں لگے ہیں۔ جب مردوں کو قتل کرنے کیلئے ایسے لوگ نہ ملیں تو بیچارے کیا کریں عورتوں کا کام ہی سنبھال لیا۔

اسی کتاب کے صفحہ ۳۱۰ پر بھی ام کلثوم کا اس سے ملتا جلتا بیان موجود ہے۔

(۱۱) اسی کتاب کے صفحہ ۳۱۱ پر

بروایت ریاض الاثران و بعض دیگر چوں نالہ اہل کوفہ بنالہ و نسب بر فاست

ام کلثوم فرمود۔

تفتننا جاناکم و تیکینا انما کم لقد تعدیتم عدینا عدوانا عظیم القتلیم  
علینا عدوانا عظیم القتلیم متعیدا ادا تک والنبوت ینظرن منہ و تفتن الاہل  
و تحز الخبال ہذا۔

روایت کنند ابو عبدیہ اسدی در سال شہادت حسین در کوفہ یوم ناگماں زنہائے  
کوفہ ناگریہ بیائے چاک و مونے پریشاں و لطمہ بر چہرہ زناں نگراں شدم دریں حال شیخے کہن  
سال روئے بمن آورد۔ پرسیدم سبب ایں گریستن و نا لیدن چیست۔ گفت بجلت  
دیدار سر مبارک حسین است۔

کوفہ کی عورتوں کو گریبان چاک کئے ہوئے روتے پٹتے ہوئے دیکھ کر ابو عبدیہ اسدی  
کو تعجب ہوا کہ یہ عورتیں کیوں یہ منظر پیش کر رہی ہیں اس کے وجہ پوچھنے پر بتایا گیا کہ انہیں  
حضرت حسین کا سر مبارک دیکھ کر رونا آیا۔

مگر سوال یہ ہے کہ جب ان کے مردوں کو حسین کا سر تن سے جدا کرتے ہوئے ترس نہ  
آیا تو ان عورتوں کے دلوں میں غم کے جذبات کیسے ابھرتے۔ بات تو وہی ہوئی ہے  
وہی قتل بھی کرے ہے وہی لے ثواب لے گا۔

قاتلین حسین کون تھے؟ یہ بحث امامت کے باب میں تفصیل سے گزر چکی ہے اور  
ثابت کیا جا چکا ہے کہ

(۱) معصومین مدعیوں کے بیانات سے واضح ہوا کہ امام کو کوفہ بلانے والے، امام کے آنے  
کے بعد اس کی مخالفت کرنے والے امام پر پانی بند کرنے والے، بیدردی سے گرم  
ریت پر لٹا کر ذبح کرنے والے۔ فاندان نبوت کے خیموں کو لوٹنے والے، یہ مال شہیت  
آپس میں تقسیم کرنے والے اور اس کے بعد روپیٹ کر طہا نچہ زنی اور خاک ربانی کر  
کے ڈرامائی انداز میں اظہار غم کرنے والے سب شیعہ تھے۔ ان مدعیان کے بیانات  
کے بعد عا علیہم کا اقرار جرم پیش کر دیا گیا جو نوحہ اللہ شہادت شہید ثالث کی معتبر  
کتاب مجالس المؤمنین جلد دوم مجلس ہشتم میں موجود ہے۔

یہاں اس کا ضروری حصہ جس کا تعلق ماتم سے نئے حوالوں سے پیش کیا گیا تاکہ ثابت ہو جائے کہ ماتم کی ابتدا قاتلین حسینؑ نے کی اور ان کے اختلاف نے اس سبب کو قائم رکھنے کی کوشش میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔

مذکورہ الحدو باب میں جہاں یہ ثابت کیا گیا ہے وہاں یہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ شیعہ علماء نے یزید کو اس قتل سے بری الذمہ قرار دیا ہے۔ اس سلسلے میں چند مزید اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) منتہی الآمال ص ۲۴

روز کی آں سر مطہر را مجلس یزیدی بردند قاتل آنحضرتؐ سر مبارک را برداشت و رجز می خواند کہ رکاب مرا پر از طلا و نقرہ کن پادشاہ بزرگ را کشتہ ام کہ از جہت پدر و مادر از ہمہ کس بہتر است۔ یزید گفت ہر گاہ میدانستی کہ او چہنیں است چہ او را کشتی و حکم کرد کہ او را بقتل آورند۔

اس بیان سے ظاہر ہے کہ یزید، امام حسینؑ کے قتل سے راضی نہیں تھا جیسا تو انعام کا مطالبہ کرنے والے کو قتل کرنے کا حکم دیا۔

دوسری بات یہ ظاہر ہوتی ہے کہ قاتل کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ دنیا کی افضل ترین ہستی ہیں ایسا عقیدت مند صرف شیعہ ہی ہو سکتا ہے۔

(۲) اسی کتاب کے صفحہ پر یزید اور اس کی بیوی کا مکالمہ درج ہے۔

جب ہندہ زوجہ یزید اہل بیت کو دیکھنے گئی غصے سے بھری واپس آئی یزید سے سخت کلامی کی تو یزید نے کہا۔

”اے ہندہ! دل مرا بیدر آوردی۔ خدائے یکیشہ پسر مرجانہ را کہ

حسینؑ را بکشت و مرا در دو جہاں رو سیاہ ساخت۔“

پھر بیوی سے کہا کہ تم ان کے پاس جاؤ۔

”و بگہ کہ من نہ بکشتن اوراضی بودم۔“

صاحب منتہی الآمال سید عباس قمی مستند شیعہ عالم نے یہ واقعہ بیان کر کے یہ ثابت

کر دیا کہ یزید نے یہ بات اپنے گھر میں اپنی بیوی سے کی کہ وہ امام حسینؑ کے قتل میں راضی نہیں تھا۔

(۳) پھر اسی کتاب کے صفحہ پر یزید کا ایک طویل بیان درج ہے۔

”الاجرم بر قتل امام پشیمانی گرفت و فویشن را نہ نکو ہش سپرد وہی گفت بر من چہ شدہ اگر احتمال آزاد کر دے و حسین را بخود در سر اسے خود آوردے و در آنچه خواست حکومتش دادے ہر چند در قبول مسئولیت در ارکان سلطنت من و ہنہ فرود آمدے تا حفظ جان رسول اللہ و رعایت حق و قرابت حسین را بجائے نہادے خدائے پسر مرجانہ را طعن کند کہ حسین را بحال اضطرار و ناچار ساخت با اس کہ ازوے خواستہ شد کہ دست خود در دست من گزار دیا بیگے از تغور جائے کند تا بہ دیگر سر اسے رو ہند پسر مرجانہ از دے نہ یزید رفت و او را بکشت و در قتل او عموم مسلماناں را بہ من بر آشت و تخم دشمنی مرا در مزرع قلوب ایشان بکاشت چہ جملہ جانباں قتل حسین را بر من عظیم شرم دند مرا با بن مرجانہ چہ کار است خدایش ملعون و مغضوب بگرداند“

اس بیان سے ظاہر ہے کہ یزید تو میان تک تیار تھا کہ حکومت پہلی جاتی تو بہتر تھا مگر حسینؑ کو قتل نہ کیا جاتا۔ پھر ابن مرجانہ کو ملعون اور مغضوب کہہ کر اس امر کا اظہار کر دیا کہ یزید کی نگاہ میں بدترین جرم تھا۔

(۴) پھر اسی کتاب کے صفحہ ۲۲ پر یزید کے وہ الفاظ درج ہیں جو اس نے اس وقت کہے جب امام کا سر لانے والا اپنی تقریر ختم کر چکا۔

”و چون آن ملعون بیا آورد یزید نچتے سر فروداشت و سخن نکر دس سر

بر آورد و گفت اگر حسین را نمی کشتید من از کردار شما بہتر خوشنودی شدم

و اگر من حاضر بودم حسین را معضومی داشتم و او را عرصہ ہلاک و دمار

نمی گزارشتم و گفت ابن زیاد تخم عداوت مرا در دل تمام مردم کشت“

ان بیانات سے ظاہر ہے کہ یزید کی ہرگز یہ خواہش نہ تھی کہ امام حسین کو قتل کیا جائے اور اس نے قاتلین حسین سے جو سلوک کیا اس سے بھی ظاہر ہے کہ وہ اس قتل سے راضی نہ تھا۔ یزید کی اس ناخوشی کے اظہار سے بڑھ کر ایک اور عمل کی نشاندہی صاحب ناسخ التواریخ نے کی ہے۔ کہ جس وقت اہل بیت رسول قید ہو کر یزید کے پاس پہنچے تو یہ سچ کس از آل معاویہ و آل ابی سفیان بجائے ٹمانہ۔ جیز انیکم یا گریہ و فریاد و نوحہ ایشانرا پندیرا کر دند و سہی بر حسین ندبہ نمودند و جامہ و علیہ از تن پیر تختند و تا سہ روز بہ سوگواری بہشتند آنکاہ یزید ملعون فرمان کرد تا ایشان را بہ سرائے خاصہ او در آورند و زان پس بیچ صبح و شام بر خوان طعام نہشتے جز انیکہ علی ابن الحسین حاضر شد می“

(ناسخ التواریخ صفحہ ۴۴)

اس بیان سے ظاہر ہے کہ یزید نے صرف اظہار ناخوشی نہیں کیا بلکہ

- ۱۔ اس کے گھر میں صفت ماتم بچھ گئی۔
- ۲۔ یزید کے گھرانے میں سب لوگوں نے رونا پینڈنا شروع کر دیا۔
- ۳۔ نوحہ اور بین شروع کئے۔
- ۴۔ کپڑے پھاڑے اور زور اتار پھینکے۔
- ۵۔ تین دن تک سوگ منایا۔

گویا اس بنیبت سے حسین کا ماتم کرنا۔ آل یزید نے شروع کیا۔ اور ماتمی حضرات نے یزید کی اس سنت کو اس قدر پسند کیا کہ نہ صرف اس کو جوں ساتوں قائم رکھا بلکہ اس میں کئی اضافے بھی کئے۔ اور اس کے حق میں دو راز کار تاویلات کر کے دلائل بھی ڈھونڈ نکالے۔

ان صفحات میں ماتم کی ابتداء کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے اس بنیبت کے ساتھ ماتم کرنا اول تو قاتلین حسین کی سنت ہے پھر یزید کی سنت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس سنت کو قائم رکھنے والوں کو قاتلین حسین اور یزید سے کتنی محبت ہے۔

شیعہ قاتلین حسین اور یزید میں اتنی سی قدر مشترک دیکھ کے یہ نہ سمجھ لیا جانے کہ دونوں گروہوں کے اعمال میں سرے سے کوئی اختلاف ہے ہی نہیں۔ اس اثر کے باوجود اختلاف بھی پایا جاتا ہے مثلاً

(۱) شیعہ کوفیوں نے امام کو بارہ ہزار دعوتی خطوط لکھ کر گھر بلایا۔ مگر یزید نے امام کو کو ذرا آنے کی دعوت نہیں دی تھی۔

(۲) شیعہ کوفیوں نے امام کا ساتھ دینے کا عہد کرنے کے بعد امام سے دشمنی کی۔ یزید نے امام سے کوئی ایسا فریب نہیں کیا۔

(۳) شیعہ کوفیوں نے امام پر پانی بند کیا۔ امام کے خیموں کو لوٹا۔ جلاء العیون میں بے شیعہ لوٹتے بھی تھے اور روتے بھی تھے۔ جب اہل بیت نے کہا کہ عجیب حرکت ہے کہ لوٹتے بھی ہو اور روتے بھی ہو تو جواب دیا کہ روتے اس لیے ہیں کہ خاندان نبوت کا مال لوٹ رہے ہیں اور لوٹتے اس لیے ہیں کہ ہم نہ لوٹیں گے تو کوئی اور لوٹ لے گا۔ ناسخ التواریخ صفحہ ۴۴ پر بھی یہی بات ظہور ہے۔

مگر یزید نے اہل بیت کا مال نہیں لوٹا بلکہ اس نقصان کی تلافی کی۔ جیسا کہ طراز المذہب صفحہ ۴۴ م ہے۔

۲۲ ہزار شرفی امام حسین کا خون بہا یزید نے اہل بیت کو دیا۔

پھر صفحہ ۴۴ پر

در یزید لعنتہ اللہ علیہ ازاں پس برد و منادید ڈاکیاں از ذہب و دھنہ از ہر ایشان حمل کرد و ہر چہ از ایشان ما خود شدہ بود شہتت برابر باز پس داد

یعنی مہمان حسین نے اہل بیت کا جتنا مال لوٹا تھا یزید نے اس سے ہاتھ مال دیکر اس نقصان کی تلافی کی۔

(۴) شیعہ کوفی ماتمیوں نے حسین کو قتل بھی کیا پھر اہل بیت کو سوا بھی کیا یزید نے قتل کی اطلاع ملنے پر ناخوشی کا اظہار بھی کیا۔ اہل بیت کو سوائے خاصہ میں

تعبیر آیا اور اس وقت تک کھانا نہ کھاتا جب تک زین العابدین موجود نہ ہوتے  
(ناسخ التواریخ ص ۱۷۱)

(۵) شیعہ کوفیوں کے متعلق ائمہ نے جو مستقل رائے قائم کر رکھی تھی اس کا اظہار  
امام باقر نے اس وقت کیا جب حضرت زید نے خروج کا ارادہ کیا تھا۔  
شیخ عباس قمی نے اپنی مشہور کتاب تہمتہ المنتہی ص ۵۸ میں بیان کیا ہے۔  
”چوں زید ارادہ کرد با برادر خود امام باقر مشورت کرد حضرت فرمود  
اعتماد بر اہل کوفہ نشاید چہ ایشان اہل عذر و مکر باشند و کوفہ شہید  
شد بعد تو امیر المؤمنین علی۔ و زخم زدند عم تو حسن بن علی و شہید شد پیرت  
حسین بن علی“

یعنی زید کے ذمے مرت امام حسین کا قتل لگایا گیا جس کی تردید خود شیعہ  
علماء نے کر دی اور اسے بری قرار دے دیا مگر شیخان کوفہ کے متعلق تو کوئی حرم امام  
باقر نے بیان کر دئے کہ حضرت علی کو انہوں نے قتل کیا۔ حضرت حسن کو انہوں نے  
ایدارہ پہنچائی اور حضرت حسین کو انہوں نے قتل کیا اس کے برعکس امام زین العابدین  
کے ساتھ زید کی جو گفتگو ہوئی اس سے امام مطلق ہو گئے اور فرمایا  
انا عبد مکسره ان شکلت فنج.....

منتہی الآمال میں تو جاہ جاب زید کی ندامت اور اس زیادتی کی نلافی کا ذکر موجود  
ہے جو ابن مرجانہ کے ہاتھوں امام حسین کے ساتھ کی گئی۔ مثلاً ص ۳۳۳  
”پس زید بعین در امر او تعجیل کرد و من کشتن او را ضعیف بودم“  
ص ۳۳۴ حضرت سید السجاد علیہ السلام را در مجلس خویش می طلبید قتل امام حسین  
را با بن زیاد نسبت می داد و اور لعنت می کرد بر این کار و الاہار ندامت  
نی کرد۔

اور ص ۳۳۶ پر امام زین العابدین کے ساتھ زید کی گفتگو۔

اور ص ۳۳۷ پر بردا بیت شیخ مفید زید حضرت سید السجاد را طلبید در مجلس

خلوتے گفت خداوند لعنت کند پیر مر جانہ را۔ بخدا قسم اگر من نزد پیرت حاضر بودم آنچه  
از من طلبے نمود عطای کردم و ہر چه ممکن بود مرگ از او دفع میدارم و نیکگذاشتم  
کہ کشته شود..... از برائے بروں آوردن حاجت تو حاضرم ہر چه خواہی از مدینہ  
برائے من بنویس تا حاجت تو امانتہم یا

نقطہ بہ کہ ماتم کی ابتدا کرنے میں مہمان اہل بیت اور زید برابر ہیں مگر اہل بیت  
کے ساتھ اہل کوفہ مہمان اہل بیت نے جو سلوک کیا۔ ائمہ اور شیعہ علماء کے بیان کے  
مطابق زید اس کی گرد گہبی نہیں پہنچ سکتا بقول حضرت زینب  
یوتم بغضب من الله و ضربت علیکم المسکتہ۔

تو بخوبی متنبہ کر دی کہ بمانکنی نظریے۔ بخدا کہ لازم آید تو اعتراض کر دے  
بات ماتم کی پہل رہی تھی درمیان میں ضمناً یہ بات آگئی کہ مہمان اہل بیت اور  
زید میرے کون سے گروہ کی کرم زانیان اہل بیت کے حق میں نسبتاً زیادہ ہیں۔  
اب ہم پھر اصل مضمون کی طرف آتے ہیں۔  
معتبر کتب شیعہ سے یہ ثابت کیا جا چکا کہ ماتم کی ابتدا قاتلین حسین تھے کی۔  
اب یہ دیکھئے کہ اس میں مزید رنگ کس نے بھرا اور اس عبادت کو اور زیادہ  
باعث کشش کس نے بنایا۔

(۱) ناسخ التواریخ ص ۳۴۷

پس ازاں اہل بیت را از مجلس زید بروں بردہ بخانہ زید بردار آوردند  
وازیں وقت ہیچ نہ نہ از اہل زید نماند جز انیکہ نزد ایشان بیادہ و سوگواری  
برپا کردند و از آنچہ اہل بیت ما خود شدہ بود پر سبند و دو چندان باں تقدیر  
کردند۔

یعنی اہل بیت زید کے گھر میں داخل ہوئے تو زید کے گھر کی تمام  
مستورات ان کے پاس جمع ہو گئیں۔ اور ماتم برپا کر دیا۔ اور اہل بیت کا جو مال  
نقصان ہوا تھا اس کا دو چندان پیش کیا۔ یہ پہلے گزر چکا ہے کہ زید نے ۶۰ ہاتھ رقم



پیش کی اور بیزید کے گھر والوں نے دو چند رقم پیش کی مزید کیا انہوں نے ماتم بھی کیا۔  
۲۔ منتہی الآمال ص ۲۵۸

پس جناب فاطمہ بنتہ سیدہ شہداء فرمودے بیزید ادرتزان رسول خدا  
را کہے اس پر بنی کعبہ اہل بیس و اہل خانہ بیزید از استماع این کلمات گریستن گرفت  
پہنڈ آنکھوں با سے گریہ و شہیوں بلبند شد۔

یعنی بیزید کے اہل خانہ نے رونا شروع کیا یہاں تک ان کے شور و شہیوں کی  
آواز بلند ہوئی۔

(۳) ایشیا ص ۱۱۱

چونکہ زینت اہل بیت و جلالہ علیہم السلام داخل خانہ آں خدمت زینت  
آں بوسقیان زبور ہائے خود کندہ و لباس ماتم پوشیدند صدایہ گریہ دلورہ بلند کردند۔  
یعنی بیزید کے اہل خانہ نے تین کام کئے۔ اول اپنے زبور نوچ ڈالے۔ دوم لباس  
ماتم پہن لیا۔ سوم گریہ اور بند آواز سے نوہ شروع کر دیا۔ گویا موجودہ مروجہ ماتم کے یہ  
تین اجزاء بیزید کے گھر سے شروع ہوئے۔

۳۔ منتہی الآمال ص ۲۵۸

خانہ بیانے ایشان مقرر کرد۔ و ایشان جامعانے سیاہ پوشیدند و ہر کہ در شام  
بود از قریش و بنی ہاشم در ماتم و زاری و تعزیت و سوگواری با ایشان موافقت  
کردند۔ و تا بہقت روز بر آنجناب ندبہ و نوہ و زاری کردند  
اس بیان سے معلوم ہوا کہ :-

(۱) بیزید نے ماتمی عورتوں کے لیے الگ مکان مقرر کیا۔

(۲) انہوں نے سیاہ لباس زیب تن کیا۔

(۳) شام میں بنی ہاشم نے ان کے ساتھ موافقت کی۔

(۴) سات روز تک ماتم، نوہ اور تعزیت کا سلسلہ جاری رہا۔

شعبہ کتب کے ان چار اقتباسات سے معلوم ہوا کہ نوہ کے بعد شام میں ماتم کے

عبادت جاری کرنے والے بیزید کے گھر کی مستورات تھیں۔ اور انہوں نے ماتم کے  
آداب میں زبور نوچ ڈالنا، سیاہ لباس پہننا مل کر بلند آواز سے نوسے پڑھنا۔ اور  
سات روز تک اس عبادت کو جاری رکھنے کی بنیاد رکھی۔ اس اعتبار سے موجودہ ماتم  
گویا اہل خانہ بیزید کی سنت ہے۔ یعنی ماتم کی ابتدا کو ذمے ہوئی جو قاتلین حسین بسے کی پھر  
شام میں اس کی توثیق ہوئی۔ اور وہ بیزید کے گھر کی عورتوں نے کی۔ دونوں مشائخات  
میں قدر مشترک یہ ہے وہاں بھی عورتوں نے اس کی بنیاد رکھی اور یہاں بھی عورتوں  
نے ہی اس میں اضافے کئے گویا ماتم کی ابتدا میں دو امور واضح ہیں کہ اول تو ماتم شروع  
کرنے والے دشمنان اہل بیت تھے دوم عورتوں سے یہ سلسلہ شروع ہوا۔ تو اس عبادت  
کو جاری رکھنے میں بیک وقت دو سنتیں ادا ہوئیں اول دشمنان اہل بیت کی منت  
دوم عورتوں کی سنت۔

اس کے بعد ماتم کے بارے میں تاریخ خاموش ہے یہاں تک کہ چوتھی صدی  
کے دو سرے وسط میں اس کا ذکر ملتا ہے۔

منتہی الآمال ص ۲۵۲ جملہ (ای مورخین) نقل کردہ اندکہ ۲۵۲ (اسی صدی

پنجاب و دو) روز عاشورا معز الدولہ دلیلی امر کرد اہل بغداد را بہ نوہ و طہ و ماتم  
بر امام حسین و آنکہ زینما موہیا را پریشان و صورت ہا سیاہ کنند و بازار ہا را بہ  
بندند و بردگان ہا را سیاہ و آویزاں نمائند و طباعین طبع نکتند و زینماے شہید بیرون  
آمدند در حالیکہ صورت ہا را سیاہی دیگ و غیرہ سیاہ کردہ بودند و سیتہ می زدند و  
نوحہ می کردند و سالما چہنیں بود و اہل السنہ عاجز شدند از منع آن لکن السلطان مع الشیعہ  
اس تاریخچی دستاویز سے کئی باتیں معلوم ہوئیں۔

(۱) ۲۵۲ میں معز الدولہ دلیلی نے حکماً بغداد میں ماتم کرنا جاری کیا۔

(۲) اس کام کے لیے عاشورا کا دن مقرر کیا۔

(۳) اہل بغداد امام حسین کے ماتم کے لیے نوسے کریں اور منہ نوچیں۔

(۴) عورتیں بال بکھارے اپنے چہرے کو سیاہ کریں۔

(۵) یا تار بند ہو جائیں۔

(۶) نابنائی کھانا نہ چکائیں۔

(۷) شیعہ عورتیں اس حالت میں باہر آئیں کہ چہروں کو دیکھنے کی کالک سے سیاہ کئے ہوئے  
تھیں سینہ کو بی کر رہی تھیں۔ اور نوے کر رہی تھیں۔

(۸) کئی سال تک یہی کچھ ہوتا رہا۔

(۹) اہل السنن اس کی رکاوٹ کرنے سے عاجز آئے کیونکہ بادشاہ شیعہوں کے ساتھ تھا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ ماتم کی ابتداء نو قاتلین حسین اور خانہ یزید سے ہوئی پھر تین سو  
سال تک اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ تین سو سال کے بعد ایک شیعہ بادشاہ نے  
حکماً یہ عبادت جاری کی جس کا مطلب یہ ہے کہ عبادات کے تعین میں جو منصب اللہ  
رسول کو ہے وہ شیعہ بادشاہ کو سونپ دیا۔

اس میں بھی عورتیں پیش پیش ہیں۔ اور اہل السنن روکنا تو چاہتے تھے کیونکہ یہ  
مذہب میں اور دینی عبادات میں اضافہ ہے مگر روک نہ سکے کیونکہ شاہی حکم  
تھا اور اقتدار اس کی پشت پر تھا۔

منتہی الآمال ۱۲۵

و بعضہ از علماء این مطلب را از معجزات باہرات آنحضرت شمرده و از زمان  
سلطنت ولیمہ تا کنون در ہر سال لوائے تعزیرہ داری ابی مضمون در شرق و غرب  
عالم برپا است و مشاہدہ می شود کہ مردم شیعہ مذہب در ایام عاشورا چہ گوئی بے تاب  
و بے قرار ہستند و در جمیع بلاد مشغول نو ہر سرائی و اقامتہ مجلس تعزیرہ و بر سر سینہ  
زدن و لباسائے سیاہ پوشیدن و سائر لوازم مصیبت ہستند۔

یعنی علمائے شیعہ نے معزالہ ولہ کی اس تحریک کو امام کا معجزہ قرار دیا گوئی معجزہ  
تین صدیوں بعد ظہور پذیر ہوا۔ مگر یہ معجزہ تو معزالہ ولہ کا ہے کہ اس کے بعد اب تک  
ان شرائط کے ساتھ تعزیرہ داری مشرق مغرب میں رائج ہے۔

رہا یہ سوال یہ سب لوازم مصیبت ہیں۔ اس میں کلام ہے۔ مصیبت تین سو سال

پہلے آئی اور لوازم مصیبت تین سو سال بعد ظاہر آئے۔ مصیبت اہل بیت پر آئی اور لوازم  
مصیبت قاتلین اہل بیت کے گھر سے ظاہر ہوئے۔ مصیبت امام حسین کے گھر میں  
آئی اور لوازم مصیبت نے یزید کے گھر سے سر نکالا۔ جن پر مصیبت آئی کیا انہوں  
نے بال نوپے، سینہ کو بی کی منہ پر تھپڑ مارے۔ دیک کی کالک منہ پر ملی۔ سببا لباس  
پسنا۔ نوے پڑھے۔ بہن کئے۔ مگر وہ کیسے کر سکتے تھے۔ انہیں لوازم مصیبت سے  
بڑھ کر لوازم دین کا پاس تھا۔ اللہ کی کتاب کی ستر سے زیادہ بار صبر کی تلقین ان کے  
لیے مشعل راہ تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت انہیں یاد تھی، حضرت علی کے ارشادات  
ان کے سامنے تھے اس لیے لوازم مصیبت ان پر کیونکر غالب آسکتے تھے۔

## مصیبت اور لوازم مصیبت

دنیا دارالحسن ہے۔ انسان پر مصائب کا آنا قدرتی امر ہے یہ اور بات ہے کہ مصائب کی  
لوعیت اور مصیبت کی شدت مختلف افراد کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے۔ بہر حال  
جب مصائب کا آنا قدرتی امر ہے تو اس کا رد عمل ہونا بھی قدرتی امر ہوگا۔  
پھر یہ رد عمل دو قسم کا ہو سکتا ہے۔ ایک وہ جو غیر اختیاری ہوگا اور اس پر آدمی  
ماخوذ نہ ہوگا۔ دوسرا وہ جو اختیاری ہوگا اور اختیار کے استعمال میں آئیں  
شرع کی پابندی لازمی ہے اور اختیار کے غلط استعمال پر مؤاخذہ ہوتا ہے۔

پہلی قسم کے رد عمل کو قرآنی زبان میں صبر کہتے ہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے

والبصائر الذین اذا اصابهم مصیبتہ قالوا ان اللہ وانا اللہ راجعون اور ان کے انعامات  
کا اعلان کیا ہے کہ اولیک علیکم صلوات من ربکم ورحمتہ واولئک ہم المہتدون۔

اور دوسرے رد عمل کو جزع و فرح کہتے ہیں۔ جس کے لیے بہت سی وعیدیں  
آئی ہیں۔ مختصر یہ کہ قلب کا متاثر ہونا اور آنکھوں سے آنسو بہنا غیر اختیاری  
ہے لہذا منافی صبر نہیں۔ زبان اور ہاتھوں کا حرکت میں آنا اختیاری فعل ہے اس

لیے زبان سے شکوہ فوج میں وغیرہ اور ہاتھوں سے بال نوپنا اور سبزی کو بی وغیرہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے خلاف احتجاج کی ایک صورت ہے جو اللہ کے غضب اور اس کی ناراضی کا سبب ہے۔ اب ہم کتب شیعہ سے ان دونوں قسم کے رد عمل کا اجمال ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ انوارنہانیہ ص ۳۱۶ طبع ایران۔ صبر کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

ان القرآن والمحدث قد اکثر من مدحہ حتی انه سبحانه وتعالى وصف الصابرين باوصاف وذكر الصبر في القرآن في نيف وسجين موضعوا واصناف اكثر الخيرات والوراث الى الصبر وجعلها شرا له فقال عز وجل وجعلناهم ائمة يهدون بامرنا لما صبروا وقال تمت كلمته ربك الجسني على بنی اسرائیل باصبروا وقال انها یونی الصابرون اجرهم بغير حساب من الآیات۔

وقال صادق الصبر من الايمان بمنزلة الرأس من الجسد فاذا ذهب الرأس ذهب الجسد كذلك اذا ذهب الصبر ذهب الايمان لما سئل صلى الله عليه وسلم عن الايمان قال هو الصبر۔

اس عبارت کا ما حاصل یہ ہے کہ:-

- ۱۔ قرآن و حدیث میں صبر کی مدح کثرت سے کی گئی ہے۔
- ۲۔ اللہ تعالیٰ نے صابریں کو بہت سے اوقات سے متصف فرمایا ہے۔
- ۳۔ قرآن کریم میں ستر سے زیادہ مقامات پر صبر کا ذکر آیا ہے۔
- ۴۔ قرآن نے اکثر نیکویوں اور درجات کو صبر کے ساتھ منسوب کیا ہے۔ اور ان درجات کو صبر کا ثمرہ قرار دیا ہے۔
- ۵۔ اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے کی وجہ سے لوگوں کو ہدایت کا امام بنا دیا۔
- ۶۔ صبر کرنے والوں کو بے حساب صلہ دینے کا یقین دلایا۔
- ۷۔ امام جعفر صادق نے فرمایا جو حیثیت جسم کے لیے سر کی ہے وہی حیثیت ایمان کے لیے صبر کی ہے۔

۸۔ اگر سر کٹ جائے تو دھڑبے کا رہے اسی طرح اگر صبر جاتا رہے تو ایمان جاتا رہا۔

۹۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ ایمان کیا ہے تو آپ نے فرمایا ایمان صبر ہے۔

تخصیر یہ کہ صبر نہ ہے تو ایمان غائب اور امامت کا درجہ صرف اسی کو ملتا ہے جو صبر کرے۔ صبر نہ کرے تو امام ہدایت نہیں بن سکتا۔

(۲) انوارنہانیہ ص ۳۱۸ امام جعفر فرماتے ہیں:-

انا لصبور و شیعتنا اصبرنا لان صبرنا علی ما نعلم و شیعتنا یصبرون علی ما لا یعلمون۔

یعنی امام جعفر نے صرف اپنے متعلق نہیں کہا بلکہ اپنے خاندان اہل بیت کے متعلق فرمایا کہ ہم صبر کرتے ہیں کیونکہ ہمیں اس حقیقت کا علم ہے کہ مصیبت کہاں سے آسری ہے۔ نیز یہ فرمایا کہ ہمارے شیعہ علم نہ ہونے کے باوجود بھی صبر کرتے ہیں۔ گویا شیعہ وہی بے جو صابر ہوتا ہے۔ جو صبر نہ کرے وہ شیعہ نہیں۔

(۳) شیخ البلاغہ ۳ : ۱۶۸

قال علی عیکم بالصبر فالصبر من الايمان كالرأس من الجسد ولاخیر فی جسد لا راس مع الايمان فی ما لا صبر معہ۔

حضرت علیؑ نے صبر کی تاکید فرمائی اور اس کی وجہ بتائی کہ ایمان کے لیے صبر کی حیثیت وہی ہے جو جسم کے لیے سر کی ہوتی ہے جس طرح دھڑ بھر کے بیکار ہے اسی طرح ایمان بغير صبر کے کسی کام کا نہیں۔

(۴) ایضا ۳ : ۱۸۵

قال علی ينزل الصبر علی قدر المصيبة ومن طرب يمدو علی فخذہ عند مصيبة حبط عملہ۔

یعنی حضرت نے یہ حکمت بیان فرمائی کہ مصیبت کی شدت کے مطابق صبر ہونا

منالعی ہوگیار

۴ - شدت سے جزع فزع کرنے سے یہ لازم آتا ہے کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کے فیصلہ خلاف احتجاج کر رہا ہے اور اس فیصلے کو ناپسند کرتا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا امام حسین اور اہل بیت میں بھی یہ استعداد اللہ تعالیٰ نے رکھی تھی؟ ظاہر ہے کہ حضرت علیؑ کے اس قول کی روشنی میں یہ باور کرنا مشکل ہے کہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے اس قانون سے مستثنیٰ ہوں لہذا ان میں بھی یہ استعداد موجود تھی۔

۲ - کیا ان پر آنے والی مصیبت اس استعداد کے مطابق تھی یا نہیں؟ یہ بات دل کو لگتی ہے کہ استعداد اس مصیبت پر صبر کرنے کی زیادہ نہ ہو تو اس کے مطابق ضرور تھی۔

۳ - کیا انہوں نے صبر کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے اس استعداد سے کام لیا یا نہیں۔

اگر یہ تصور کیا جائے کہ کام نہیں لیا تو ظاہر ہے کہ انہوں نے صبر کی ضد جزع فزع سے کام لیا۔

۴ - اگر تسلیم کیا جائے تو یہ ماننا لازم آئے گا کہ انہیں اللہ کا فیصلہ پسند نہیں تھا اور انہیں اس کے خلاف شکایت تھی۔ یہ بات وہی تسلیم کر سکتا ہے جسے اہل بیت سے دلی بغض ہو۔

۵ - دوسری بات یہ لازم آتی ہے کہ اگر انہوں نے جزع فزع کی تو ان کے اعمال اکارت گئے۔ پھر امامت کا کیا بنے گا۔ اس لیے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان پر جو مصیبت آئی وہ استعداد کے مطابق تھی اور انہوں نے صبر کا حق ادا کر دیا اور جزع فزع کر کے اللہ کی ناراضگی کا خطرہ مول نہیں لیا۔ پھر یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ موجودہ وضع پر جزع فزع اور ماتم کرنا۔ ائمہ کی مخالفت بھی اور اللہ کے فیصلے کے خلاف احتجاج بھی اور اللہ کے غضب کو دعوت دینے کی ایک صورت

سے جس پر یہی مصیبت آئے اسے اسی کے متناسب صبر کرنا ہوتا ہے۔ اور فرمایا کہ جو شخص مصیبت آنے پر اتنی بے صبری کا اظہار بھی کرے کہ اپنے زانو پر ہاتھ مارے اس کے اعمال منالعی ہو گئے۔

امام تو فرمائیں کہ مصیبت کے وقت زانو پر ہاتھ مارنے والے کے اعمال منالعی ہو جاتے ہیں اور یہاں سے یہ اصرار کہ سینہ کو بی کوزنا، منہ کا لاکرنا، بال نوچنا عبادت ہے تو آدمی سوچے کہ اعمال تو پہلے و حلے میں منالعی ہو گئے۔ اب مزید منالعی ہونے کے لیے تو کچھ رہا نہیں لہذا اس کے وبال کا بوجھ ہی اس کی گردن پر رکھا جا سکتا ہے۔

(۵) فیض الاسلام شرح نہج البلاغہ ۲: ۱۱۳ علیکم بالصبر

یہی بات درۃ النجفیہ ۲: ۲۶۶ میں بھی درج ہے۔

یہ ہے مصیبت کے مقابل میں رد عمل کا ایک پہلو اب دوسرا پہلو ملاحظہ ہو۔

صبر کے مقابل جزع فزع ہے اس کے متعلق حضرت علیؑ کا ارشاد ہے

(۱) درۃ النجفیہ ۲: ۳۶۶

ان الله قد جعل للانسان قوة استعداد دلاق بصبر بمقدار مصیبة و من ثم استعدادہ انین علیہ ذلک المقدار من الصبر ومن قصر فی الاستعداد حصول هذه العفيلة و ارتکب صندھا و هو الحزب حبط اجرک و تواب علی الصبر لان شدۃ الحزب یستلزم کراهیة قضاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت علیؑ ارشاد میں اظہار حقیقت بھی ہے حکمت اور فلسفہ بھی ہے۔ صبر کی فضیلت بھی ہے اور جزع فزع کی ممانعت بھی جس کی تفصیل یہ ہے۔

۱ - اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں صبر کی قوت اور استعداد رکھی ہے۔

۲ - اس استعداد کے مطابق مصیبت نازل ہوتی ہے۔

۳ - جو شخص فطرت کی عطا کردہ استعداد کے مطابق صبر نہ کرے اور صبر کی فضیلت حاصل نہ کرے اور اس کی ضد یعنی جزع فزع شروع کر دے تو اس کا اجر و ثواب

بھی ہے۔

(۲) نوح البلاغہ ۳ : ۳۶۹

قال علی من لم یسبح الصبر اھلکما العز عی من لم یصبر  
علی المعیبتہ لیجوفنح صحت۔

یعنی صبر ہی حقیقی کامیابی ہے اور جزع و فرح نمری تا کامی اور جو شخص مصیبت میں  
صبر نہ کر سکا کہ کامیابی حاصل کر سکے اور جزع و فرح شروع کیا وہ ہلاک ہو گیا۔

حضرت علیؑ کے اس قول کی روشنی میں پھر دیکھنا پڑے گا کہ امام حسینؑ کامیاب ہوئے  
یا ناکام۔ اگر یہ کہا جائے کہ امام نے یا اہل بیت نے جزع و فرح کی تو اس کا مطلب یہ ہو  
گا کہ کھنڈ والا یہ اصلاں کر رہا ہے کہ معاذ اللہ وہ ہلاک ہو گئے۔ اگر یہ برأت نہ کر سکے تو یہ  
ماتم اور سینہ کو بی آخر کس مقصد کے لیے ہے

(۳) آیت قرآنی لا یعیبک فی معروف کی تفسیر میں شیخ مقداد مفسر شیعہ نے  
اپنی تفسیر کنز العرفان میں لکھا ہے۔ عتی بما العتی من القوح و تمزیق الثیاب  
و جزع الشع و شق الجذیب و خدش الوجه و الدعاء و بالویل۔

یعنی معروف میں نافرمانی نہ کرنے کے عہد سے مراد نہی اور ممانعت ہے نوح  
کرنے سے، پکڑے پھاڑنے سے، بال نوجنے سے، گریبان چاک کرنے سے منہ پر تھپڑ  
مارنے سے اور ہائے وائے کرنے سے۔

اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ شیعہ مفسر نے قرآنی آیت کی رو سے اس ماتم کو حرام قرار  
دیا ہے۔ حیرت ہے کہ حرام کار تکاب اور اللہ کی نافرمانی ہی اگر بہترین عبادت ہے  
تو گناہ کی تعریف کیا ہوگی۔

(۴) تفسیر فرات بن ابراہیم میں ہے مرض موت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت  
فاطمہ کو وصیت فرمائی۔ یا فاطمۃ بنت البنی۔ ان النبی لایشق  
علیہ الجذیب و لا تخمش علیہ الوجہ و لا یدعی علیہ بالویل۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد، پھر ارشاد بھی وصیت اور وہ بھی اپنی بیٹی کو۔

بات کی اہمیت ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے وہ بات کیا ہے؟ گریبان چاک کرنے منہ  
پٹیختے اور زبان سے ہائے وائے کرنے کی ممانعت ہے۔

یہ ہے مصیبت کے وقت رد عمل کی دوسری صورت کی حقیقت کی ہاتھ اور زبان  
کو اس انداز سے استعمال کرنے کی ممانعت۔

(۵) تفسیر صافی میں شیعہ مفسر محسن کاشی مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

قال صلی اللہ علیہ وسلم لا تلطمن خدا و لا تخمشن وجھا و لا تستقن شعل  
و لا تشقن جیبا و لا تسرون ثوبا و لا تدعین بالویل۔

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے خاص طور پر یہ بہدلیا کہ برگرز چہرے  
پر تھپڑ نہ مارنا، منہ نہ نوجینا، بال نہ نوجینا، گریبان چاک نہ کرنا، پکڑے کالے نہ کرنا اور  
ہائے وائے نہ کرنا۔ تو ان امور کے ممنوع اور حرام ہونے میں شبہ کیا رہا۔ مگر اہل کوفہ  
کی عورتوں نے اور یزید کے اہل خانہ نے خدا و رسول کی مریخ مخالفت کر کے یہ سارے  
کام کئے اور محبان اہل بیت نے اسے جوئی کی عبادت قرار دیا۔

(۶) تفسیر منہج الصادقین، فتح اللہ کاشانی اسی آیت کے تحت نوح نکلند، جلم  
نہ درند، و موی نکلند۔ و روی نہ خراشند الخ۔

(۷) تفسیر مجمع البیان اسی آیت کے تحت۔

عنی بالمعروف العنی عن المزح، و التمزیق الثیاب و جزع الشع و شق الجذیب و خدش الوجه

(۸) کتاب المیزان۔ طباطبائی۔ اسی آیت کے تحت

امام جعفر صادق نے اس سے یہی مطلب لیا ہے

لا تلطمن خدا، و لا تخمشن وجھا و لا تستقن شعل۔ و لا تشقن جیبا و لا تسرون  
ثوبا۔

(۹) تفسیر قمی اسی آیت کے تحت یہی الفاظ درج ہیں۔

شیعہ تفسیر میں مروجہ ماتم کے تمام اجزا اور شرائط کی ممانعت کا ذکر ہو چکا اب  
دوسری کتب شیعہ سے اسی دوسرے رد عمل کے متعلق کچھ اجملی بیان کیا جاتا ہے۔

(۱) اصول کافی میں صبر کے عنوان سے ایک مستقل باب ہے جو کتاب الکفر والایمان کے ذیل میں ہے۔

(۲) من لایحضرہ الفقہیہ ۱: ۱۶۲

سئل الصادق عن الصلوة فی القنویۃ السواد فقَالَ لا تصل فیہا قانعا لباس اهل الناس۔

امام جعفر صادق نے سیاہ لباس کو دوزخیوں کا لباس قرار دیا اسی وجہ سے اس کی ممانعت فرمائی۔ مگر مجاہد اہل بیت بڑے اہتمام سے دوزخیوں کے ساتھ مشابہت پیدا کر کے یہ عبادت کرتے ہیں جسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے۔

(۳) ایضاً ۱: ۱۶۳

قال امیر المؤمنین علیہ السلام فیما علم اصحابہ ولا تلبسوا السواد قانعا لباس فرعون۔

حضرت علیؑ نے اپنے اصحاب کو تعلیم دیتے ہوئے فرمایا کہ سیاہ لباس مت پہننا کہ یہ فرعون کا لباس ہے۔ اور شیطان علی عبادت کے طور پر سیاہ لباس پہنتے ہیں یعنی اس فعل سے حضرت علیؑ کی عداوت اور فرعون سے محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ محبت دل کا فعل ہے جو پویشیدہ معاملہ ہے اور محبت چھپائے چھپتی بھی نہیں لہذا کسی نہ کسی شکل میں ظاہر ہو کے رہتی ہے اور دیکھنے والوں کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کا محبوب کون ہے۔ اس لیے سیاہ لباس سے عشاق کی محبت فرعون کا اظہار ہوتا ہے۔ اسی صفحے پر ہے۔

وعن الصادق علیہ السلام انه قال اوحی اللہ غرض الی نبی من انبیاء قتل للمؤمنین لا یلبسوا لباس اعدائ الی ان قال فیکونوا اعدائ الی۔ فاما لیس السواد للتقیة فلا اثم علیہ۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی نبی کو وحی کے ذریعے فرمایا کہ مومنوں سے کہہ دو کہ سیاہ لباس پہن کر میرے دشمن مت بنو۔ یعنی سیاہ لباس اللہ کے دشمنوں کی نشانی ہے۔

امام نے فرمایا کہ تقیہ کے طور پر سیاہ لباس پہننے میں کوئی گناہ نہیں۔ مگر ماتم کے جلوس میں تقیہ کا کون سا عمل ہے۔ تقیہ تو کسی کے ڈر کی وجہ سے اپنے آپ کو اس رنگ میں پیش کیا جاتا ہے کہ خطرہ دور ہو جائے۔ ماتم میں دوزخی نسا اور فرعون کا محب بننا کس خطرے سے بچاؤ کی صورت ہے۔

امام نے ایک موقع پر سیاہ لباس پہننا۔

اسی صفحے پر ہے کہ

قاتاہ یرسول العباس خلیفہ یدعوہ قدعا بظہر احد وجهیہ اسود والآخر ایضاً فلبس ثم قال اما فی البسہ وانا اعلم انه لباس اهل الناس۔

خلیفہ کے بلانے پر امام چلے تو ایسا لباس پہنا جس کا کچھ حصہ سیاہ کچھ سفید تھا۔ امام نے پہنا اور یہ وضاحت کر دی کہ یہ دوزخیوں کا لباس ہے۔ یہ تقیہ کا موقع نظر آتا ہے۔ لہذا امام نے پہنتے ہوئے عین موقع پر وضاحت کر دی کہ میں کسی مجبوری کے تحت یہ لباس پہن رہا ہوں ورنہ تو یہ دوزخیوں کا لباس۔

(۴) الطرائف المذہب ص ۲۱۲ امام حسینؑ کی وصیت۔

یا اخت تعزی بعزائ اللہ فان السکون السموات یغنون واهل الارض کلهم یسوتور وجسیع البریة یهملکون۔ آنگاہ فرمود یا اخت۔ یا ام کلثوم۔ وائت یا زینب، وائت یا فاطمہ وائت یا رباب (انظر ہا اذا قلت فلا تشقق علی جیبا ولا تحشن علی وجہا ولا تلقن حجرا)۔

قاعدہ ہے اور مشاہدہ ہے کہ وصیت ہمیشہ کسی اہم ترین کام کے متعلق کی جاتی ہے اور پھر جسے موت سامنے نظر آرہی ہو وہ تو لازماً ایسے کام کی وصیت کرتا ہے جو اس کے نزدیک سب سے زیادہ اہم ہو امام حسینؑ نے ایسے ہی موقع پر اپنے انزہ کو وصیت کی کہ میرے قتل ہونے پر کپڑے نہ پھاڑنا۔ منہ نہ ٹوچنا اور ہائے وائے نہ کرنا۔

اسی کتاب کے ص ۲۱۲ پر شارح لکھتا ہے

بعد ازاں فرمود تقیہ، سکینہ و فاطمہ را بخوانند۔ . . . . . وصیت ہی کم شمارا کا ہے کہ

من کشفہ می شوم گر بیان برمن پارہ مکنید و چہرہ را لطمہ مزیند و صورت نماز اشید۔ بقیہ مکالمات پر ناسخ۔

(۵) فروغ کافی ۱: ۳۲۱ باب اللباس حسین بن مختار سے روایت ہے۔

قال قلت لابی عبد اللہ ایحرم الرجل فی الثوب الاسود قال لا ولا یکن بیہ المیت، امام جعفر کا فتویٰ نقل کیا ہے کہ انسان سیاہ لباس میں زحرام باندھ سکتا ہے۔ نہ میت کو سیاہ کپڑے میں کفن دیا جاسکتا ہے۔

اس سے سیاہ لباس کے تقدس کا بخوبی پتہ چل سکتا ہے۔

لو ازمانت مصیبت کے سلسلے میں ہر دور و عمل کے متعلق معتبر شیعہ کتب سے وضاحت

کر دی گئی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

(۱) اللہ تعالیٰ، رسول کریمؐ، حضرت علیؑ، امام جعفر صادق اور شیعہ محدثین کے اقوال پیش کئے گئے جن میں مصیبت کے وقت صبر کی تاکید کی گئی ہے۔

(۲) قرآن مجید، تفسیر قرآن، حدیث نبوی سے ماتم کی ممانعت اور اس کے حرام ہونے کا حکم بیان کر دیا گیا۔

(۳) امام حسین کی وصیت، حضرت علیؑ کے اقوال پیش کئے گئے کہ سیاہ لباس پہننا، فوہم کرنا، بال نوچنا، گریبان چاک کرنا سب حرام ہے۔

(۴) ائمہ کا بیان کہ سیاہ لباس و فحیوں کا لباس ہے اور فرعون کا لباس ہے۔

اس ساری ممانعت کے باوجود مجاہد اہل بیت جس اہتمام سے ماتم کرتے ہیں اور جن شرائط اور آداب سے ماتم کرتے ہیں اس سے اس امر کا اظہار ہے کہ انہوں نے اللہ کی نافرمانی، رسول کی مخالفت، حضرت علیؑ، حضرت حسینؑ، امام جعفر صادق کے خلاف کرنے کا اس قدر اہتمام کر رکھا ہے اور لطف یہ ہے کہ عین مخالفت ائمہ کے دوران اٹلی محبت کے گیت بھی گائے جاتے ہیں۔

آیات قرآنی، مفسرین کی تشریحات، احادیث رسول اور ائمہ کے اقوال میں ماتم کی حرمت اور ممانعت کے سامنے ماتم کے جواز کی کوئی صورت نہیں ہاں آدمی دوران کار

تاویات کر کے خود فریبی کا شکار ہو جائے تو اور بات ہے البتہ چند ایک امور کے متعلق شیعہ حضرات کو تردد ہوتا ہے مثلاً

(۱) اصل قاتل کوئی شیعہ نہیں تھے بلکہ یزید تھا کیونکہ اس نے حکم دیا تھا۔ اس اشتباہ کے دو حصے ہیں۔ اول یہ کہ کوئی قاتل نہیں تھے۔ مگر یہ مرث دعویٰ ہے۔ اور شواہد اس کے خلاف ہیں۔ مثلاً کوفیوں نے امام کو دعوت دی تھی۔

دعوت دینے والوں نے وعدہ خلافت کی دشمن کے ساتھ مل گئے اور امام کو شہید کیا۔ اس لیے اصل قاتل وہی ہیں جنہوں نے گھبرا کر فریب دیا اور دشمن کے ساتھ مل گئے۔ پھر اہل بیت کی شہادت موجود ہے حوالہ جات گزر چکے ہیں امام حسینؑ نے فرمایا ہمارے شیعوں نے ہمیں دھوکا دیا۔ امام زین العابدین نے کوفیوں کو قاتل ٹھہرایا۔ حضرت زینب اور ام کلثوم کی شہادت انہی کے خلاف ہے اور کوئی شیعوں نے خود اعتراف کیا ہے مجالس المؤمنین میں ان کا اقبال جرم موجود ہے۔

دوسرا حصہ یہ ہے کہ قاتل یزید ہے۔ شہادتیں اس کے خلاف ہیں۔ یزید نے امام کو دعوت نہیں دی۔ شیعہ کتب کے حوالوں سے پیش کیا جا چکا ہے کہ شیعوں نے یزید کو بری الذمہ قرار دیا ہے۔ امام زین العابدین کا بیان موجود ہے۔

(۲) دوسرا اشکال یہ ہے کہ جن کوفیوں نے خطوط لکھے وہ شیعہ نہیں تھے۔ بلکہ ان خطوط میں موجود ہے کہ لیس علینا امام اس لیے وہ منکرا مامت تھے شیعہ کیسے ہو سکتے ہیں۔

یہ اشکال بھی پس دعویٰ ہی ہے۔ جبکہ دلائل اس کے خلاف ہیں مثلاً پہلا خط سلیمان بن مرد سیب بن بقیقہ اور رفاع بن شداد بمجل وغیرہ نے لکھا کہ تمام شیعہ مؤمنین (جمع شیعہ) کی طرف سے یہ خط لکھا گیا ہے۔

دیکھئے جلاء العیون ص ۳۳ اسی طرح منتہی الآمال اور ناسخ التوازیخ میں بھی موجود ہے۔ پھر طراز المذہب، مجالس المؤمنین، ریاض المعائب، بحر المعائب، مفتاح البکار، اکیر العبادات، مقتل ابی مخنف، ہدیج الاحزان، روضۃ المناظر، مقتل الشہداء، ریاض الشہادت، مرقی القلوب، حرقۃ الضواد، عزن البکا، ولونان البکا،

مطالع الاحزان، روضتہ الاذکار، لموت فی قتل الصفوف، السرار الشہادۃ، انیس الذاکرین  
 حسین البکاء، واصل البکاء، مصائب الابرار، مدلیقۃ السعداء، معدن البکاء، نوحۃ الاحزان،  
 شفاء الصدور، خلاصۃ المصائب، ذبح عظیم، احتجاج طبری کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جو  
 خطوط لکھے گئے ان میں شیعہ کا لفظ موجود تھا۔ اور جس خط میں یہ لفظ نہیں ہے پھر بہرت کے چھوڑ دیا گیا ہے۔  
 پھر جلاء العیون ص ۱۳۳ پر امام حسین کا وہ جوابی خط موجود ہے جو ۴۲ ہزار کے جواب  
 میں لکھا گیا تھا۔ اس کا مضمون یوں شروع ہوتا ہے۔

بسم اللہ..... بیخ حنین بن علی کا مومنوں، مسلمانوں شیعہوں کی طرف ہے۔  
 اس صالحین علینا امام کا معاملہ تو امام کا موجودہ مفہوم بعد کی ایجاد ہے۔ اس وقت  
 امام کے متعلق یہ عقیدہ کسی کا نہیں تھا۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ہم بیزید کو حاکم  
 تسلیم نہیں کرتے اور اس کے خلاف اٹھنے کے لیے ہمارے پاس کوئی لیڈر نہیں ہے۔  
 سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ائمہ معصومین جب صاف اقرار کرتے ہیں کہ ہمارے  
 قائل شیعہ ہیں اور لازم خود اقراری ہیں تو کوئی تیسرا شخص اس مسلمہ حقیقت کو کیونکر جھٹلا  
 سکتا ہے۔

## اپنے اور پرانے

دنیا میں مختلف خیالات، مختلف نظریات اور مختلف عقائد کے لوگ بستے چلے آئے  
 ہیں۔ اور انسان وہی عقیدہ اختیار کرتا ہے جسے اچھا سمجھتا ہے اور اس کی پسند کے مطابق  
 ہوتا ہے یہ ایک فطری عمل ہے ایسا نہ ہو تو کوئی کسی خاص نظریے سے چٹا کیوں رہے۔  
 اس فطری دائرے سے آگے ایک مقام وہ آتا ہے جہاں انسان اپنے عقائد کو دوسرے  
 عقائد سے بہتر اور افضل سمجھتا ہے ایسا کرنا بھی اسی فطری جذبہ ہی کا ایک حصہ ہے مگر  
 اس سے آگے بڑھیں تو ایسے منظر بطبی سائنس آتے ہیں کہ انسان صرف اپنے عقیدے کو صحیح اور  
 دوسرے عقائد کو غلط قرار دیتا ہے اور ایسا کرنا ایسے ٹھوس دلائل پر مبنی ہوتا ہے کہ انسان  
 اپنے عقائد کے علاوہ دوسرے تمام عقائد کو بڑا بھلا کہتا ہے اور اپنے ہم عقیدہ لوگوں کے علاوہ  
 تمام لوگوں کو بڑا بھلا کہتا ہے۔ شاید اسی کو تعصب کہتے ہوں اور ممکن ہے کسی منطق کی رو  
 سے اسے معقول قرار دیا جاسکے۔ بہر حال ہر شخص کو اپنی پسند کے مطابق عقیدہ اختیار کرنے  
 کا حق ہے اور کوئی شخص بیفطری حق چھین نہیں سکتا۔ اسی طرح دوسروں کے متعلق اپنے  
 طور پر آزادانہ رائے رکھنے کا بھی ہر شخص کو حق حاصل ہے البتہ یہ آخری نشق عقل کو چھتی نظر  
 نہیں آتی۔

اس انسانی فطرت کے پیش نظر اب ہم شیعہ کتب سے یہ بیان کرتے ہیں کہ شیعہ  
 حرکت غیر شیعہ کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں اور کیا کہتے ہیں۔

(۱) رہنمہ کافی ص ۱۱۱



بہتر بلکہ ضروری ہے۔

ناصبی کی تعریف :-

انوار النہایہ : ۱۸۵

ولعلك تقول ان مخالفتنا  
بعدمون انهم لا يبغضون  
عليا وهذا زعم باطل وقد  
روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم  
ان علامته بغض علي فقد ير غيره  
عليه وفضيله عليه .

اور استبصار : ۱۰۱

عن الصادق عليه السلام انه ليس  
الناصب من نصب لنا اهل  
البيت فانهم لا تجد ولا  
يقول ان البعض عمدا و آل محمد ولكن  
الناصب من نصب لكرم وهو لجله  
انكر تولونا وانتم شيعتنا .

اور ملا باقر خلیسی نے حق الیقین ص ۶۸ پر بیان کیا ہے۔

ابن ادریس نے کتاب سرائر میں کتاب مسائل محمد بن علی بن عیسیٰ سے روایت کی ہے کہ لوگوں نے حضرت علی نقی کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم ناصبی کے جانتے اور پہچانتے ہیں اس سے زیادہ محتاج ہیں کہ حضرت امیر المؤمنین پر ابو بکر و عمر کو مقدم جانتے اور ان دونوں کی امامت کا اعتقاد رکھے حضرت نے جواب میں فرمایا سو جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے وہ ناصبی ہے۔

ان روایات میں ناصبی کا مفہوم بڑی وضاحت سے بیان ہوا ہے اور وہ یہ ہے

(۱) حضرت علی پر کسی دوسرے کو مقدم سمجھنا یا فضیلت دے۔ مقدم سے مراد یہ ہے کہ حضرت علی سے پہلے جین حضرات کو خلافت ملی اس کو حق سمجھے۔  
(۲) حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کو خلیفہ برحق سمجھے اور ان حضرات کو حضرت علی سے افضل سمجھے۔

یہ دونوں باتیں اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کا حصہ ہیں لہذا شیعہ کے ہاں ناصبی کی اصطلاح سنی کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ اور گذشتہ روایات میں آچکے ہیں کہ ناصبی کتے سے بھی زیادہ نجس ہے اور دنیا کی دوسری غیر شیعہ آبادی کی طرح ولد الزنا ہے۔

## سنیوں سے یہ بغض کیوں؟

سنیوں کو اپنی توجہات خصوصی کا نشانہ بنانے کی وجہ معلوم کر لینا مناسب معلوم

ہوتا ہے۔ علل الشرائع : ۱ : ۳۷۷

عن ابی جعفر علیہ السلام قال  
قال امیر المؤمنین علیہ السلام  
هلك الناس فی بطونهم و خرد و جہم لا تخم  
لا یؤدون الینا حقنا الا دان شیعتنا  
من ذلك و ابنا نهم فی حل .

امام باقر سے روایت ہے کہ حضرت علی نے فرمایا لوگ ہر لحاظ سے ہلاک ہو گئے کیونکہ وہ ہمارا حق (خمس) ہمیں نہیں دیتے خوب سمجھ لو کہ ہمارے شیعہ اور ان کے اولاد حلالی ہیں۔

۲ - عن ابی جعفر قال قال  
امیر المؤمنین علیہ السلام عللم من الخس  
یعنی الشیعة لیطیب مولدہم .

امام باقر نے فرمایا کہ حضرت علی کا ارشاد ہے شیعہ کے لیے خمس حلال ہے تاکہ انہی اولاد پاکیزہ یعنی حلالی ہو۔

مراد یہ ہے کہ خمس اہل بیت کا حق ہے اس لیے جو لوگ خمس ادا نہیں کرتے وہ اپنے مال کو حرام مال بنا لیتے ہیں یعنی خمس ادا نہیں کرتے۔ اسی مال سے غذا حاصل کرتے ہیں۔ نکاح میں مہر اسی مال سے دیتے ہیں اس لیے ان کا نکاح نہیں ہوتا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی اولاد پاکیزہ نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے غیر شیعہ کو امام نے اولاد ابغایا اور اولاد الزنا کہا۔

اگر حلالی اور زناچی ہونے کا معیار یہی ہے تو تاریخی اعتبار سے ایک الجھن پیدا ہوتی ہے  
جیسے رجال کشی ص ۱

عن ابی جعفر علیہ السلام قال کان  
الناس اهل الردة بعد النبی  
صلی اللہ علیہ وسلم الاثلاثہ فقلت  
من اثلاثہ فقال المقداد بن اسود  
وابوذرا الغفاری و سلمان الفارسی ثم عرف  
الناس بعد یسیر

امام باقر فرماتے ہیں کہ رسول کریم کی وفات  
کے بعد تمام آدمی مرتد ہو گئے صرف تین باقی  
رہ گئے میں نے پوچھا وہ تین کون ہیں فرمایا  
مقداد بن اسود، ابو ذر غفاری اور سلمان  
فارسی بعد میں آہستہ آہستہ لوگوں تک  
حق پہنچا تو رفتہ رفتہ شیعہ ہونے لگے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اصل شیعہ تو صرف تین میں - ان کی نسل چلے گی وہ صحیح النسب  
اور پاکیزہ لوگ ہونے دو سرے سنی رہے جنہیں شیعہ حضرات مرتد کہتے ہیں - اور سنی با  
نام نامی ہے اور نامی نہیں ہوتا (بقول شیعہ) ان کی اولاد جو آگے چلی خواہ سنی ہوئے  
یا شیعہ وہ تو بدستور حلالی ہونے سے رہے۔ کیونکہ مذہب تو تبدیل ہو سکتا ہے مگر نسب  
تو نہیں بدل سکتا - اس لیے ان تین حضرات کی نسل کے بغیر سنی ایک جیسے ہیں۔

دوسری الجھن یہ ہے کہ شیعہ کا عقیدہ ہے کہ حرامی کیلئے نجات ہے نہ جنت اس لیے بعد  
بعد میں شیعہ ہونے کے باوجود نسب تو بدلنا نہیں لہذا نجات اور جنت سے محروم ہی رہے لہذا  
شیعہ ہونے کا حکمت کرنا ہے فائدہ ٹھیرا - لہذا تبلیغ دین بے کار مشغلہ ہے - تبلیغ سے  
مقائد ہی بدلیں گے اعمال ہی بدلیں گے نسب تو نہیں بدلے گا لہذا نجات ناممکن اور تبلیغ  
بیکار یہ حقیقت علل الشرائع ۲: ۵۶۴ پر واضح کی گئی ہے۔

امام جعفر فرماتے ہیں ولد الزنا قیامت کے  
دن اللہ تعالیٰ سے کہے گا الی میرا کیا تصور  
ہے تو ایک منادی ندا کرے گا تم تینوں  
میں کے بدتر ہو تیرے والدین نے گناہ  
کیا تو پیدا ہوا اور تو ناپاک ہے اور

عن الصادق قال یقول ولد الزنا یا  
ذنب ما ذنبی فما کان لی فی امری  
صنم قال فینادیہ مناد  
فیقول انت شر الثلاثہ اذنب  
والد الذنبت علیہا وانت رجس

و لن یدخل الجنة الا طاهر  
(۱۱) عن ابی عبد اللہ ان اللہ تعالیٰ  
خلق الجنة طاهرة مہرۃ فلا یدخلها  
الا من طابت ولادته۔

۱۱۱ انوار نعمانیہ ص ۲۲۹

والحق ان الاخبار قنطارۃ فی الدلالۃ  
علی سرحال - وانہ من اهل النار وروی  
الصادق باسنادہ الی الامام ابی عبد  
اللہ جعفر بن محمد الصادق قال یقول  
ولد الذنا ذی اذنب ما ذنبی فالی فی امری صنم  
قال فینادیہ مناد یقول انت شر الثلاثہ - الج

اور حق یہ ہے کہ ولد الزنا کی بد حالی پر اور  
اس کے جہنمی ہونے پر کثیر احادیث ظاہر لالہ  
ہیں اپنی سند کے ساتھ شیخ صدوق امام جعفر  
سے روایت کرتا ہے کہ ولد الزنا کہے گا  
الی میرا کیا تصور ہے... الخ  
(یہ روایت اور پر گد چلی ہے)

ان روایات سے ظاہر ہے کہ شیعہ کے نزدیک تمام غیر شیعہ ذریتہ البغایا ہیں -  
نامی یعنی سنی نجس ترین مخلوق ہیں - جنت اور نجات صرف پاک لوگوں کیلئے ہے اور  
پاک صرف شیعہ ہیں۔

پاک و ناپاک کے سلسلے میں ایک عجیب روایت ملتی ہے۔

من لاجھنۃ الفقیہ باب المكان للحدث

دخل الرجس الباقرا الخلا فوجد لقمۃ نذ  
فی القذراء فاخذها وغسلها ودفعها  
الی مملوک معہ وقال یكون معک  
لاکلها اذا خرجت فلما خرج قال  
للمملوک لن اللقمۃ قال اکلتها  
یا ابن رسول اللہ فقال انما ما استقرت  
فی جوف احد الاربعت لہ الجنة

امام باقر بیت الخلاء میں داخل ہوئے  
روٹی کا ایک ٹکڑا پاخانہ میں پڑا دیکھا۔  
اٹھایا، دھویا اور اپنے غلام کو دیا کسا  
پاس رکھ جب میں باہر آؤں گا تو کھا لوں گا  
جب امام باہر آئے غلام سے وہ فقر طلب کیا  
غلام نے کہا وہ تو میں نے کھا لیا فرمایا جس شخص  
کے پیٹ میں یہ فقر گیا وہ جنتی ہو گیا پس

وقت مختلف باتیں نکلتی ہیں اور اہل ایمان کے منہ سے کلمہ شہادت نکلتا ہے ممکن ہے  
شیعہ کے منہ سے نطق یعنی قطرہ منی ہی نکلتا ہے۔ بہر حال منہ سے پاک شے ہی نکلے تو  
اچھا ہے۔

فاذہب انت حرا کرہ ان استخدر  
من اهل الجنة۔  
اس روایت سے معلوم ہوا کہ۔

(۱) گندگی میں تھرا ہوا روٹی کا ٹکڑا صرف پاک ہی نہ ہوا بلکہ پاک کرنے کی تھابیت  
بھی پیدا ہو گئی۔

(۲) حصول جنت کا آسان ذریعہ ہاتھ آ گیا۔ مگر روز روز کہاں بیت الخلاؤں میں روٹی  
کے ٹکڑے ملتے ہیں اور فلش سٹم عام ہونے کی وجہ سے گندگی میں تھرا ہوا ٹکڑا بھلا  
کہاں مل سکے گا گویا بقول غالب ع

آسان تو یہی ہے کہ آسان ہی نہیں

(۳) اس ٹکڑے کی برکت سے غلام کو دو نعمتیں مل گئیں غلامی سے نجات مل گئی اور  
جنت کی بشارت زندگی میں ہی مل گئی۔

(۴) امام ہمیشہ ہمہ نیتوں سے خدمت لیا کرتے تھے جو نہی کسی کے متعلق ہوا کہ یہ جنتی  
ہے اس سے خدمت لینا بند کر دیا۔

علل الشرائع میں اس سے بھی عجیب تر ایک روایت ملتی ہے۔

عن علی بن الحسین قال ان  
المخلوق لایموت حتی یتخرج من النطفة  
التي خلقها الله تعالى منها من  
فیہ ادر من غیرہ۔ ۲۹۹

امام زین العابدین سے روایت ہے کہ  
ہر پیدا ہونے والا جب مرتا ہے تو اس  
کے منہ سے وہ نطق نکلتا ہے جس سے  
وہ پیدا ہوا۔

یہی روایت فروع کافی ۱: ۸۵ پر بھی موجود ہے۔

ظاہر ہے کہ نطق قطرہ منی کو کہتے ہیں۔ اور اسی سے انسان کی پیدائش ہوتی ہے۔  
نطق سے علقہ بنتا ہے علقہ سے مغز بنتا ہے پھر ترقی کرتے کرتے پوری انسانی شکل اختیار کرتا  
ہے۔ مگر عجیب بات ہے کہ مرتے وقت پھر لوٹ کر ناپھ بن جاتا ہے اور انسان کے  
منہ کے راستے باہر نکلتا ہے یہ تو دیکھا گیا ہے کہ مختلف آدمیوں کے منہ سے مرتے

## دین اسلام اور دین شیعہ

دین کے اجزائے ترکیبی ایمان اور عمل صالح ہیں۔ ایمان یا عقیدہ بنیاد یا بیج کی حیثیت رکھتا ہے اسی پر زندگی کی تعمیر ہوتی ہے اور اسی سے ایک پھلنے پھولنے والا درخت نشوونما پاتا ہے۔ دین اسلام کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے سامنے انسان کی پوری زندگی ہے یعنی حیات دنیوی اور حیات اخروی۔ اور اسلام کی رہنمائی کا انداز یہ ہے کہ انسان کو حیات دنیوی بسر کرنے کا وہ سلیقہ سکھائے کہ اس کی حیات اخروی راحت اور چین سے گزرے۔ گویا اصل مقصد حیات اخروی کی کامرانی ہے جس کا واحد ذریعہ حیات دنیوی اس انداز سے گزارنا ہے جس کی رہنمائی اسلام کرتا ہے۔

اسلام کے کچھ بنیادی عقائد ایسے ہیں جن کے قبول کرنے سے انسان اسلام کے دائرے میں آجاتا ہے اور ان کا انکار کرنے سے انسان اس دائرے سے خارج ہو جاتا ہے۔ یہ بنیادی عقائد مذہب و ریات دین کی فہرست میں آتے ہیں۔ اب ہم کتب شیعہ سے اس سلسلے میں کچھ تصریحات پیش کرتے ہیں۔

(۱) انوار نعمانیہ ۲ : ۳۴۹

المراد من دین الماخوذ فی التعریف  
هو دین الاسلام علی ما صرحوا بما لا

تعریف میں جو مذکور ہے وہ دین اسلام  
ہے جیسا کہ تصریح کر چکے ہیں نہ کہ فقط دین

دین الشیعة فقط وذلك انه لو كان  
المراد بالمرتدا من انكر ما علم  
تبعوا من دین الشیعة ضرورة  
لكان مخالفونا كلهم مرتدین فی  
هذه الدنيا لان كون علی ابن ابی  
طالب هو الخليفة الاول بالنص  
والاستحفاق مما ثبت من دین  
الشیعة ضرورة فكان يجب  
ان يحكم علی عامه اهل الخلاف  
بالارتداد والمصرح بما من  
علمائنا بخلافنا۔

شیعہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر دین سے دین  
شیعہ مراد لیں تو مرتد سے مراد ہر وہ شخص  
ہوگا جو اس بات کا انکار کرے جو  
دین شیعہ کی ضروریات سے ہو اس  
طرح شیعہ کے تمام مخالفین مرتد ثابت  
ہوں گے۔ کیونکہ حضرت علی کا خلیفہ اول  
ہونا استحقاق اور نص دونوں سے  
ثابت ہے جو دین شیعہ کی ضروریات سے  
ہے پس واجب ہوگا کہ شیعہ کے تمام  
مخالفین پر مرتد کا حکم لگایا جائے اور ہر ایک  
شیعہ علماء اس کے خلاف تصریح کر چکے ہیں۔

اس وضاحت سے ثابت ہوگا کہ شیعہ کے نزدیک۔

(۱) دین سے مراد دین اسلام ہے۔ دین شیعہ نہیں۔

(۲) دین اسلام میں ضروریات دین اور ہیں اور دین شیعہ میں اس سے مختلف ہیں۔

(۳) ضروریات دین کے اختلاف کی وجہ سے دین اسلام اور دین شیعہ دو مختلف چیزیں ہیں۔

(۴) حضرت علی کو خلیفہ اول تسلیم کرنا دین شیعہ کی ضروریات میں سے ہے دین اسلام  
کی ضروریات میں سے نہیں ہے۔

(۵) حضرت علی کے خلیفہ اول ہونے کا انکار کرنے سے انسان مرتد نہیں ہوتا یعنی دین

اسلام سے خارج نہیں ہوتا، ہاں دین شیعہ سے خارج ہو جاتا ہے۔ یعنی آدمی

کامسلمان ہونا اور چیز ہے اور شیعہ ہونا چیز ہے دیگر۔

(۶) شیعہ علماء اس کی تصریح کر چکے ہیں۔

۲۔ انوار نعمانیہ ۱ : ۲۶۶

امادای الکفر فی اصطلاح فقہائنا

شیعہ فقہاء کی اصطلاح میں کفر سے مراد یہ

رضوان اللہ علیہم فالکافر من  
 حجد من دین الاسلام ضرورة  
 کمن اسکر الصلوة والزکوة و  
 الصوم والحج ونحوها واما  
 ما ذکر من دین الشیعة بالضرورة  
 لا من دین الاسلام کتقدیم امیر المؤمنین  
 بالخلافة والفضیلة وتکفیر من تخلف  
 محله فی یس بئمن لکنه لا ینجذ عنده  
 عن دین الاسلام۔

اس تفریح کا خلاصہ یہ ہے کہ

ہے کہ آدمی ضروریات دین اسلام سے  
 انکار کرے جیسے نماز اور حج وغیرہ۔ اور  
 جو شخص ان چیزوں کا انکار کرے جو  
 ضروریات دین شیعہ سے ہیں مگر  
 ضروریات دین اسلام سے نہیں مثلاً  
 خلافت میں کسی کو حضرت علی پر مقدم  
 ماننا یا کسی کو ان پر فضیلت دینا تو وہ  
 دین شیعہ سے خارج ہے مگر دین اسلام  
 سے خارج نہیں۔

(۱) دین اسلام کی ضد کفر ہے۔ دین شیعہ کی ضد کفر نہیں۔

(۲) دین شیعہ کوئی مختلف فقہی مسلک نہیں بلکہ ایک مختلف دین ہے۔

(۳) دین اسلام اور دین شیعہ میں ضروریات دین ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

(۴) خلافت میں حضرت علی کی تقدیم اور فضیلت کا عقیدہ رکھنا دین اسلام کا حصہ نہیں

بلکہ شیعہ کی ضروریات دین میں سے ہے۔

(۵) حضرت علی کو خلیفہ اول تسلیم نہ کر کے بھی آدمی مسلمان رہتا ہے ہاں شیعہ نہیں رہتا۔

ان حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایک اور وضاحت طلب ہے کہ دین اسلام کی

دعوت تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی۔ اسلام کے عقائد عبادات معاملات اور ضروریات

دین نبی کریم کو بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملے اور آپ نے اپنے شاگردوں کو وہ

احکام سکھائے سنائے ان پر عمل کرنے کا دھنگ سکھایا۔ اور اپنے سامنے ان پر عمل کرایا

اسلام کی اصولی تعلیمات پوری جامعیت کے ساتھ قرآن کریم کی صورت میں نسلاً بعد نسل

منتقل ہونا چلی آ رہی ہیں ان احکام میں جو باتیں ضروریات دین کی حیثیت رکھتی ہیں اللہ کے

جاتا ہے۔ اور حضرت علی کو خلیفہ اول تسلیم کرنا اللہ کے رسول نے ضروریات دین اسلام میں  
 داخل نہیں کیا اسی لیے شیعہ محدث الحجازی کہتے ہیں کہ اس کے انکار سے آدمی اسلام سے  
 خارج نہیں ہوتا۔ ہاں دین شیعہ سے خارج ہو جاتا ہے تو جو چیزیں ضروریات دین شیعہ  
 میں ان کو ضروریات میں شامل کس نے کیا۔ اللہ کے رسول نے تو شامل نہیں کیا ورنہ اس کے  
 انکار سے آدمی کافر ہو جاتا۔

دین شیعہ جب دین اسلام سے الگ چیز ہے جیسا کہ شیعہ علماء تصریح کر چکے ہیں تو  
 دین شیعہ کا داعی کون ہے؟ اس کا بانی کون ہے؟ اس کو یہ دین اور اس کے عقائد کہاں سے  
 ملے؟

رجال کئی صحت کی عبارت پیش کر کے ذکر کیا جا چکا ہے کہ دین شیعہ کے اعظم رکن دو  
 ہیں امامت اور تبر ابازی۔ اور یہ دونوں عبد اللہ بن سبا یہودی نے ایجاد کئے شیعہ خود  
 اعتراف کرتے ہیں۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ دین شیعہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 کا لایا ہوا دین نہیں بلکہ عبد اللہ بن سبا یہودی کا ایجاد کردہ دین ہے جس کا بہت سا حصہ اس  
 یہودی نے یہودیت سے مستعار لیا۔

عبد اللہ بن سبا نے اس مذہب کی بنیاد سطحی جذباتیت نعرہ بازی اور سیاسی پارٹی  
 بازی پر رکھی۔ دین کے اصولی اور فہمی مسائل کا وہاں کوئی نشان نہیں ملتا۔ بلکہ اصول کافی ہیں  
 تو یہاں تک کہہ دیا گیا ہے کہ

كانت الشيعة قبل ان يكون ابو جعفر عليه السلام لا يعلمون حلالهم وحرامهم  
 امام باقر سے پہلے شیعہ کو اپنے مذہب کے  
 حلال و حرام کا کوئی علم نہیں تھا۔

اور عقائد ہوں یا عبادات معاملات ہوں یا اخلاق حلال و حرام میں خط فاصل کھینچنا  
 اور امتیاز کرنا ہی دین کی بنیاد ہوتی ہے۔ اور وہ بنیاد امام باقر سے پہلے موجود نہیں تھی۔

اور شیخ مرتضیٰ نے فرائد الاصول میں تصریح کر دی ہے کہ دین شیعہ یقیناً ائمہ سے ماخوذ نہیں  
 ہے۔ جب رسول سے ماخوذ بھی نہیں اور ائمہ سے ماخوذ ہی نہیں تو پھر کس سے ماخوذ ہے۔

یہ ایسا سوال ہے کہ اس کا جواب تاریخ سے تلاش کرنا پڑے گا۔

## دین شیعہ کے ماخذ کون سے ہیں

قاعدہ ہے کہ الہامی یا آسمانی مذہب کی بنیاد وہ تعلیمات ہوتی ہے جو وحی والہام کے ذریعے اللہ کی طرف سے رسول کو پہنچتی ہیں چنانچہ انبیاء کرام پر آسمانی کتابیں اور آسمانی صحیفے نازل ہوتے رہے۔ اور اللہ کے آخری نبی کے ذریعے آخری آسمانی کتاب قرآن مجید کی صورت میں انسانوں کی ہدایت کے لیے بھیجی گئی۔ یہ کتاب دین اسلام کا پہلا اور بنیادی ماخذ ہے۔ قرآن اعلان کرتا ہے کہ ان ہذا القرآن یہودی النبی ہی اقرم اس لیے دین اسلام میں قرآن مجید پر ایمان لانا اور اسے پہلا مستند اور بنیادی ماخذ تسلیم کرنا ضروری ہے۔

دین شیعہ اگر الہامی اور آسمانی مذہب سمجھا جائے تو اس کیلئے آسمانی کتاب کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اور آسمانی کتاب قرآن مجید کے بعد کوئی نازل نہیں ہوتی اس لیے یہی کہا جاسکتا ہے کہ شیعہ مذہب کی بنیاد بھی قرآن پر ہے۔ مگر شیعہ کلمہ اس کی تردید کرتے ہیں اور موجودہ قرآن کو اصل اور صحیح آسمانی کتاب تسلیم نہیں کرتے۔ چنانچہ

### فصل الخطاب ص ۲۱۱

۱ - الاخبار الكثيرة المختارة المصححة الصريحة في وقوع السقوط ودخول النقصان في الموجود من القرآن على ما ذكر في ضمن الأدلة السابقة وانه اقل من تمام ما نزل اعجازا على قلب سيد الانس والجان من غير اختصاصها بآية او سورة وهي متفرقة في الكتب المعتمدة التي

بہت سی حدیثیں جو معتبر ہیں موجودہ قرآن میں کمی اور نقصان پر صراحت دالت کرتی ہیں۔ علاوہ ان احادیث کے جو دلائل سابقہ کے ضمن میں بیان ہو چکی ہیں اور اس بات پر دالت کرتی ہیں کہ موجودہ قرآن اس مقدار سے بہت ہی کم ہے جو نبی کریم کے قلب اطہر پر نازل ہوا تھا۔ اور یہ کمی کسی آیت یا کسی سورۃ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ یہ حدیثیں ان متفرقے

عليها المعمول عند الاصحاب جمعت على ما عدت عليها في هذا الباب

کتابوں میں پھیلی ہوئی ہیں جن پر ہمارے مذہب کا اعتماد ہے اور شیعہ مذہب کا مرجع میں نے وہ حدیثیں جمع کر دی ہیں جو میری نظر سے گذری ہیں۔

(۱) قرآن موجودہ کے متعلق جو حدیثیں بتاتی ہیں کہ یہ مقدار کے لحاظ سے اس قرآن کے مقابلے میں بہت ہی کم ہے جو حضور اکرم پر نازل کیا گیا ان حدیثوں کے اوصاف یہ ہیں اول کثیر ہیں یعنی چند ایک نہیں۔ دوم معتبر ہیں ناقابل التفات نہیں سوم مترجہ ہیں یعنی صاف صاف بتاتی ہیں کوئی ابہام نہیں۔

(۲) یہ کسی خاص سورۃ یا آیت میں نہیں بلکہ پورے قرآن میں جاہ جاگی واقع ہوئی ہے۔ (۳) اس کی نشان دہی ان کتابوں میں ہوتی ہے جو معتبر ہیں اتنی معتبر کہ ان پر شیعہ مذہب کا مدار ہے۔

### پہرا سی طرح فصل الخطاب ص ۲۳۹

۲ وعندى ان الاخبار في هذا الباب متواترة معني وترك جميعها يوجب سرفع الاعتماد عن الاخبار ساسا بل ظني ان الاخبار في هذا الباب اعتمدا عن اخبار الامامة فكيف يشتمونها بالخبر۔

میرے نزدیک تحریف قرآن کی روایتیں معنی متواتر ہیں اور ان سب کو ترک کر دینے سے ہمارا تمام ذخیرہ احادیث بے اعتبار ہو جائے گا بلکہ میرا خیال ہے کہ تحریف قرآن کی روایتیں مسئلہ امامت کی روایتوں سے کم نہیں۔ اگر تحریف قرآن کی روایتوں کا اعتبار نہ کیا جائے تو مسئلہ امامت بھی روایتوں سے ثابت نہ ہوگا۔

(۱) اس اقتباس میں تحریف قرآن کی روایتوں کا ایک وصف بیان ہوا کہ وہ متواتر ہیں۔ ظاہر ہے کہ متواترات کا انکار کفر ہے لہذا تحریف قرآن کا انکار بھی کفر ہے۔

(۲) یہ روایتیں اس پایہ کی ہیں کہ ان پر اعتبار نہ کیا جائے تو شیعہ کا سارا ذخیرہ احادیث

بے کار ہو جاتا ہے۔

(۳) تحریف قرآن کی روایتیں ان روایتوں سے کسی طرح کم نہیں جن سے امامت کا مسئلہ ثابت ہوتا ہے۔

(۴) اگر تحریف قرآن کو تسلیم نہ کیا جائے تو امامت کے عقیدہ سے دست بردار ہونا پڑے گا اور ظاہر ہے کہ مسئلہ امامت تو دین شیعہ کی جان ہے۔ لہذا یہ تسلیم کرنا کہ موجودہ قرآن اصل قرآن نہیں اتنا ہی ضروری ہے جتنا امامت کے عقیدہ کو تسلیم کرنا ضروری ہے۔ جب امامت کا منکر دین شیعہ سے خارج ہے تو تحریف قرآن کا منکر بھی دین شیعہ سے خارج ہے۔

۳۔ اصول کافی ص ۶۷۱ باب النوادر

ان القرآن جارب جبرائیل لیکر حضور اکرم کے پاس آئے  
عشر الف آیت۔  
اور فصل الخطاب ص ۱۱۱ پر ہے کہ موجودہ قرآن مشہور مذہب کے مطابق ۶۲۳۶ آیت کا تھا۔

آیت کا ہے۔

یعنی موجودہ قرآن اصل قرآن کا قریباً ایک تہائی حصہ ہے اور قریباً دو تہائی ضائع ہو گیا ہے اور موجودہ قرآن کے متعلق بھی یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ کہاں کیا تبدیلی ہوئی ہے۔ لہذا موجودہ قرآن نہ لائق اعتبار ہے نہ قابل حجت۔

شیعہ کا کہنا یہ ہے کہ جس طرح نقلاً ثابت ہے کہ قرآن موجودہ محرف ہے اسی طرح عقلاً بھی اس کے محرف ہونے میں شک نہیں۔

مرآت العقول ۱: ۱۶۱

والعقل یحکومانہ اذا کان القرآن  
منفرداً منتشراً عند الناس  
وقصدی غیر المعصوم لجمعہ  
یعنی عادیۃ ان یکون جمعہ کلاماً  
موافقاً للواقع۔

اور عقل کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ جب قرآن کے اجزا مختلف لوگوں کے پاس بکھرے پڑے تھے اور ان اجزا کے جمع کرنے کا کام غیر معصوم نے کیا تو عادیۃً ممنوع ہے کہ قرآن ٹھیک ٹھیک بغیر کسی کمی بیشی کے جمع ہووا۔

شیعہ کتب سے قرآن مجید کے محرف ہونے کے متعلق پتہ امور ملتے ہیں۔

(۱) روایات تحریف کثیر میں دو ہزار سے زائد ہیں اور روایات امامت سے کم نہیں۔

(۲) یہ روایات تحریف قرآن پر صاف دلالت کرتی ہیں۔

(۳) یہ روایات متواتر ہیں۔

(۴) ان روایات کی بنیاد پر شیعہ حضرات تحریف قرآن کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

(۵) یہ روایات ان کتب شیعہ میں ہیں جن پر شیعہ مذہب کا مدار ہے۔

(۶) قرآن کا محرف ہونا جیسا نقلاً ثابت ہے ویسا ہی مطابق عقل بھی ہے۔

اس وضاحت سے ثابت ہو گیا کہ موجودہ قرآن کو شیعہ صحیح آسمانی کتاب نہیں مانتے

لہذا اسے شیعہ مذہب کا ماخذ تسلیم کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اصل قرآن امام غائب کے پاس آئے گا تو قرآن لائے گا تو یہی کہا جاسکتا ہے کہ جب قرآن آئے اس سے اپنے مذہب کے مسائل نکال کر پیش کیجئے اور انکی تبلیغ کیجئے۔ جب کتاب ہی موجود نہیں تو لوگوں کو دین بے کتاب کی دعوت دینے میں کیا تنگ ہے۔

اور اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ شیعہ مذہب الہامی اور آسمانی دین نہیں بلکہ انسانوں کی دماغی اختراع ہے تو پھر کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ انسانوں کو آزادی ہے جو عقائد چاہیں اختراع کر لیں۔

کتاب اللہ کعبہ دین اسلام کا دوہرا ماخذ کتاب اللہ کی وہ علمی تفسیر ہے جو نبی کریم نے اپنے صحابہ کو سکھائی جو حضور کے براہ راست شاگرد تھے اور کتاب اللہ کی وہ عملی تعبیر ہے جو حضور نے اپنے عمل سے پیش کی اور صحابہ کی زندگیوں کو اس سانچے میں ڈھالا جسے سنت رسول کہتے ہیں اور جو احادیث کے ذریعہ محفوظ ہے۔

سنت نبوی کو اس صورت میں دین کا ماخذ اور حجت قرار دیا جاسکتا ہے جب نبی کو معصوم من الخطا تسلیم کیا جائے اور مانا جائے کہ مخلوق میں سے کوئی ہستی حضور کے فیصلہ کو چیلنج نہیں کر سکتی۔ اور قرآن مجید کی جو قولی تشریح اور عملی تعبیر آپ نے پیش فرمائی اسے حرف آخر سمجھا جائے اور اس سے مراد موافقات کرنا دین سے انحراف کرنے

کے مزارات تسلیم کیا جائے مگر شیعہ کے نزدیک امام ایک ایسی ہستی ہے جو نبی کے فیصلہ کو بدل سکتی ہے۔ نبی نے کسی امر کو حلال قرار دیا ہے تو امام اسے حرام قرار دے سکتا ہے۔ اور نبی نے کسی امر کو حرام قرار دیا ہے تو امام اسے حلال قرار دے سکتا ہے۔ چنانچہ اصول کافی میں امام جعفر سے روایت ہے۔

ما جاء به علي اخذ به وما  
لم يهي عنه انتهي عنه جري له  
من الفضل مثل ما جرى لمحمد

۱۱۷

میں ان احکام پر عمل کرتا ہوں جو حضرت علی لائے  
ہیں اور ان کاموں سے باز رہتا ہوں جن سے  
انہوں نے منع کیا ان کا مرتبہ حضرت محمد رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم کے مثل ہے۔

فخذوه

اللہ تعالیٰ نے یہ منصب رسول کریم کو دیا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے ما اتاكم الرسول  
و ما نذكم عنده فانهوا۔ اور صاحب اصول کافی امام جعفر سے بیان کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک  
یہ مقام حضرت علی کو حاصل ہے جو شیعہ کے نزدیک پہلے امام ہیں۔ مرتبہ اور مقام دونوں کا  
برابر ہی لیکن اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ بعد میں آنے والے پہلوں کے فیصلوں کو منسوخ  
کر سکتے ہیں۔ لہذا شیعہ کے نزدیک دین کا ماخذ امام کی ذات ہے۔  
پھر اصول کافی میں ائمہ کے متعلق ایک ضابطہ بیان ہوا ہے۔

فهم يملون ما يشاؤون ويجرمون ما  
يشاؤون ۱۱۸

پھر مختصر بھارتہ الدرجات میں امامت کا منصب بیان کرتے ہوئے بتایا کہ امام ہدی  
ظاہر ہوں گے تو

اول من بايعه محمد رسول الله { سب سے پہلے محمد رسول اللہ امام ہدی کے  
ہاتھ پر بیعت کریں گے۔

ظاہر ہے کہ بیعت کرنے والا لازماً اس سے کم درجہ کا ہوتا ہے جس کے ہاتھ پر وہ  
بیعت کرے جیسے مرید مقلد ہوتا ہے اور شیخ مقتدا ہوتا ہے۔ مطیع کے مقابلے میں مطاع  
کو ہی شجرت قرار دیا جاتا ہے۔ لہذا دین شیعہ کا ماخذ سنت نبوی کو بھی قرار نہیں دیا جاسکتا۔

کیونکہ نبی کے اوپر ایک اور انتقاری امام جو موجود ہے۔

دین اسلام کا تیسرا ماخذ ان مقدس ہستیوں کا تعامل ہے جنہوں نے براہ راست  
نبی کریم سے اللہ کی کتاب سنی، اس کی تفسیر اور تشریح خود نبی کریم کی زبان حقیقت ترجمان  
سے سنی۔ اور ان احکام کی عملی تعبیر جو نبی کریم نے پیش فرمائی یہ لوگ اس کی زندہ مثالیں  
بن کر رہ گئے اور نبی لوگوں سے پہلی سرمایہ اور یہ عملی نمونہ مشرق سے مغرب تک پھیلایا  
ان شاگردان رسول کے قول و فعل کو ذخیرہ احادیث میں محفوظ کر لیا گیا۔ اور خود اللہ تعالیٰ نے  
اس مقدس جماعت کو بعد میں آنے والوں کے لیے مثال اور نور قرار دیا کا قال تعالیٰ۔

والسابقون الاولون من المهاجرين والانبياء

والذين اتبعوا۔ باحسان۔ رضی اللہ عنہم الخ

اور حضور اکرم نے اپنے شاگردوں کو معین ہدایت قرار دیتے ہوئے فرمایا انا علیہم و  
اصحابی اور حضور اکرم نے ان کے نقش قدم پر چلنے کی تاکید فرماتے ہوئے فرمایا  
علیکم بنی ومنۃ الخلفاء السالطین اور حضور اکرم کے شاگردوں نے اللہ کا دین، دین  
اسلام۔ اللہ کے بندوں تک پہنچانا اپنا مقصد حیات سمجھ رکھا تھا اور یہ تعداد میں چند  
ایک نہیں تھے بلکہ ہزاروں تھے جیسا کہ اصحاب ۱۲۱

تعداد سادات توفی النبی صلی اللہ  
علیہ وسلم ومن سمع منه زیادة  
علی مائة الف انسان من راجد  
وامرأة کلہم قد ساری عنہ سماعا  
وروايتہ۔

ان سب کا ایک ہی عقیدہ تھا ایک جیسے اعمال اور ایک ہی قسم کی عبادات تھیں اگر  
کوئی اختلاف تھا تو مقتضائے فہم ورائے تھا۔ چنانچہ حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ  
میں اختلاف رائے کے باوجود حضرت علی نے عملی الاعلان فرمایا

والظاہر ان ربا واحدا وبنینا واحد و اور ظاہر ہے کہ امیر معاویہ وغیرہ کا اور



دعوتنا فی الاسلام واحده ولا نستزیدہم  
فی الایمان باللہ والتصدیق برسول اللہ  
ولا یتزیدوننا الامر واحد۔

در فخر البلاغہ - ۱۲۵:۰۳

ہمارا رب ایک ہے نبی ایک ہے اور  
اسلام کی دعوت ایک ہے اللہ اور رسول  
پر ایمان لانے میں نہ ہم ان سے زائد ہیں  
نہ وہ ہم سے زائد ہیں بات ایک ہی ہے۔  
حضرت علی کے اس کلام سے ظاہر ہے کہ تمام صحابہ کا مذہب ایک ہی تھا۔ حضرت علی  
کا مذہب دوسرے صحابہ سے جدا نہیں تھا۔ ہاں جسے حضرت علی کی بات پسند نہ آئے یا  
ان کو سچا نہ سمجھے تو پھر جو چاہے کہتا پھرے۔

دین شیعہ میں اس مقدس گروہ کا تعامل بھی محبت نہیں اس لیے ماخذ دین بھی  
نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شیعہ کے نزدیک اس گروہ کا تجزیہ یہ ہے۔

امام باقر فرماتے ہیں کہ تمام لوگ مرتد ہو  
گئے تھے صرف تین رہ گئے۔ راوی نے سوال  
کیا وہ تین کون تھے۔ فرمایا مقداد، ابوذر غفاری  
اور سلطان فارسی۔

عن ابی جعفر قال کان الناس اهل  
الردۃ الا ثلثۃ فقلت من الثلاثۃ  
فقال المقداد بن الاسود ابوذر  
الغفاری و سلمان الفارسی۔

(رجال کشی ص ۱۱۱)

اس روایت سے ظاہر ہے کہ صرف تین آدمی حضور اکرم کی نبوت کے معنی شاد رہے  
گئے جبکہ باقی پر اعتقاد کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے اگر ان کو دین شیعہ کا ایک ماخذ تسلیم کیا  
جائے تو عقائد، عبادات اور معاملات میں ان تین حضرات کی روایات کثرت سے ہونی  
چاہئیں مگر آج تک شیعہ کے پاس ان تین حضرات کی پانچ پانچ روایات موجود نہیں ہیں۔  
پھر ان تین حضرات کا یہ حال تھا کہ اپنے دل کی بات اور اپنا عقیدہ اپنے ہم مذہب  
بھائی کو بھی نہیں بتاتے تھے دوسروں کو دین کیا پہنچاتے۔ چنانچہ اصول کافی میں ہے۔

امام جعفر سے روایت ہے کہ ایک روز  
امام زین العابدین کے پاس تفسیر کا ذکر چھڑ  
گیا امام نے فرمایا خدا کی قسم اگر ابوذر کو مسلمان

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام  
ذکرت التفسیر یوما عند  
علی بن الحسین فقال واللہ لو علمو

ابو ذر ما فی قلب سلمان لقتلہ ولقد  
اخار رسولاً بینہما فما ظنکم بساند  
المخلف (ص ۲۵۳)

اور رجال کشی ص ۱۱۱ پر ہے۔

عن ابی بصیر قال سمعت ابا عبد اللہ  
یقول قال رسول اللہ یا سلمان لو  
عرض علیک علی مقداد لکفر  
یا مقداد لو عرض علیک علی  
سلمان لکفر۔

پہلی روایت سے ظاہر ہے کہ ابوذر اور سلمان کے عقائد اس قدر مختلف تھے کہ ایک  
دوسرے پر ظاہر ہوتے تو وہ قتل کر دیتے۔ اور قتل ارتداد کی سزا ہے تو یہ حضرات ارتداد  
سے کیونکر بچے۔ دوسری روایت سے ظاہر ہے کہ ان تینوں کے عقائد اتنے مختلف تھے  
کہ اگر ظاہر ہو تو ہر ایک، دوسرے کی نگاہ میں کافر ہوتا۔ لطف یہ کہ حضور اکرم کو اس کا علم  
یہی تھا اور آپ نے انکی اصلاح بھی نہیں فرمائی۔

اہل الردہ والی روایت سے ایک حقیقت واضح ہو گئی مگر ایک چیز بھی پڑ گیا۔  
یہ ہے کہ شیعہ کے نزدیک حضور اکرم کے بعد تمام صحابہ یعنی تمام مسلمان دو گروہوں میں حقیقت  
بٹ گئے۔ ایک گروہ میں تین صحابی سلمان مقداد اور ابوذر، دوسرے میں باقی تمام صحابہ۔  
پہلے گروہ نے اپنا عقیدہ اور اپنا دین اپنے کسی بھائی کے سامنے بیان نہ کیا، ہمیشہ جھوٹ  
بولتے رہے البتہ ان کے جھوٹ کا نام تفسیر ہے۔ دوسرا عظیم گروہ اسلام کے دعویٰ کے  
سامنے مسلمان معاشرہ میں شمار ہوتا رہا اور ہمیشہ جھوٹ ہی بولتا رہا ان کے جھوٹ کا نام  
نفاق ہے۔ خلاصہ یہ کہ دین رسول ان دو جھوٹوں کے سیلاب میں بہ گیا۔ اور معاذ اللہ  
حضور اکرم نے ۶۳ برس کی محنت شاقہ کے باوجود ایک آدمی بھی تیار نہ کیا جو سچی بات کر سکے۔  
نتیجہ یہ کہ دین اسلام تو حضور کی اس دینیوی زندگی تک محدود رہا۔ پھر جھوٹوں کے سوا

کوئی بچا نہیں تھا تو دین کون پھیلاتا ان اللہ وانا الیہ راجعون۔

تیسچ یہ پڑ گیا کہ ارتداد سے صرف تین بچے ان میں حضرت علی حضرت فاطمہ اور اہل بیت کا نام نہیں وہ کس کھاتے میں ڈالے گئے۔ اگر ان پر "الناس" کا اطلاق ہوتا ہے تو ارتداد کی زد سے بچے کیسے؟ اور اگر یہ "الناس" میں شامل نہیں تو کیوں نہیں؟ اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ دین شیعہ کا ماخذ نہ کتاب اللہ ہے نہ سنت رسول ہے نہ تعامل صحابہ ہے ہاں لے دے کے ایک ماخذ معلوم ہوتا ہے اور وہ ہے امام کی ذات۔ آئیے اب اس کا جائزہ لیں۔

امامت کے سلسلے میں صرف حضرت علی کا نام آتا ہے۔ یہ حقیقت گذشتہ ابواب میں واضح کی جا چکی ہے کہ حضرت علی کو خلفائے ثلاثہ کے بعد اقتدار ملا۔ وہ باختیار حاکم تھے مگر انہوں نے اپنے سارے دور اقتدار میں کوئی ایسا عمل نہیں کیا جو خلفائے ثلاثہ کے عمل کے خلاف ہو کوئی ایسا حکم جاری نہیں کیا جو خلفائے ثلاثہ کے کسی حکم کے خلاف ہو معلوم ہوا کہ حضرت علی اسی دین پر زندہ رہے اسی پر وفات پائی جو خلفائے ثلاثہ نے نبی کریم سے لیکھا اور دنیا میں پھیلا یا البتہ ایک پہلو تو بظاہر بھی ہے کہ ممکن ہے حضرت علی نے معاشرہ کے دباؤ کے تحت دین اسلام کے خلاف نہ کچھ کیا نہ کہا ہو مگر تفسیر طور پر ایسے شاکر دنیار کئے ہوں جنہیں دین شیعہ کی تعلیم دی۔ کیونکہ آپ شیر خدا تو تھے ہی۔ اس امر کا کچھ سراغ ملتا ہے پنا نچرا احتجاج طبری ص ۱۹۹

ما من الامة احد يبيع مكرها غير علي و اربعتنا۔ امت محمدیہ میں کوئی آدمی ایسا نہ تھا جس نے حضرت ابوبکر کی خوشی سے بیعت نہ کی ہو۔ سوائے حضرت علی اور ہمارے چار آدمیوں کے۔

ظاہر ہے کہ یہ چار آدمی تو حضرت علی سے کسب فیض کرتے رہے ہوں گے اور دین شیعہ کی تعلیم حاصل کی ہوگی۔ مگر وہ چار کون تھے؟ یہ عقہہ رجال کشی کی ایک روایت سے حل ہوتا ہے۔

پہر تیسامت کے دن منادی ندا کرے گا کہ ان

طالب وصی محمد بن عبد اللہ رسول اللہ فیقوم عمرو بن الحق الخزاعی و محمد بن ابی بکر و میثم بن یحیی التام و مولی بنی اسد ز ادیس القرنی (رجال کشی ص ۱۹۹)

ہیں علی ابن ابی طالب وصی رسول کے حواری تو عمرو بن الحق محمد بن ابی بکر، میثم اور اویس قرنی کھڑے ہو جائیں گے۔

معلوم ہوا کہ قیامت کے دن یہ چار آدمی حضرت علی کے حواری کی حیثیت سے کھڑے ہوں گے ظاہر ہے کہ یہی جنتی ہوں گے۔ اس لیے یہی حضرت علی کے وہ شاگرد ہو سکتے ہیں جنہیں شیر ندانے انسانوں سے ڈر کے مارے خفی طور پر دین شیعہ سکھایا ہوگا۔ ان چار آدمیوں سے کم از کم پانچ احادیث مرفوعہ، نبی کریم سے ملتی جا سکتیں۔ مگر شیعہ کتب میں کہیں نہیں ملتیں دوسری بات کہ ان چار سے کوئی بات آگے چلتی ہے تو ان سے تو اثر نہیں چلتا۔ جب مذہب میں تو اثر نہ رہا تو وہ باطل ہو گیا۔

یساں ایک اور الجھن پیدا ہو گئی ہے۔ وہ تین آدمی جو ارتداد سے بچ سکے تھے وہ قیامت کے دن حضرت علی کے حواریوں میں نہیں کھڑے ہوں گے۔ پھر ان کا کیا تشریح ہوگا۔ اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ دین شیعہ چلے امام سے تو ماخوذ نہیں ہے۔ دوسرے امام حضرت حسن میں ان کے متعلق رجال کشی میں بیان ہوا ہے۔

ثم منادی منادی حواری الحسن بن علی بن فاطمہ بنت محمد بن عبد اللہ رسول اللہ فیقوم سفیان بن ابی ایوب الخدانی و حذیفہ بن اسید الغفاری (رجال کشی ص ۱۹۹)

پھر منادی ندا کرے گا کہ میں حسن بن علی کے حواری تو سفیان ہمدانی اور حذیفہ غفاری کھڑے ہوں گے۔

ظاہر ہے کہ دوسرے امام کے حواری صرف دورہ گئے۔ ان میں سے بھی ایک کا معاملہ مشتبہ ہے رجال کشی ص ۱۹۹ پر ہے کہ جب حضرت حسن نے امیر معاویہ سے صلح کر لی تو سفیان نے حضرت حسن کو کہا السلام علیک یا مدلل المؤمنین یعنی سفیان نے امام کے فعل کو دلیل فعل کہا اور اصول کافی میں اس عنوان سے پورا باب باندھا ہے کہ امام جو کلام کرتا ہے حکم خدا کرتا ہے اس لیے امام نے امیر معاویہ سے صلح حکم خدا کی۔ اور سفیان نے خدا کے حکم کو ذیل قیامت کے دن بیان کیا۔ تو دوسرے امام کا اکلوتا حواری صرف حذیفہ رہ گیا۔ اگر

پہر تیسامت کے دن منادی ندا کرے گا کہ ان

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ دین اسلام کا کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے علی ولی اللہ وصی رسول اللہ وغیرہ کا دین اسلام کے عقیدہ سے کوئی تعلق نہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شیعہ کی بنیاد یعنی کلمہ ہی دین اسلام سے مختلف اور نرالی بات ہے۔ تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ حضرت عمر کے زمانے تک ایران، عراق، یمن، روم، شام مصر وغیرہ دیگر تمام ممالک میں دین اسلام ہی پھیلتا رہا اور حضرت علی نے چونکہ خلفائے ثلاثہ کے دین کے خلاف کوئی عمل کیا ..... نہ کوئی حکم جاری کیا اس لیے ظاہر ہے کہ حضرت علی کے عہد کے خاتمے تک ہی وہی دین اسلام پھیلا یا جاتا رہا۔ اور اس دین کے استحکام کی شہادت خود حضرت علی دیتے ہیں۔

مسلمانوں کا والی جب حاکم ہوا تو دین کو قائم کیا اور خود سیدھے رستے پر قائم رہا یہاں تک کہ دین نے اپنا سینہ زمین پر رکھ دیا یعنی مستحکم ہو گیا۔

دولہمہ وال فاقاموا استقام حتی ضرب الدین بحرانہ

فہج البلاغہ ۳: ۲۶۲

اور درۃ النبیغیہ جو بیخ البلاغہ کی شرح ہے اس میں ہے کہ

دولہمہ وال المنقول ان الوالی ہر عمر بن الخطاب

یعنی حضرت علی شہادت دیتے ہیں کہ دین اسلام حضرت عمر کے زمانہ میں نہ صرف پھیلا بلکہ مستحکم ہو گیا اور اللہ کا وعدہ پورا ہوا کہ ولیمکن لہم وہ دین الذی ارتضیٰ لہم۔

قرن اول کی دینی حالت کا خلاصہ یہ ہے کہ بقول شیعہ جو دین نبی کریم نے اللہ تعالیٰ سے لے کر صحابہ تک پہنچایا وہ صحابہ کے مرتد ہو جانے کی وجہ سے ضائع ہو گیا۔ جو تین آدمی ارتداد سے بچ گئے وہ تقیہ کی زندگی بسر کرتے رہے اور کسی کے سامنے دین رسول پیش نہ کر سکے۔ پہلے ارتداد سے جو لوگ بچ گئے وہ امام حسین کے ساتھ شہید ہو گئے اور دین کو آگے پہنچانے والا کوئی فرد زندہ نہ بچا۔

دین شیعہ کا ماتہ دوسرے امام کی تعلیمات ہوں۔ تو اصولاً تمام روایات جن پر دین شیعہ کا مدار ہے انکی سند مزید عن حسن عن علی ہونی چاہیے مگر کتب شیعہ میں یہ بات نہیں آتی۔ اس لیے معلوم ہوا کہ دین شیعہ دوسرے امام سے بھی نہیں چلا۔

تیسرے امام حضرت حسین کے متعلق رجال کشی میں ذکر ہے۔

تم بنا دی مناد این حواری الطیبین  
پھر منادی پکارے گا کہاں ہیں حسین بن علی  
بنی ملی بن ابی طالب لیقوم صوت  
کے حواری تو ہر وہ شخص کھڑا ہو گا جو حسین کے  
استشهد ولم یختلف (ص)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ امام حسین کے متبع وہی لوگ تھے جو کربلا میں شہید ہو گئے اگر کوئی بچ رہا تو مرتد یا غیر ناجی ہے۔ بس دین شیعہ اگر تیسرے امام سے خود تسلیم کیا جائے تو انکی شہادت کے ساتھ دین شیعہ بھی ختم ہو گیا کیونکہ ان کے پیرو تو ان کے ساتھ شہید ہو گئے۔ باقی تو قاتلین ہی رہ گئے۔ قاتلین حسین سے بھلا دین حسین کیسے اشاعت پذیر ہو سکتا ہے ایسے ہی دین کے شہیدائی ہوتے تو حسین کو خود گھر بلا کر قتل کیوں کرتے۔

معلوم ہوا کہ تیسرے امام کی شہادت تک دین شیعہ متعہ شعور پر نہ آسکا ہاں وہ دین جو رسول کریم لائے تھے وہ تو صحابہ کرام برابر دنیا میں پھیلاتے رہے جیسا کہ فصل الخطاب میں ہے

وکیونکہ من البلاد فتح خلافتہم و  
نلقن اصحاب تلك البلاد سنن عمر و خلافتہ  
من ذابما رہبتہ و رغبتہ کما یلقن استفادۃ ان  
لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ فانشأ  
عینہا الصغیر و مات علیہ الکبیر

عہد فاروقی میں بہت سے شہر فتح ہوئے۔ وہاں کے باشندوں کو حضرت عمر کے نائب خوشی یا جبر سے انہی کے طریقہ کی تلقین کرتے تھے جیسے کلمہ طیبہ کی تلقین کرتے تھے۔ چنانچہ ہر بیچاری طریقہ پر پیدا ہوا اور ہر بڑا اسی پر ما۔

(فصل الخطاب ص ۱۹)

اس روایت سے ظاہر ہے کہ شیعہ کے نزدیک تمام اسلامی سلطنت میں مذہب فاروقی پھیلا وہی مذہب جو رسول کریم نے صحابہ کو سکھایا جسے آج اہل سنت و اطاعت کہتے ہیں۔

## قرن دوم کی حالت:

اب پوچھتے امام زین العابدین کے زمانہ کا جائزہ لیجئے۔ انکی حالت یہ تھی کہ  
(۱) یزید کے ہاتھ پر بیعت کی بلکہ کہا میں تیرا سلام ہوں (روضہ کافی اور علماء العمون ص ۵۸)  
(۲) آپ مدینہ طیبہ میں ہی رہے اور گوشہ نشین رہے۔

(۳) انہوں نے دین شیعہ کی تبلیغ کبھی نہیں کی چنانچہ شیعہ کتب میں انکی روایتیں بس بڑے نام ہیں۔  
پانچویں امام باقر ہیں معلوم ہوتا ہے کہ دین شیعہ ان سے شروع ہوا چنانچہ اصول کافی میں ہے۔

پھر امام باقر آئے ان سے پہلے شیعہ حج کے  
احکام اور حلال و حرام سے مطلق واقف  
نہیں تھے۔ امام باقر نے شیعہ کے لیے حج  
کے احکام بیان کئے اور حلال و حرام میں تمیز  
کا دروازہ کھولا یہاں تک کہ دوسرے لوگ  
ان مسائل میں شیعہ کے محتاج ہونے لگے جبکہ  
اس سے پہلے شیعہ ان مسائل میں دوسروں کے  
محتاج تھے۔

ثم كان محمد بن علي ابا جعفر وكان  
الشيعة قبل ان يكون ابو جعفر وهم  
لا يعرفون مناسك حجهم وحلالهم  
وحرامهم حتى كان ابو جعفر ففتح لهم  
دينا لهم مناسك حجهم وحلالهم و  
حرامهم حتى صار الناس يفتنون اليهم  
من بعد ما كانوا يفتنون الى الناس

۲۹۶

اس اقتباس سے ان امور کی وضاحت ہو گئی کہ  
(۱) امام باقر سے پہلے شیعہ کو حلال و حرام کی تمیز نہیں تھی کیونکہ حلف و حرمت کی تعیین  
ہی نہیں ہوئی تھی۔

(۲) امام باقر کے بغیر کسی کو حلال و حرام کا علم ہی نہیں تھا۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دین و مذہب کی ابتداء ہی حلال و حرام سے ہوتی ہے۔ عقائد میں  
عبادات میں معاملات میں حد فاصل دین ہی تو کرتا ہے۔ کوئی مذہب خواہ الہامی ہو یا انسانی  
دماغ کی کاوش کا نتیجہ اس کا پہلا کام یہ ہے کہ جائز و ناجائز اور حلال و حرام کی حد بندی کرے۔ اس  
لیے جب امام باقر سے پہلے شیعہ حضرات حلال و حرام سے واقف ہی نہ تھے تو ظاہر ہے کہ شیعہ

مذہب کا وجود ہی نہیں تھا۔ امام باقر سے شروع ہوا۔

دین اسلام میں یہ بات اساسی عقیدہ کی حیثیت رکھتی ہے کہ حلال و حرام کی تعیین کرنا اللہ  
اور رسول کا کام ہے۔ کسی دوسرے کا یہ منصب ہی نہیں۔ بلکہ جو شخص اللہ و رسول کے مقرر کردہ  
حرام کو حرام نہ سمجھے اس سے جنگ کرنے کا حکم ہے۔

فَاتَّبَعُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ  
الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوا حُرْمَةَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ

مختصر یہ کہ پانچویں امام تک دین شیعہ کا ثبوت نہیں ملتا۔ امام باقر نے دین شیعہ کے  
حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی تعیین کی اور اسے رد شناس کر لیا۔ اس بنا پر پانچویں امام  
کا منصب نبی کا منصب ٹھہرا۔ اب یہ سوال اٹھتا ہے کہ اگر امام نے حلال و حرام کی تعیین  
اللہ تعالیٰ کے احکام حاصل کر کے کی۔ تو وہ نہیں ہوئے اور ان پر وحی کا آنا تسلیم کرنا پڑے  
گا اس سے عقیدہ ثبوت کا انکار لازم آتا ہے۔ اور یہ مرتکب کفر ہے۔

اگر امام نے محض اپنی رائے سے یہ کام کیا تو دین شیعہ الہامی اور آسمانی مذہب نہیں  
انسانی ذہن کی پیداوار ہے۔ اور

اگر امام دین کے احکام کی صرف روایت کریں تو سلسلہ روایت پہلے امام تک پہنچائیں  
مگر یہ صورت ممکن نہیں جیسا کہ پہلے چار اماموں کے حالات سے ثابت کیا جا چکا ہے۔ یہ تینوں  
صورتیں ایسی ہیں کہ ان کو تسلیم کرنے سے یا تو امام کی سیرت مجروح ہوتی ہے یا کفر لازم آتا ہے  
اور ان سے پہلے دین شیعہ کا ثبوت نہیں ملتا اور ان کے بعد دین کا اجرا تسلیم کریں تو دین شیعہ  
نہا کا دین نہیں بلکہ فوساختر دین ثابت ہوتا ہے۔

علامہ دلا رملی مجتہد شیعہ نے اپنی کتاب اساس الاصول میں اس عقیدے کو کھلیک  
حل پیش کیا ہے۔

لا نسوا انهم كانوا مكلفين بتحصيل لقطع  
واليعين كما يظهر من سجيحة اصحاب الامم بل  
كانوا مامورين باخذ الاحكام من التقاة و  
هم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ اصحاب ائمہ کے لیے  
یقینی علم حاصل کرنا لازم تھا جیسا کہ ان کی  
روشنی سے ظاہر ہوتا ہے۔ بلکہ اصحاب ائمہ کو

وغيرهوايضامع قرينة  
تفيد الظن كما عدفت  
مراراً بانساء مختلفة  
كيف ولو لم يكن الامام  
كذلك لزم ان يكون اصحاب  
ابو جعفر والصادق الذين  
اخذ يونس كتبهم وسمع  
احاديثهم مثلاً لها لكن  
مستوجين السار وهكذا حال  
جميع اصحاب الائمة بانهم  
كانوا مختلفين في كثير من  
المسائل الجزئية الفرعية كما  
يظهر ايضا من كتاب العدة  
وغيره وقد عرفته وسم  
يكن احد منهم قاطعاً  
لسا يرديه الاخر في متمسك  
كما يظهر ايضا من كتاب  
العدة وغيروا لندكر في هذا  
التقام رواية رواها  
محمد بن يعقوب الكليني  
في الكافي فانها مفيدة  
لسان نحن بصدد دة و  
نرجوا من الله ان يطمئن

حکم تھا کہ دین کے احکام معتبر اور غیر معتبر  
ہر قسم کے لوگوں سے حاصل کریں بشرطیکہ  
کوئی قرینہ مفید ظن موجود ہو جیسا کہ بار بار  
تمہیں مختلف طریقوں سے معلوم ہو چکا  
ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو لازم آئے گا کہ امام  
باقرا اور امام صادق کے اصحاب جنکی  
کتابوں کو یونس نے لیا اور ان کی  
حدیثیں سنیں ہلاک ہونے والے اور  
دوزخ کے مستحق ہو جائیں اور یہی حال  
ان تمام اصحاب ائمہ کا ہو گا کیونکہ وہ  
بہت سے مسائل جزئیہ فرعیہ میں باہم  
اختلاف رکھتے تھے جیسا کہ کتاب العدة  
وغیرہ سے ظاہر ہے اور تمہیں معلوم ہو  
چکا ہے اور ان میں سے کوئی شخص اپنے  
مخالف کی روایت کی تکذیب نہیں کرتا  
تھا جیسا کہ کتاب العدة وغیرہ سے ظاہر  
ہے یہاں ہم ایک روایت ذکر کرتے ہیں  
جسے محمد بن یعقوب کلینی نے کافی میں ذکر  
کیا ہے وہ روایت ہمارے مقصد کیلئے  
مفید ہے اور ہمیں قوی امید ہے کہ اس  
روایت سے مومنوں کے دلوں کو اطمینان  
حاصل ہو گا اور انہیں میرے بیان کے  
حق ہونے کا یقین ہو جائے گا لہذا میں

بہا قلوب المؤمنین يحصل  
لهم الجزم بحقيقة ما  
ذكرنا فنقول قال ثقة  
الاسلام في الكافي علي بن  
ابراهيم عن من الشريعة  
بن الربيع قال لعمري  
ابن عمير يعدل  
بهشام بن الحكم شيئاً  
ولا يغيب ايمانه ثم  
انقطع عنه وخالفه و  
كان سبب ذلك  
ان ابا مالك الحضرمي  
كان احد رجال هشام  
وقع بينه وبين ابن عمير  
ملاحاة في شيء من الامامة قال بن عمير  
الدنيا كلها للامام من  
جهة الملك وانما اولي بها  
من الذين هم في ايدى بهم  
وقال ابو مالك كذلك  
املاك الناس لهم الامام  
الحكم لله به للامام الفئ والخمس  
والخمس فذلك له و  
ذلك ايضا قد بين الله  
للامام ان يصنعه وكيف

کہتا ہوں کہ ثقہ الاسلام نے کافی میں بیان  
کیا ہے کہ علی بن ابراہیم نے شریح بن ربیع  
سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ابن  
ابی عمیر ہشام بن الحکم کی بہت عزت کرتا  
تھا اس کے برابر کسی کو نہ سمجھتا تھا بلکہ اتنا  
اس کے پاس جاتا تھا پھر اس سے قطع  
تعلق کر لیا اور مخالف ہو گیا۔ اس کی وجہ  
یہ تھی کہ ابو مالک حضرمی جو ہشام کے اولوں  
میں سے تھا اس کے اور ابن ابی عمیر کے درمیان  
مسئلہ امامت کے متعلق گفتگو ہوئی ابن  
ابی عمیر کا کہنا تھا کہ دنیا ساری کی ساری امام  
کی ملکیت ہے اور امام کو تمام چیزوں میں  
تصرف کرنے کا حق ان لوگوں سے زیادہ  
ہے جن کے قبضہ میں وہ چیزیں ہیں ابو مالک  
کہتا تھا کہ لوگوں کی مملوکہ چیزیں انہی کی ہیں  
امام کو صرف اسی قدر ملے گا جو اللہ نے مقرر کیا  
ہے مثلاً مال فتنے، خمس اور غنیمت اور ان  
کے متعلق بھی اللہ نے بتا دیا ہے کہ امام اسے  
کہاں خرچ کرے آخر ان دونوں نے ہشام  
کو اپنا حکم بنایا دونوں اس کے پاس گئے  
ہشام نے اپنے شاگرد ابو مالک کے موافق  
فیصلہ دیا۔ اس پر ابن ابی عمیر کو غصہ آیا اور  
اس نے ہشام سے قطع تعلق کر لیا یعنی

ببسم بہ فتر حیا بمشام بن الحکم ومارا  
الیہ حکم هشام لابن مالک فغضب  
ابن ابی عمیر و هجر هشام ما بعد  
ذک ف نظر وایا اولی الالباب واعتبروا  
یا اولی الابصار فان هذه الاشخاص  
الثلاثة کلهم كانوا من ثقات اصحابنا  
و كانوا اصحاب لصادق و الکاظم و الرضا علیهم  
السلام کیف وقع النزاع بینهم حتی وقعت الحادثة فما  
بینهم مع کرم متکین من تحصیل العلم والیقین من  
جانب الائمة - (اساس الاصول ص ۱۲۲)

اسی کتاب کے صفحہ پر سلامہ دلدار علی نے اختلاف کا صاف اقرار کیا ہے۔

وامتیاز المناشی بعضها عن بعض  
فی باب کل حدیثین مختلفین بحیث  
یحصل العلم والیقین بتعیین  
المنشأ عمیر اجداد فوق الطاقة  
کمالا یحقی۔

اور شیخ مرتضیٰ نے فرما لاصول میں اس پر مزید روشنی ڈالی ہے۔

ثم ان ما ذکره من تسکن اصحاب  
الائمة من اهل الاصول والفروع  
بطریق الیقین دعویٰ منوعه  
واضح المنع والاقل ما یشهد  
علیها ما علم بالعبین والاشد  
من اختلاف اصحابهم صلوات

سلام و کلام نزرک کر دیا۔ پس اے صاحبان  
عقل دیکھو اور اے اہل بصیرت عبرت  
حاصل کرو یہ تینوں ہمارے محترم اصحاب  
سے ہیں۔ اور امام صادق امام کاظم اور  
امام رضا کے اصحاب سے ہیں ان میں  
باہم کس طرح جھگڑا ہوا یہاں تک کہ قطع  
تعلق ہو گیا۔ حالانکہ ان کو قدرت حاصل  
تھی کہ ائمہ سے اپنے جھگڑے کا فیصلہ کرا  
لیتے اور علم و یقین حاصل کر لیتے۔

دو مختلف حدیثوں میں امتیاز کرنا اور  
سبب اختلاف اس طرح معلوم کرنا کہ علم  
و یقین حاصل ہو جائے۔ نہایت دشوار  
امر ہے بلکہ انسانی طاقت سے باہر ہے جیسا  
کہ یہ حقیقت پوشیدہ نہیں۔

پھر اس شخص نے یہ ذکر کیا ہے کہ اصحاب  
ائمہ اصول و فروع دین کو یقین کے ساتھ  
حاصل کرنے پر قادر تھے۔ یہ ایک دعویٰ  
ہے جو قابل تسلیم نہیں کم از کم اس کی شہادت  
وہ ہے جو آنکھ کے مشاہدہ اور اثر سے معلوم  
ہوئی ہے کہ اصحاب ائمہ اصول و فروع

الله علیہم فی الاصول والفروع  
ولذا اشکی غیر واحد من الاحادیث  
الماثورة عن الائمة مختلفه  
جدد الیکاد یوجد حدیث  
الادنی مقابلته حدیث  
بنا فیہ ولا یتفق خذرا کال  
بانهاره ما یضارة حتی صار  
دک بسبب الرجوع المناقصین عن  
اعتقاد الحق کما صرح بہ  
شیخ الطائفہ فی اوائل التہذیب  
والاستبصار وناشی هذه  
الاختلافات کثیرة.... من التقیة  
والوضع واشتباہ السامع والنسیم  
والتخصیص والتقیید وغیر  
هذه المذکورات من الامور  
الکثیرہ کما وقع التصدیح علی  
اکثرها الاخبار الماثورة عنهم  
اصحاب الائمة الیہم اختلاف  
اصحابہ فاجابوہم تارة بانہم  
قل القوا الاختلاف جتنا لدمائمہم  
کما فی روایة حریری و  
نہامہ و ابی الیوب الجزایر  
واخری اجالوہم لان ذلک

دین میں باہم اختلاف رکھتے تھے اور اسی  
بہرے بہت سے لوگوں نے ان حدیثوں میں  
سخت اختلاف کیا ہے جو اماموں سے منقول  
ہیں۔ ایسی کوئی حدیث نہیں ملتی جس کے مقابل  
اس کے مخالف حدیث موجود نہ ہو یہاں تک  
کہ یہ اختلاف بعض کمزور عقیدہ لوگوں کیلئے مذہب  
شیعہ ترک کر دینے کا سبب بنا جس کا شیخ الطائفہ  
نے تہذیب و استبصار کے آغاز میں بیان  
کیا۔ اس اختلاف کے اسباب بہت ہیں  
مثلاً ائمہ کا تقیہ کرنا، موضوع حدیثوں کا شامل  
ہونا، سننے والوں سے غلطی کا ہونا جانا،  
معانی نہ سمجھنا، منسوخ ہو جانا وغیرہ اور  
ان کے علاوہ بھی بہت سے امور ہیں۔  
چنانچہ ان میں سے اکثر کی تصریح احادیث  
ائمہ میں موجود ہے۔ ائمہ سے شکایت کی  
گئی کہ آپ کے اصحاب میں بہت اختلاف  
ہے تو ائمہ نے جواب دیا کہ ہم نے خود  
یہ اختلاف ڈالا ہے اور وہ صرف جان  
بچانے کے لیے جیسا کہ حریری زرارہ اور  
ابو بزار کی روایتوں میں موجود ہے  
اور کبھی یہ جواب دیا کہ اختلاف جھوٹ  
بولنے والوں کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہے۔  
جیسا کہ فیض بن مختار کی روایت میں ہے وہ

من جهة الكذابين كما في رواية الفيض  
بن المختار قال قلت لابي عبد الله جعلني  
الله فداك ما هذا الاختلاف الذي  
بين شيعة هو قال فإني اختلف  
يا فيض فقلت له اني  
اجلس في حنقهم بالكوفة  
واكاد اشك في اختلافهم  
في حديثهم حتى ارجع الى الفضل بن  
عبد ربه فوفى من ذلك علي ما  
نستريح به نفسي

کہتے ہیں میں نے امام جعفر سے کہا قربان  
جاؤں آپکے شیعوں میں یہ کیا اختلاف  
پایا جاتا ہے۔ امام نے فرمایا اے فیض!  
کونسا اختلاف ہے میں نے عرض کیا میں  
کو فرمیں بقا ان کے حلقہ درس میں بیٹھتا  
ہوں تو ان کی احادیث میں اختلاف  
کی وجہ سے ایسا دھوکا ہوتا ہے کہ مجھے شک  
ہونے لگتا ہے یہاں تک کہ میں فضل بن  
عمر کی طرف رجوع کرتا ہوں تو مجھے ایسی بات  
بتاتے ہیں جس سے میرے دل کو تسلی ہو جاتی ہے

فقال عليه السلام اجل كما ذكرت يا فيض ان الناس قد اولعوا بالكذب علينا كان الله  
افترض عليهم ولا يريد منهم غيره في احدث احدهم بحديث فلا يخرج من عندي يتاولوا  
علي غير تاويله وذلك لانهم لا يطلبون بحد ثنا ويحبنا ما عند الله  
تعالى وكل يجب ان يداعى اماما -

”امام نے فرمایا اے فیض! یہ درست ہے۔ لوگوں نے ہم پر افترا پردازی کی  
گویا تمہارا کان سے صرغ یہی مطالبہ ہے کہ ہم پر جھوٹ بولیں۔ میں کسی سے ایک حدیث  
بیان کرتا ہوں تو وہ میرے پاس سے اٹھ جانے سے پہلے ہی اس کے مطلب میں سے  
تحریف شروع کر دیتا ہے۔ لوگ ہماری حدیث اور ہماری محبت سے آخرت کی  
نعمت نہیں چاہتے بلکہ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ سردار بن جائے“

پھر کہتے ہیں :-

وقريب منها رواية داود بن سرحان واستشهد القميين كذا ومن رجال  
نوادير الحكمة معروف وقصة ابن ابي العوجاء انما قال عند قتله قد دست  
في كتبكم اربعة الاف حديث مذكرة في الدجال وكذا ما ذكر يونس بن

عبد الرحمن من انه اخذ احاديث كثيرة من اصحاب الصادقين ثم عرضها على ابي الحسن  
الرضا عليه السلام فانكر منها احاديث كثيرة الى غير ذلك مما يشهد بخلاف ما ذكره -  
”اور اس کے قریب داؤد بن سرحان کی روایت ہے اور اہل قم کا نوادر الحکمت کے  
بہت سے راویوں کو مستثنیٰ کر دینا مشہور ہے اور ابن ابی العوجاء کا قصہ کتب  
رجال میں لکھا ہے کہ اس نے اپنے قتل کے وقت کہا کہ میں نے تمہاری کتابوں میں  
۴ ہزار حدیثیں وضع کر کے درس کی ہیں اسی طرح وہ واقعہ جو یونس بن عبد الرحمن  
نے بیان کیا ہے کہ اس نے بہت سی حدیثیں اصحاب ائمہ سے حاصل کیں پھر انہیں  
امام رضا کے سامنے پیش کیا تو امام نے ان میں سے بہت سی حدیثوں کا انکار کر  
ان کے علاوہ بہت سے واقعات ہیں جو اس شخص کے دعویٰ کے خلاف ثبوت دیتے ہیں“  
ان تین روایات سے کئی راز کھلے اور کئی عقیدے صحت پائے ہیں۔

(۱) اصحاب ائمہ پر فرض نہیں تھا کہ اصول و فروع دین کا یقینی علم حاصل کریں۔ باوجود اس  
امر کے کہ ان میں ایسا کرنے کی قدرت موجود تھی۔

اصول یہ ہے کہ ہر مقل بلخ ذی ہوش انسان تھا وہ نبی ہی کیوں نہ ہو دین کے  
متعلق یقینی علم کے حصول کا مکلف ہے صرف ذہنی ہوش انسان ہونا شرط ہے۔ اب کون کہہ سکتا  
ہے کہ اصحاب ائمہ اس اصول سے کیونکر مستثنیٰ قرار پائے۔ جس دین کے اصول و فروع کا علم  
یقینی نہیں لازماً وہ دین تذبذب تردد اور شک کا مجموعہ ہوگا مشکوک دین اور تذبذب  
آدمی بھلا کس کام کا بظاہر ہے کہ دین شیعہ کے اصول و فروع جو شاگردان ائمہ سے دوسروں  
تک پہنچے ان میں کوئی بات یقینی نہیں۔ عقائد عبادات معاملات سب مشکوک ثابت ہوئے  
(۲) اصحاب ائمہ کیلئے ضروری تھا کہ وہ علم انہیں ملا تھا کہ دین کے احکام معتبر اور غیر معتبر ہر قسم کے  
لوگوں سے حاصل کریں۔

یہ حکم اور بھی عجیب ہے۔ لفظ ”اصحاب ائمہ“ قابلِ نور ہے۔ ظاہر مفہوم یہی ہے کہ ائمہ کے  
صحبت یا نعت ائمہ کے تربیت یافتہ اور ائمہ سے تعلیم حاصل کرنے والے اور ائمہ کی صحبت اختیار  
کرنے کا مقصد اور کچھ بوجہ نہیں سکتا۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ

(۱) اصحاب ائمہ کو یہ حکم کس سے دیا تھا کہ معتبر اور غیر معتبر آدمی سے دین حاصل کریں۔

(ب) اگر خود ائمہ نے دیا تو اس کی وجہ کیا ہے؟ کیا ائمہ کے پاس دین کا علم تقاضا ہی نہیں۔ اگر تقاضا تو کیا ناقص اور نامکمل تھا کہ اس کی کوپور کرنے کے لیے ہر کہ دمہ سے دین حاصل کرنے کا حکم دیا۔ اگر وہ یہی تھی تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ائمہ خود دین سے ناواقف تھے۔ اور اگر یہ وہ نہیں تو یہ حکم کسی اور نے دیا۔ اگر ایسا ہے تو اصحاب ائمہ نے بغیر معقول بلکہ دین سے دور کرنے والا حکم کیوں سنا اور اس پر عمل کرنا کیسے برداشت کیا۔ انہوں نے کیوں نہمان کہہ دیا کہ ائمہ کے ہوتے ہوئے کسی اور سے دین حاصل کرنا ائمہ کی توہین بھی ہے اور دین کے ساتھ مذاق بھی۔

(۳) اگر غیر معتبر لوگوں سے دین کے اصول و فروع لینے کا حکم غلط قرار دیا جائے تو اصحاب ائمہ دوزخی قرار پائیں گے کیونکہ ان کی روایتوں میں اختلافات نہیں بلکہ مخالفت پائی جاتی ہے۔ یعنی اصل کام یہ نہیں کہ دین کے احکام صحیح ماخذ سے لیے جائیں اور دین کے اصول و فروع کا یقینی علم حاصل کیا جائے بلکہ اصل کام یہ ہے کہ اصحاب ائمہ کو دوزخی قرار دے جانے سے بچایا جائے۔ معلوم ہوتا ہے اس حکم میں اصحاب ائمہ کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے۔ تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ اصحاب رسول میں اگر فروعی اور جزوی اختلافات بھی نظر آئے تو انہیں بے دریغ دوزخی کہہ دیا جائے مگر اصحاب ائمہ میں اصولی اختلافات بھی پایا جائے تو انہیں دوزخ سے بچانے کے لیے نیا اصول وضع کر لیا جائے۔ یعنی اصحاب ائمہ کا مرتبہ اصحاب رسول سے بلند ہے۔ مگر اصحاب رسول نے رسول کو چھوڑ کر کسی ایسے غیر سے سے نہ تو دین کا علم سیکھا نہ اس پر اعتبار کیا۔ یہی وجہ ہے کہ دین اسلام کے اصولی مسائل میں کوئی اختلاف نہیں اور دین شیعہ مجبوراً اعتقاد ہے۔

(۴) امام باقر سے پہلے شیعہ اپنے مذہب کے حلال و حرام سے واقف ہی نہیں تھے اور امام کے بعد انہیں حکم ہوا کہ ہر ناسق و فاجر سے بھی دین سیکھو تو اصحاب ائمہ سے جو دین منقول ہوا وہ ائمہ کا دین نہیں ہو سکتا کون کہہ سکتا ہے کہ کتنے منافق و فجار کے بتائے ہوئے احکام و مسائل اس دین میں شامل ہیں۔

(۵) دو مختلف حدیثوں میں صحیح اور غلط کا امتیاز کرنا، اختلافات دور کرنا اور یقینی علم حاصل کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے۔

جب ایک کام انسانی طاقت سے باہر ہے تو انسان کیا کرے؟ یہی کہ دونوں حدیثوں پر عمل کرے کہیں ایک پر کبھی دوسری پر۔ مگر اپنے کسی کام کے متعلق یقین نہیں ہونا چاہیے کہ یہ صحیح ہے یعنی ساری عمر بے یقینی کا شکار رہے۔ یا یہ کہ کسی ایک پر بھی عمل نہ کرے جب صحیح اور غلط میں تمیز نہیں ہو سکتی تو اس پر عمل کرنے کا فائدہ کیا ہوا۔ لہذا دین شیعہ میں اصول و فروع کے جتنے مسائل ہیں مثلاً نماز روزہ وغیرہ اور حلال و حرام کے مسائل ان میں کوئی بھی یقینی بات نہیں ممکن ہے شیعہ کے لیے عمل ہونے کی سبب ہو۔ ہاں متعہ تقیہ اور ماتم ایسے مسائل معلوم ہوتے ہیں کہ ان کے متعلق نسبتاً یقینی علم حاصل ہے جبھی تو ان تین مسائل کا خاص اہتمام ہے۔

(۶) ان روایات میں چار اصحاب ائمہ کا ذکر ہے جو جوڑی کے اصحاب ہیں تین اماموں کے شاگرد ہیں اور انہی سے دین شیعہ منقول ہو کر آیا ہے۔ یونس، ہشام ابن ابی عمیر اور ابو مالک۔ شیعہ کتب رجال سے انکی ثقاہت اور عظمت کا کھوج لگانا چاہیے۔

ائمہ کی حدیثیں بغیر سے بیان کرتا تھا یعنی خود گھٹ لیتا اور ائمہ کے ذمے لگا دیتا۔  
عبد اللہ بن محمد الحجال کہتا ہے میں امام رضا کے پاس تھا آپ ایک کتاب پڑھ رہے تھے یہاں تک کہ امام نے وہ کتاب زمین پر دے ماری اور فرمایا حرامی کی کتاب ہے اور وہ کتاب یونس تھی۔

(۱) یونس رکان بدوی الاحادیث من غیر صحاح۔ رجال کشی صفحہ ۶۔  
عن عبد اللہ بن محمد الحجال قال كنت عند الرضا ومعه كتاب يقرئ في بابہ حتى ضرب به الارض فقال كتاب ولد المزن فكان كتاب يونس۔ (رجال شیعہ)

اس روایت سے یونس کی عظمت اور اس کی کتاب کا مقام ظاہر ہے جس پر شیعہ کو بڑا ناز ہے۔ یہ کہ یونس حرامی تھا اور اس کی کتاب زمین پر دے مارنے کے قابل ہے۔



ثم ضرب بها الارض فقال هذا كتاب ابن  
نهران لذانية هذا كتاب سندان بن خبير  
رشدنا -

(رجال کشی ص ۳۰۹)

اور

عن ابن سنان قال قلت لابن الحسن ان  
يونس يقول ان الجنة والنار لم يخلقا فقال  
ماله لعن الله وابن جنة آدم  
(رجال کشی ص ۳۰۹)

پھر رجال کشی میں ہے کہ محمد بن ابادیر نے  
کتاب الحسن فی یونس فکتب فلعن الله ولعن  
اصحابه - (ص ۳۰۹)

امام نے وہ کتاب زمین پر دے ماری اور فرمایا  
یہ تراوی کی کتاب ہے یہ زندیق کی کتاب ہے  
جو ہدایت پر نہیں ہے۔

ابن سنان کہتا ہے میں نے امام رضا سے عرض  
کیا یونس کہتا ہے کہ جنت اور دوزخ ابھی  
پیدا نہیں ہوئے۔ امام نے فرمایا اس پر خدا  
کی لعنت - آدم کی جنت کہاں ہے۔

امام نے جواب دیا یونس بھی ملعون اور  
اس کے شاگرد بھی ملعون ہیں۔  
فن رجال کی اسی جرح سے معلوم ہوا کہ یونس حرامی ہے ملعون ہے اس کے شاگرد  
ملعون ہیں زندیق ہیں۔ ہدایت پر نہیں اور اس کی کتاب زمین پر دے مارنے کے  
لائق ہے۔

(۲) ہشام - اللہ تعالیٰ کے متعلق ہشام کا عقیدہ امام رضا کے سامنے بیان ہوا -

ہشام صاحب الطاق اور بیہوشی کا عقیدہ تھکے  
اللہ تعالیٰ ناف تک کھوکھلا ہے اور باقی  
ٹھوس مضبوط ہے۔

ان هشام بن سالم وصاحب الطاق والمبہوشی  
يقولون انه اجوف الى السرة والباقي صمد  
(اصول کافی ص ۳۰۹)

اور

ان محمد ارأى ربه في هيئة الناب المرفق  
في سن ابناء ثلثين سنة - (ایضاً)

ایشی کہتے تیس برس کے جوان کی سبھی تھی  
جب رسول کو یہ نہ سنے دیکھا۔

اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسا عقیدہ رکھنے والا آدمی دین کے متعلق جو روایت بیان کرے

اس کی قدر و قیمت کا اندازہ بخوبی کیا جاسکتا ہے۔

رہے باقی دو صحزرات تو ان کے متعلق اتنا بیان کر دینا کافی ہے کہ ابوالکاسم ہشام  
کا شاگرد تھا اور ابن ابی عمیر ہشام کو بہت بڑا عالم تسلیم کرتا تھا۔ جب بڑے عالم کا یہ عالم  
ہے تو چھوٹوں کے متعلق کہہ دینے کی کیا ضرورت ہے۔

اصول کافی کے حوالے سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ پانچویں امام سے پہلے شیعہ مذہب گویا  
تھا ہی نہیں کیونکہ حلال و حرام کی تعیین تو پانچویں امام نے ہی کی تھی۔ اس کی حالت کا نقشہ رجال کشی  
میں یوں بیان ہوا ہے۔

جعفر بن موسیٰ نے امام رضا سے شکایت کی۔

امام رضا سے جعفر بن عیسیٰ نے کہا کہ میں اللہ  
سے اور آپ سے شکایت کرتا ہوں اس  
تکلیف کی جو ہمیں شیعہ کی طرف سے پہنچی ہے  
ہم نے فرمایا تم کس تکلیف میں مبتلا ہو۔  
جعفر نے کہا خدا کی قسم وہ ہم سے قوی ہیں۔  
ہمیں کافر کہتے ہیں اور تبرا کرتے ہیں امام نے  
کہا یہی حال امام زین العابدین، امام باقر،  
امام جعفر اور موسیٰ کاظم کے اصحاب کا ہے  
اور شاگردان زرارہ دوسرے اصحاب المرگو  
کافر کہتے ہیں اور وہ زرارہ کے شاگردوں کو  
کافر کہتے ہیں پھر میں نے کہا اے میرے سردار  
ہم آپ سے ان دو بزرگوں کے متعلق پوچھنا چاہتے ہیں  
جو یونس اور ہشام ہیں ان دونوں نے ہمیں  
ادب سکھایا اور تعلیم دی۔

قال له جعفر بن عیسیٰ اشکوا  
الی الله والیک ما نحن فیہ من  
اصحابنا فقال ما انت فیہ  
منہم فقال جعفر هو والله یذید  
قوتاً ویکفروننا ویبرون منا فقال  
علیہ السلام هكذا کان اصحاب  
علی بن الحسین و محمد بن علی  
واصحاب جعفر وموسیٰ علیہ السلام  
ولقد کان اصحاب زرارہ یکفرون  
غیرہم وکذلک غیرہم یکفرونہم  
فقلت لہ یا سیدی نستعین بک علی  
ہذین الشیخین یونس و ہشام و ہما  
حاضران و ہما ادبانا و علمانا۔

(رجال کشی ص ۳۰۹)

اس روایت سے یہ نتیجہ نکلا کہ -

(۱) امام کے زمانہ کی تعلیم آنے والے امام کے عہد میں تکفیر کا نشانہ نہی ظاہر ہے کہ کفر کو کون دینا چاہے

مخفونہ رکھتا ہے۔ چنانچہ عہد بہ عہد ضائع ہوتی چلی گئی۔

(۲) ہر امام کی تعلیم پہلے امام کی تعلیم سے متضاد ہوتی تھی۔ یا یوں کہنے کہ کفر کی تعلیم ہوتی تھی جیسی تو اس کے متعلق کفر کا فتویٰ دیا جاتا تھا کفر کی تعلیم پر ہی کفر کا فتویٰ دیا جاسکتا ہے۔

(۳) ہر امام کے شاگرد سابقہ امام کی تعلیم کی اقتدا تو کیا کرتے انہوں نے کفر کی تعلیم فرار دیتے چلے آئے اور امام کی تعلیم پر کفر کے فتوے دراصل سابقہ امام کی حدیثوں پر کفر کے فتوے تھے تو اقتدا کیسے کرتے۔

(۴) یہ کفر کے فتوے دو حال سے خالی نہیں اول ان عقائد اور اعمال کی تعلیم خود امام نے دی اس کا مطلب یہ ہوا کہ معاذ اللہ کفریہ عقائد اماموں نے ایجاد کئے۔ پھر وہ ہادی کیونکر ظہرے اور امام کیسے بنے۔ دوم یہ عقائد اصحاب ائمہ نے خود گھڑ لیے اس کا مطلب یہ ہوا کہ دین شیعہ اصحاب ائمہ نے ایجاد کیا۔ اور وہ بھی ہوائے نفس اور انقائے شیطان کے تحت۔

(۵) محدثین شیعہ نے تمام ائمہ کے شاگردوں کی حدیثیں درج کی ہیں۔ رجال کشی کے متذکرہ بالا اصول کے پیش نظر صحیح طریقہ تو یہ تھا کہ وہ حدیثیں ہرگز درج نہ کرتے جن پر کسی دور میں کفر کا فتویٰ صادر ہو چکا تھا اسی طرح ان کے جیسے لازم تھا کہ امام تقی سے پہلے ائمہ کے شاگردوں کی روایت کردہ حدیثیں نقل نہ کرتے کیونکہ کفر کے فتووں سے تو صرف امام تقی، تھی اور حسن مسکری کے شاگرد ہی بچے ہیں۔ جن لوگوں پر متقدمین شیعہ نے کفر کا فتویٰ دیا تھا ان کی حدیث متاخرین کیلئے کیونکہ قابل عمل قرار دی جاسکتی ہے۔

(۶) روایت مذکورہ میں جن "شیخین" کو محسن قرار دیا گیا ہے ان میں سے ایک کے متعلق امام رضا نے ملعون و راجی اور زندیق فرمایا اور دوسرے آؤ حید خالص کا منکر تو ان کی بیان کردہ حدیثوں سے جو علم حاصل ہوا اس کی قدر و قیمت معلوم۔

رجال کشی کی مذکورہ روایت اصول کافی میں دوسرے رنگ میں بیان ہوتی ہے۔ نقل کتا ہے میں نے امام جعفر سے پوچھا کہ جب پہلے اور پچھلے امام کی حدیث میں اختلاف

قلت لانی عبد اللہ اذا جاء حدیث عن اذ لک و حدیث عن اخر کھ

بایکھا ناخذ۔ فقال خذ و ابد حتی

یصلخک عن الحی۔ (اصول کافی ص ۲۵)

ہو تو ہم کس پر عمل کریں۔ امام نے فرمایا جب زندہ امام کی حدیث مل جائے اس پر عمل کرو۔ اس روایت کو رجال کشی کی روایت کے ساتھ ملانے سے یہ نتیجہ نکلا کہ۔

امام باقر کے شاگردوں کے فتویٰ کے مطابق امام زین العابدین کی حدیثیں قابل عمل نہ رہیں ان پر کفر کا فتویٰ ہو گیا۔ اور امام جعفر کے زمانے میں امام باقر کی تعلیمات ناقابل عمل قرار پائیں یہ سلسلہ امام رضا تک چلا آیا تو ساتویں امام تک تمام ائمہ کی حدیثیں قابل عمل نہ رہیں تو انہیں سینے سے لگائے رکھنا کیا مطلب؟

خلاصہ یہ ہوا کہ دین رسول پہلے تو ارتداد کی نذر ہو گیا پھر شہادت حسین کی وجہ سے دنیا سے نابود ہو گیا امام زین العابدین سے لے کر امام رضا تک جو دین پیش کیا جاتا رہا وہ عہد بہ عہد صحابہ ائمہ کے کفر کے فتووں کی وجہ سے ناقابل تسلیم اور ناقابل عمل قرار پایا۔ لہذا مذہب شیعہ امام تقی سے شروع ہوا۔ رسول کریم سے اس دین کا سلسلہ یاریط قائم نہیں ہو سکتا۔

ائمہ کو جو ضعیفہ شاگرد دیا جواری ملے ان کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کچھ اس طرح فرماتے رہے۔

(۱) اصول کافی ص ۲۵ امام جعفر کا بیان ہے کہ۔

”اے ابو بصیر اگر تم میں سے (جو شیعہ ہو) تین مومن مجھے مل جاتے جو میری حدیث ظاہر نہ کرتے تو میں ان سے اپنی حدیثیں نہ چھپاتا“ اس افسوسناک بیان سے ظاہر ہے کہ۔

(۲) امام جعفر کو عمر بھر تین ایسے مومن شاگرد نہ مل سکے جن پر وہ اعتماد کر سکتے۔

(ج) امام جعفر کو اپنی حدیثیں بیان کرنے کی خواہش تو تھی مگر اس لیے نہیں کہ امام کا علم پھیلے بلکہ اس لیے کہ انہیں چھپا کے رکھا جائے۔ یعنی دین شیعہ چھپا رکھنے کی بجز یہ ظاہر کرنے کی نہیں۔

(ج) امام کو حدیثیں بیان کرنے کی حسرت ہی رہی مگر بیان کرنے سکے۔

بجز یہ تو ایک عہد بن گیا کہ اصول کافی، استنبصار، تہذیب اور من لایحس و ما یضقیہ

جیسی ضخیم کتابیں امام جعفر کی حدیثوں سے بھری پڑی ہیں۔ بیگانوں سے آئیں۔

(۲) اس سے ایک قدم اودا آگے پڑھو کہ امام جعفر درونک امتداز میں فرماتے ہیں۔  
 سوائے عبداللہ بن یعفور کے، (رجال کشی ص ۱۱۱)

گویا امام جعفر کو صحیح شیعہ صرف ایک ہی ملا۔ لہذا اسی ثقہ شخص سے دین شیعہ آگے چلا پھر نتیجہ تو اتنا رہا۔ پھر رجال کشی ص ۲۶ پر ایک روایت سے عبداللہ بن یعفور کا مقام اور اس کی ثقاہت کا راز بھی کھل جاتا ہے۔

### اعلمہ کا طریقہ تبلیغ و تعلیم دین

گو امام کرام کو یہ شکایت رہی کہ اگر کوئی صحیح شیعہ مل جاتا تو ہم اس سے اپنی احادیث بیان کرتے۔ مگر جن راویوں کی روایتوں سے شیعہ کتب بھری پڑی ہیں ان کے متعلق یہی کہا جاسکتا ہے کہ یہ لوگ قابل اعتماد ہیں۔ اسی بنا پر قریباً سارے دین شیعہ کا مدار ان حضرات کی روایت پر ہے۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ امام کرام ان مقتدر حضرات کو دین کی تعلیم کیے دیتے تھے۔  
 (۱) اصول کافی میں ہے کہ امام سے ایک آدمی نے ایک مسئلہ پوچھا۔ امام نے بتا دیا پھر ایک اور آدمی نے آکر وہی مسئلہ پوچھا امام نے اسے اور طرح بتایا پھر زرارہ کی یاری آئی۔ زرارہ بیان کرتا ہے۔

فما خرج الرجلان قلت یا ابن رسول الله رجلا من اهل العراق من شيعتك وقد يسئلان فاجبت كل واحد منها بغير ما اجبت به صاحبه فقال يا زرارہ ان هذا خير لنا والبقی لنا وکم ولو اجتمعتم علی امر واحد صدقتم الناس عیننا وکان انما بقائنا وبقائکم وراہل کافي ص ۱۱۱

جب وہ دونوں چلے گئے تو میں (زرارہ) نے کہا اسے زرارہ رسول یہ دونوں آدمی عراقی اور آپ کے پرانے شیعوں میں سے تھے انہوں نے ایک ہی سوال کیا اور آپ نے دونوں کو مختلف جواب دئے فرمایا اے زرارہ! ایسا جواب دینا ہمارے لیے اچھا ہے اور اسی میں ہماری تمہاری بقا ہے اگر تم ایک بات پر متفق ہو جاؤ گے تو لوگ تمہیں سچا کہیں گے اور یہ بات ہماری تمہاری بقا کے لیے نقصان دہ ثابت ہوگی۔

کتاب میں درج ہے جس کے متعلق امام کا فتویٰ ہے کہ ہذا کات شیعتنا ایسے ثقہ راوی کے سامنے امام اپنی تعلیم کی خصوصیات بیان کرتے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے۔

- (۱) امام اپنے پرانے شیعوں کو بھی دین کی صحیح بات نہیں بتاتے تھے۔
- (ب) امام چاہتے تھے کہ لوگ شیعوں کو جھوٹا سمجھیں اور کہیں۔ کوئی شخص انہیں سچا نہ سمجھ بیٹھے۔
- (ج) شیعوں کے وجود کی یقینی ضرورت ہے خواہ وہ نام کے شیعہ ہوں۔ ان کے ایمان کی ضرورت نہیں۔

(۶) دین کی کسی بات پر متفق ہونا نقصان دہ ہے۔

(۲) دوسرا راوی اور زرارہ کے بعد ثقہ ترین راوی ابو بصیر آپ بیٹی بیان کرتا ہے۔

عن ابی بصیر قال قلت لابن عبد اللہ علیہ السلام منی اصلی رکعتی الفجر قال فقال لی بعد طلوع الفجر قلت لہ ان ابنا جعفر علیہ السلام امرنی ان اصلہا قبل طلوع الفجر فقال لیا ابا عمدا ان الشیخۃ اتوالی ابی مسرشدین ظافنا ہو بالحق واتونی شکا کا فافیتہ لہو ما لتقیۃ (استمصار ص ۱۲۵)

ابو بصیر کہتا ہے میں نے امام جعفر سے پوچھا فجر کی سنتیں کب پڑھوں امام نے فرمایا طلوع فجر کے بعد میں نے عرض کیا امام باقر نے مجھے فرمایا تھا طلوع فجر سے پہلے پڑھو۔ امام جعفر نے فرمایا اے ایا محمد! اشعیر میرے باپ کے پاس طالب ہدایت ہو کر آتے تھے وہ انہیں صحیح مسئلہ بتاتے تھے۔ اور میرے پاس وہ تنگ لے کر آتے ہیں میں تفریح کر کے بتاتا ہوں۔  
 مطلب یہ ہوا کہ۔

(۱) امام جعفر نے ابو بصیر کو دین میں تنگ کرنے والا سمجھا۔ اور امام غلط تو نہیں سمجھا کرتا اس لیے اس کو غلط مسئلہ بتایا۔ اور اسی تنگ میں گرفتار ابو بصیر کی روایات سے شیعہ کتب حدیث بھری پڑی ہیں۔

(۲) یہی شخص امام باقر کے پاس گیا تھا تو امام نے اسے طالب ہدایت سمجھا اور صحیح مسئلہ بتایا۔

(۳) شیعہ کا طلب ہدایت کا معاملہ امام باقر تک رہا۔ ان کے بعد لوگ طلب ہدایت

کیلئے امام کے پاس نہیں جاتے تھے۔ خدا جلنے انہیں دین میں شک ہونا تھا یا امام کے متعلق شک تھا۔

(۴) وقت بدلنے سے ابو بصیر جیسے ثقہ شاگرد کی سیرت بدل گئی امام جعفر کا زمانہ آیا ابو بصیر ہدایت سے مستغنی ہو کر دین میں شک کرنے لگا اور امام جعفر تازہ گئے اس لیے تقیہ کے اسے غلط مسئلہ بتایا۔

۴۔ علامہ دلدار علی مجتہد اعظم شیعہ نے اپنی کتاب اساس الاصول میں امام جعفر کے متعلق عجیب انکشاف کیا ہے۔

عن ابی عبد اللہ انما قال انی اتکلم علی سبعین وجہ لی فی کلہا المتخیر، وایضا عن ابی بصیر قال سمعت ابا عبد اللہ یقول انی اتکلم بالکلمۃ الواحدۃ لہا سبعون وجہا ان

شئت اخذت کذا وان شئت اخذت کذا اساس الاصول ص ۱۵۱

امام جعفر فرماتے ہیں میں ستر پہلوؤں پر کلام کرتا ہوں اور میرے لیے تمام پہلوؤں سے نکلنے کا راستہ ہوتا ہے۔ ابو بصیر سے مروی ہے کہ میں نے امام جعفر سے سنا فرماتے تھے میری کلام کے ہر کلمہ میں ستر پہلو ہوتے ہیں چاہوں تو اس پہلو کو اختیار کروں چاہوں تو دوسرے کو، معلوم ہوا کہ:-

(۱) امام کو امتزات ہے کہ صحیح اور واضح بات کبھی نہ کرتے بلکہ بات جب کرتے پہلو دار بات ہوتی۔

(۲) ان کے ہر کلمہ کے ستر پہلو ہو سکتے ہیں اور امام جب چاہتے ہر پہلو کا انکار کر سکتے تھے مثلاً امام نے کہا کہ زرارہ ملعون ہے تو اس میں صدق و کذب کے ستر پہلو ہونے اور اگر کوئی شخص اس کلام سے وہی سمجھے جو الفاظ کے معنی بتاتے ہیں تو امام اس کا انکار کر سکتے تھے۔ اس لیے زرارہ کے متعلق وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ اسی طرح اگر امام کہیں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، تو اس کے بھی ستر پہلو ہو سکتے ہیں پھر کوئی کیا سمجھے کہ امام کا مذہب کیا ہے جب اس کے ستر پہلو ہو سکتے ہیں اور امام ہر پہلو کا انکار کر سکتے ہیں تو ظاہر ہے کہ سنی شیعہ تو درکنار امام کا کوئی مذہب ہی ثابت نہیں ہو سکتا۔ جب امام نے کوئی جتنی

بات کہی نہیں ہمیشہ پہلو دار بات کی تو امام کا مذہب ثابت کیسے ہو سکتا ہے۔  
۴۔ اصول کافی میں بیان ہوا ہے کہ امام اپنی امامت کا انکار کرتے تھے۔

عن سعید السمان قال کنت عند ابی عبد اللہ اذا دخل علیہ رجلان من الزیدیین فقال لہما انیکم امام مفترض الطاعة قال فقال لافقلا لہما قد اخبرنا عنک الثقات انک تقعی وتعد وتقول بہا وتسمیہم لک فلان وفلان وحم اصحاب وروع وتشدید وحم من لایکذب فغضب ابو عبد اللہ وقال ما امرکم بهذا فلما رآیا غضب فی وجہہ خرجا (اصول کافی ص ۱۵۱)  
”سعید سمان کہتا ہے کہ میں امام جعفر کے پاس بیٹھا تھا کہ زید یہ فرقتے کے دو آدمی آئے اور پوچھا کیا تم میں کوئی امام ہے جس کی اطاعت فرض ہو سعید کہتا ہے امام نے کہا کوئی نہیں۔ وہ کہتے گئے ہمیں بڑے معتز لوگوں نے آپ کے متعلق خبر دی ہے کہ آپ فتویٰ دیتے ہیں اور امامت کا اقرار کرتے ہیں اور ہم ان لوگوں کے نام بتا سکتے ہیں۔ تمہاں فلاں ہیں وہ حدویہ کے نیک آدمی ہیں جھوٹ بالکل نہیں بولتے یسین کر امام کو عقہہ آگیا اور کہا میں نے انہیں کوئی ایسا حکم نہیں دیا۔  
بہ انہوں نے امام کو غضبناک دیکھا تو اٹھ کر چلے گئے،“  
اسی مضمون کی ایک روایت رجال کشی ص ۲۶۸ پر موجود ہے۔

عن سعید الاعرج قال لانا عند ابی عبد اللہ فاستاذن لنا رجلان فاذن لہما فقال احدہما انیکم امام مفترض الطاعة قال ما اعرف ذلك فینا قال بالکوفۃ قوم یزعمون ان فیکم اماما مفترض الطاعة وحم لایکذبون۔ اصحاب وروع واجتہاد و

تیزمحم عبد اللہ بن ابی یعفر الی ان قال فاذا نبی واحمر ووجہہ ما امرتہ۔  
”سعید اعرج بیان کرتا ہے کہ ہم امام جعفر کے پاس موجود تھے کہ دو آدمی زید یہ فرقتے کے آئے انہوں نے اجازت طلب کی امام نے اجازت دی۔ انہوں نے پوچھا کیا تم میں کوئی امام مفترض الطاعة ہے۔ امام نے کہا میں کوئی ایسا آدمی میں نہیں جانتا۔ کہا کو تو فرمیں کچھ لوگ ہیں جن کا خیال ہے کہ تم میں کوئی امام مفترض الطاعة ہے۔ اور وہ جھوٹ بولتے والے نہیں صاحب وروع و تقویٰ ہیں۔ ان میں سے ایک عبد اللہ بن یعفور ہے۔ امام نے فرمایا میرا کیا گناہ ہے۔ اور امام

کا چہ سرخ ہو گیا۔ فرمایا میں نے ان کو یہ حکم نہیں دیا اور نہ کہا ہے۔  
نجاس المؤمنین کے صلہ پر ایسی معصوم کی ایک روایت موجود ہے۔

اس روایت میں ”صاحب درخ و تقویٰ“ عبد اللہ بن بیغور کا ذکر ہے پھر اس کے  
کا نام کا ذکر ہے۔ وہ یہ کہ امام نے امامت کا دعویٰ نہیں کیا مگر کوہ کے اس عبد اللہ بن بیغور  
نے امام پر بہتان باندھا اور انہیں امام مقرر ص الطاعتہ کہا اور لوگوں کو بتایا اور امام اس کی اس  
حرکت پر ناراض ہوئے۔ اور جس نے امام کو غضبناک کیا وہ مسلمان کیسے رہ سکتا ہے۔ یہی  
ایک شخص تھا جس کو صحیح شیعہ قرار دیا گیا۔ امام تو دعویٰ امامت کو ذب کمر رہے ہیں اور  
یہ شخص انہیں امام مقرر ص الطاعتہ کہہ رہا ہے۔

امام کے متعلق حق یقین میں یہ عبارت ملتی ہے۔

”ائمہ طاہرین کے زمانہ میں شیعوں کے اندر ایسے لوگ بھی تھے جو ان بزرگوں  
کی عصمت کا اعتقاد نہ رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ ان کو نیک علماء کے مرتبہ میں شمار کرتے  
تھے جیسا کہ کتاب رجال کشی سے واضح ہوتا ہے لیکن باوجود اس کے ائمہ طاہرین  
ان کو صاحب ایمان سمجھتے تھے بلکہ ان کی عدالت کو معتبر فرماتے تھے“ ص ۲۱۷

تایید ہو کر نہ اماموں نے امامت کا دعویٰ کیا۔ نہ اماموں کی امامت کا عقیدہ اور اقرار  
ایمان تھا اور نہ عدم اقرار کی وجہ سے کوئی ایماندار اور عادل نہ رہتا اور معلوم ہو گا کہ یہ امامت  
کا من گھڑت عقیدہ نہ دارہ ابو بکر اور عبد اللہ بن بیغور جیسے لوگوں کا دعویٰ ہے۔ اور تحقیق یہ  
ہے کہ یہ حضرات امامت کا دعویٰ کیسے کر سکتے تھے جبکہ امامت کا مسئلہ تو ایک راز تھا جس کا  
علم سوائے جبرئیل کے کسی فرشتہ کو بھی نہ تھا۔ پھر جبرئیل نے رسول کو تم کو بتایا اور رسول کریم  
نے حضرت علی کے بغیر کسی کو نہ بتایا جیسے۔ قال ابو جعفر علیہ السلام ولایتما  
اللہ اسن حالہ جبرئیل داسر صاحب جبرئیل ابی محمد داسر صاحب علی داسر صاحب علی من شاء

ثم افتم تزویج ذلک د اصول کافی ص ۲۱۷

و امام باقر نے فرمایا امامت ایک راز تھا جو اللہ نے جبرئیل کو پوشیدہ طور  
پر بتایا۔ جبرئیل نے رسول کو اور رسول نے علی کو ناز کے طور پر بتایا اور علی نے  
جسے چاہا ناز کے طور پر بتایا اب تم شیعہ اس راز کو افشا کرتے ہو“

یہی مضمون رجال کشی ص ۲۱۷ پر پیش ملتا ہے۔

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ امامت کا ذکر قرآن و حدیث میں تو کیا کس انسان  
کو بھی معلوم نہیں تھا۔ ظاہر ہے کہ جب وہ ایک راز تھا تو قرآن میں ذکر کیسے ہوتا۔ جب  
وہ سر تھا تو رسول کریم لوگوں کے سامنے بیان کیسے کرتے کہ وہ حدیث بن جاتی اور پھیل  
جاتی۔ اس لیے قرآن و سنت سے امامت کا ثبوت تلاش کرنا تکلف محض ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ امامت کا عقیدہ قرآن میں نہیں حدیث میں نہیں خود ان لوگوں  
نے اپنی امامت کا انکار کیا جنہیں آج امام تسلیم کیا جاتا ہے جب امامت کا علم کسی کو نہیں  
تھا تو مذہب شیعہ کا علم کیسے ہو گیا۔ پس زمانہ اول میں نہ امامت تھی نہ مذہب شیعہ تھا۔  
تو دیکھنا یہ ہے کہ عقیدہ امامت کا موجد کون ہے؟ اس سلسلے میں صاحب رجال کشی نے  
کچھ ہماری کی ہے۔

ذکر بعض اهل العلم ان عبد الله بن سبا كان يهوديا فاسلم د والى علياً عليه السلام وكان يقول  
وهو على يهوديته في يوشم بن نون وهو من موسى بالغلو فقال في اسلامه بعد وفات رسول الله صلى  
الله عليه وسلم في علي في ذلك وكان اول من اشهر بالقول بقرض امامته على  
البنائة من اعدائه وكاشف مخالفيه وكفرهم فمن هذ اقال من مخالفت

الشيعة اصل التيقع والرفض ماخوذ من اليهودية (رجال کشی ص ۲۱۷)

”بعض اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ عبد اللہ بن سبا یہودی تھا پھر وہ اسلام  
لایا اور اس نے حضرت علی سے محبت کی اور اپنی یہودیت کے زمانہ میں یوشم  
بن نون دنی موسیٰ کے بارہ میں غلو کرتا تھا پھر اسلام لایا تو رسول کریم کی وفات  
کے بعد حضرت علی کے بارہ میں غلو کرنے لگا۔ یہ ابن سبا پہلا شخص تھا جس نے  
مسئلہ امامت علی مشہور کیا۔ ان کے دشمنوں پر تمہیر کیا اور انہیں کافر کہا اس  
وجہ سے جو لوگ شیعوں کے مخالف ہیں وہ کہتے ہیں شیعہ مذہب یہودیت  
سے ماخوذ ہے“

تایید ہو کر شیعہ مذہب کے دونوں اعظم رکن امامت اور تبرہ بازی کا عقیدہ  
اسی دشمن اسلام کی اختراع ہے۔ اور یہی شخص ان عقائد کا بانی ہے۔

ایک لڑکا تھا سرشین، بیکہ کے پانچ لڑکے تھے عبداللہ، جم، بوہد الجید، عبدالاعلیٰ اور عمران تمام کو ملا کر آل امین کہا جاتا ہے۔ رجال کشی ص ۱۳۲ میں تمام کو یہودی کی مثل لکھا ہے۔

جم نے ان تمام راویوں کے حالات شیعہ کتب رجال سے صرف اس لیے پیش کر دئے کہ معلوم ہو جائے کہ اس خانہ ہمسایہ آفتاب است در نہ اس بات کو پیش نظر رکھا جاتا کہ امام جعفر کے زمانے تک امام کو ایک مومن بھی نہ ملا سوائے عبداللہ بن یعفور کے۔ اس لیے اگر صرف اسی کی سیرت کا ملاحظہ کر لیا جاتا تو کافی تھا۔

اب ذرا امین عظیم محدثین جابر زید اور جعفری کا حال بھی ملاحظہ کر لیجئے۔

عن جابر بن یزید الجعفی قال حدثنی ابو جعفر بسعین الف حدیث (رجال کشی ص ۱۳۸)

”جابر جعفی کہتا ہے کہ میں نے امام باقر سے ستر ہزار حدیثیں تعلیم پائی“  
یہ ہے اس کا علمی مرتبہ اب اس کی دیانت کا حال سنئے۔

من زرارہ قال سئلت ابا عبد اللہ عن احادیث جابر فقال ما رأیتہ عند ابی قط الامرة

(رجال کشی ص ۱۳۶)

واحدة ومال دخل علی قط۔

”زرارہ کہتا ہے کہ میں نے امام جعفر سے جابر کی احادیث کے متعلق پوچھا تو فرمایا

کہ یہ میرے باپ سے صرف ایک ملا اور میرے پاس تو کبھی نہیں آیا“

نتیجہ یہ نکلا کہ صرف ایک ملاقات میں ستر ہزار حدیثیں امام سے سن لیں اگر یہ ممکن نہیں تو معلوم ہوا خود گھڑی تقیوں اور امام سے منسوب کر دی گئیں۔

علامہ مجلسی کے اس اصول کے پیش نظر جو حق الیقین کے ص ۳۷۷ سے نقل کیا جا چکا ہے کہ راویوں کی یہ جماعت کاذب ثابت ہو جائے تو شیعہ مذہب باطل ہے“

راویوں کی یہ ساری جماعت کاذب چھوڑا امام کی زبانی ملعون، کافر اور یہودی ثابت ہو چکے ہیں تو بقول مجلسی شیعہ مذہب باطل ٹھہرا۔

اگر ان راویوں کو صادق تسلیم کریں تو ائمہ کا اپنا کوئی مذہب ہی ثابت نہیں ہو سکتا اور اگر کاذب سمجھیں اور یہ صحیحے بغیر چارہ نہیں کیونکہ ان کی کتب رجال سنی بتاتی ہیں تو شیعہ مذہب باطل ثابت ہوا۔ ان کی کتب رجال سے صرف ایک راوی بھی لقمہ اور صادق ثابت نہیں ہوتا۔ اور دین کے ماخذ ہی راوی ہیں نہ یہ ائمہ سے چلائے رسول کریم سے ماخوذ ہے۔